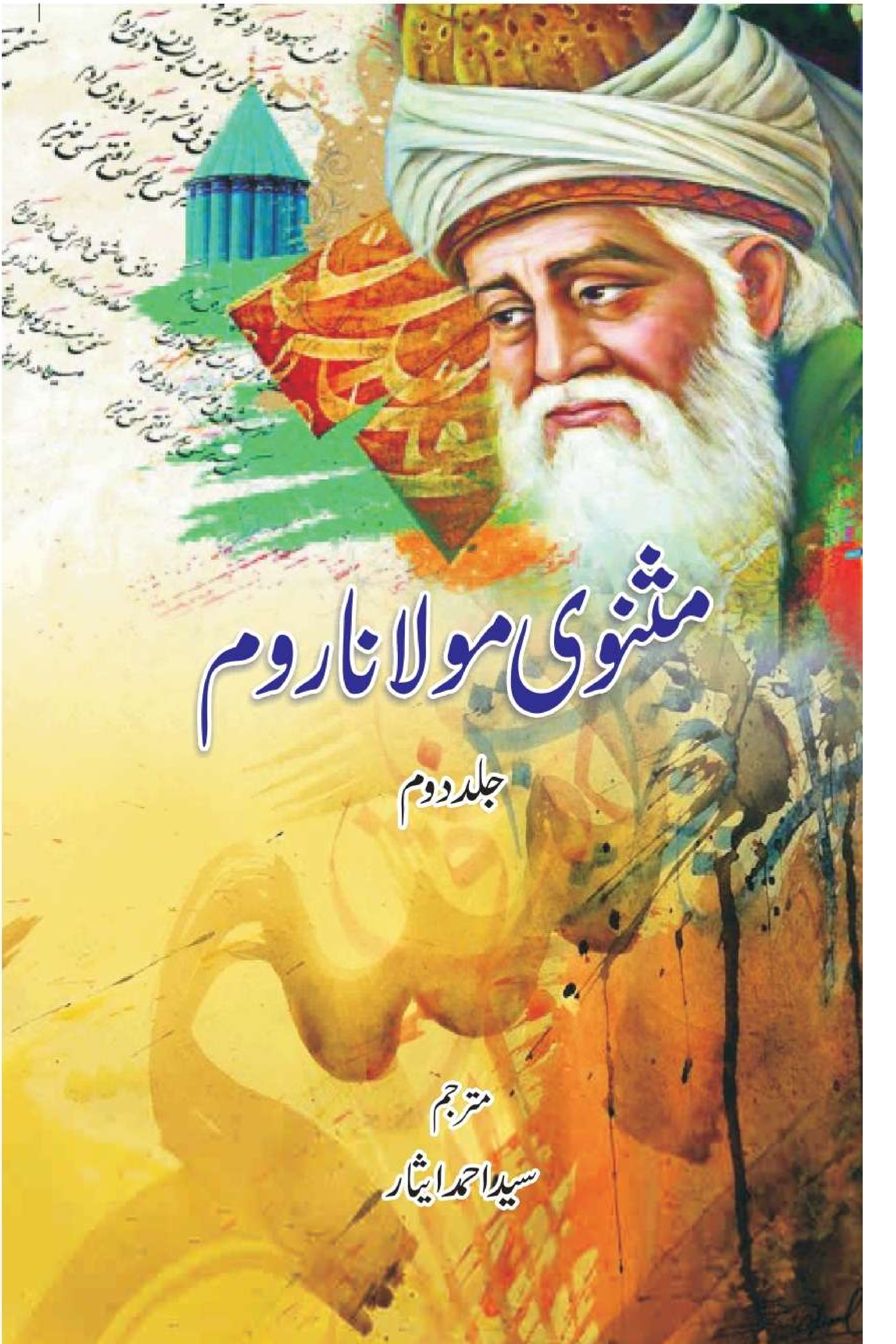

# مثنوی مولانا روم

## جلد دوم

مترجم

سید احمد ایثار

# مثنوی مولانا روم

## جلد دوم

مترجم

سید احمد ایثار

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون ایف سی، 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی ـ 110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت :
تعداد :
قیمت : روپے
سلسلہ مطبوعات :

**Masnavi Maulana Room**

Translated by: Syed Ahmad Esar

**ISBN :**

# پیش لفظ

**افراد** و اجتماع کی ترقی آگہی اور معلومات سے مشروط ہے اور آگہی کے تمام دروازے کتابوں کے ذریعے ہی کھلتے ہیں۔ کتابیں ہمیں روشنی کی ایک نئی دنیا سے روشناس کراتی ہیں اور ہمارے احساس واظہار کو تحریک عطا کرتی ہیں۔ مگر صارفی معاشرت نے ہماری ترجیحات بدل دی ہیں۔ کتابوں سے ذہنوں کا رشتہ کمزور پڑتا جا رہا ہے۔ ڈیجیٹل ٹکنالوجی کی وجہ سے متبادل قرأت کی ایک نئی صورت جنم لے رہی ہے۔ اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ مطبوعہ کتابوں کی معنویت کم نہیں ہوئی بلکہ کتابیں ہمیشہ زندہ رہیں گی کیونکہ مطبوعہ کتابوں کے لمس کی لذت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ ای بکس نے گو کہ قاری کا ایک نیا طبقہ پیدا کیا ہے مگر مطبوعہ کتابوں سے آج بھی دنیا کی بڑی آبادی کا رشتہ قائم ہے اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ حسب سابق جاری وساری ہے۔

علمی اور تہذیبی ورثے کا تحفظ ہمیشہ سے ایک اہم مسئلہ رہا ہے اور ہمارے ارباب نظر نے اس کے تحفظ کے لیے مختلف صورتیں بھی نکالی ہیں۔ قومی اردو کونسل بھی ایک ایسا ادارہ ہے جس نے علمی اور تہذیبی وراثت کے تحفظ کے لیے مختلف علوم وفنون کی نہ صرف کتابیں شائع کی ہیں بلکہ ''ای کتاب'' کے ذریعے بھی اس کے تحفظ کی ایک نئی صورت نکالی ہے۔ قومی اردو کونسل نے

جہاں لسانیات، ادبیات، تکنیکی و سائنسی علوم، ریاضیات، شماریات اور دیگر علوم کی فرہنگ و اصطلاحات، کلاسیکی ادب پاروں، نادر و نایاب کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ قائم رکھا ہے وہیں ''ای کتاب'' اور'' ای لائبریری'' کے ذریعے اہم کتابوں کے تحفظ کی بھی کوشش کی ہے۔ کونسل نے ذولسانی (اردو اور انگریزی) ایپ ''ای کتاب'' تیار کیا ہے جس میں گلوبل لینگویج سپورٹ کے علاوہ انٹریکٹو فہرست کے ذریعے مطلوبہ باب تک رسائی اور الفاظ کے معانی دیکھنے کی سہولت بھی موجود ہے۔ کونسل سے شائع شدہ اہم کتابیں اس کی ویب سائٹ (ای لائبریری) پر موجود ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ کونسل کی اہم مطبوعات سے استفادہ کر سکیں۔ قومی اردو کونسل نے کم قیمت پر اردو زبان و ادب کا سرمایہ شائقین تک پہنچانے کی کوشش کی ہے اور کونسل اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی ہے کہ اس کی کتابیں صرف برصغیر نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ کونسل ترجیحی طور پر ان کتابوں کی اشاعت کرتی ہے جس کے ذریعے ہم حیات و کائنات کے رموز و اسرار، آداب زندگی اور قرینۂ اظہار سے اچھی طرح واقف ہو سکیں۔

یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب اساتذہ اور طلبا کے علاوہ عام قارئین کے لیے بھی بے حد مفید ثابت ہوگی۔

**شیخ عقیل احمد**

ڈائرکٹر

# فہرست


| | | |
|---|---|---|
| | مقدمہ | xi |
| 1 | تمہید: تاخیر در تصنیف | 1 |
| 2 | حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک شخص کا اپنے خیال کو ہلال سمجھ لینا | 6 |
| 3 | سپیرے کا دوسرے سپیرے سے سانپ چرانا | 7 |
| 4 | حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کا ان سے ہڈیوں کو زندہ کرنے کی درخواست کرنا | 8 |
| 5 | صوفی کا خادم کو جانور کی خبر گیری کرنے کی نصیحت کرنا اور خادم کا لاحول پڑھنا | 9 |
| 6 | مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے مشورہ کرنا | 9 |
| 7 | حکایت معنی کی تقریر کا بند ہو جانا......ظاہر کی طرف ہے وغیرہ | 11 |
| 8 | کارواں والوں کا گماں کرنا کہ صوفی کا گدھا بیمار ہے | 13 |
| 9 | گم شدہ اپنے باز کو بادشاہ کا بوڑھی عورت کے گھر پا لینا | 16 |
| 10 | الہامِ حق سے شیخ خضرویہ کا قرض خواہوں کے لیے حلوا خریدنا | 19 |
| 11 | ایک شخص کا زاہد کو ڈرانا کہ کم روتا کہ کہیں اندھا نہ ہو جائے | 22 |
| 12 | حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ہڈیوں کے زندہ ہو جانے کے قصہ کی تکمیل | 23 |

| | | |
|---|---|---|
| 13 | دیہاتی کا اندھیرے میں شیر کو کھجلانا اس گمان میں گائے ہے | 25 |
| 14 | صوفیوں کا ایک صوفی مسافر کے سواری کے جانور سماع کے لیے بیچنا | 26 |
| 15 | قاضی کے منادیوں کا گرد شہر ایک مفلس کی تشہیر کرنا | 29 |
| 16 | قیدیوں کا قاضی کے وکیل سے اس مفلس کی شکایت کرنا | 31 |
| 17 | اس مفلس کے قصہ کا بقیہ | 32 |
| 18 | مناجات | 35 |
| 19 | اس سے کاشکے نام کا بچہ ہوگا | 37 |
| 20 | لوگوں کا ایک شخص کو ملامت کرنا جس نے اپنی ماں کو تہمت کی وجہ سے قتل کر ڈالا | 39 |
| 21 | بادشاہ کا دونو خریدہ غلاموں کا امتحان کرنا | 42 |
| 22 | بادشاہ کا ان دو غلاموں سے ایک کو روانہ کر کے دوسرے سے حال دریافت کرنا | 43 |
| 23 | بادشاہ کے سامنے غلام کا اپنے دوست کی سچائی اور وفاداری و نیک باطنی کی قسم کھانا | 45 |
| 24 | پھر اس غلام کی حالت پوچھنا | 50 |
| 25 | غلاموں کا مخصوص غلام پر حسد کرنا | 52 |
| 26 | ویرانے میں باز کا چغدوں میں پھنس جانا | 56 |
| 27 | پیاسے کا دیوار پر سے پانی کی نہر میں مٹی کے ڈلے پھینکنا | 59 |
| 28 | حاکم کا ایک شخص سے کہنا کہ کانٹوں کا جھاڑ جو تو نے بویا ہے......عذر کرنا | 61 |
| 29 | اچھے کاموں کو کل پر چھوڑنے کی آفت | 64 |
| 30 | پانی کا ناپاکوں کو پاکی کی طرف بلانے کی مثال | 68 |
| 31 | دوستوں کا شفاخانے میں ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی مزاج پرسی کے لیے جانا | 69 |
| 32 | مریدوں کا جان لینا کہ ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ دیوانہ نہ تھے......صورت اختیار کی | 71 |
| 33 | مریدوں کے درمیان حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کا حال بیان کرنا | 72 |
| 34 | حضرت لقمان علیہ السلام کے آقا کا لقمان علیہ السلام کی ذہانت کا امتحان کرنا | 73 |
| 35 | امتحان کرنے والوں کے سامنے حضرت لقمان علیہ السلام کی بزرگی وذہانت کا ظاہر ہونا | 75 |

| | | |
|---|---|---|
| 36 | بادشاہ کے خاص غلام پر غلاموں کا حسد کرنا | 78 |
| 37 | حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعظیم کا عکس بلقیس کے دل پر حقیر ہدہد کی صورت دیکھ کر | 80 |
| 38 | ''اگر پانی نیچے اتر جائے'' آیت قرآنی ''اِن اَصبَحَ مَاءُ کُم غَورَاً'' سے فلسفی کا انکار | 82 |
| 39 | ایک چرواہے کی دعا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انکار | 86 |
| 40 | چرواہے کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی خفگی | 87 |
| 41 | حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آنا اس گڈریہ سے معذرت کے سلسلے میں | 89 |
| 42 | حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظالموں کے غلبہ کا راز پوچھنا | 91 |
| 43 | امیر کا اس سونے والے کو دکھ دینا جس کے منہ میں سانپ گھس گیا | 94 |
| 44 | ایک شخص کا ریچھ کی چاپلوسی اور وفا پر بھروسہ کرنا | 96 |
| 45 | اندھے بھکاری کا لوگوں سے کہنا کہ میں دو طرح کور ہوں | 99 |
| 46 | ریچھ اور اس بے وقوف کی حکایت جس نے ریچھ کی وفا کا بھروسہ کیا | 100 |
| 47 | حضرت موسیٰ کا بچھڑے کو پوجنے والے سے فرمانا کہ تیری وہ سمجھ اور پختگی کدھر گئی | 101 |
| 48 | نصیحت کرنے والے کا بار بار نصیحت کے بعد ریچھ کے دھوکے میں پڑنے والے کو چھوڑنا | 103 |
| 49 | ایک دیوانے کا جالینوس کی خوشامد کرنا اور جالینوس کا گھبرانا | 104 |
| 50 | ایک پرند کے غیر جنس پرند کے ساتھ اڑنے اور چرنے کا سبب! | 105 |
| 51 | باقی قصہ ریچھ کی چاپلوسی پر بھروسہ کرنے والے کا | 106 |
| 52 | حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیمار صحابی کی مزاج پرسی کو جانا اور عیادت کا فائدہ | 107 |
| 53 | حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی آنا کہ تو میری عیادت کو کیوں نہ آیا | 107 |
| 54 | باغبان کا صوفی اور فقیہ کو جدا کرنا ایک دوسرے سے اور سزا دینا | 108 |
| 55 | مریض اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج پرسی کو جانے کی طرف رجوع | 110 |
| 56 | ایک شیخ کا بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے کہنا کہ میں ہوں کعبہ میرے گرد گھوم | 111 |
| 57 | ایک مرید کا گھر بنانا اور پیر کا مرید کے امتحان کا قصہ | 111 |

| | | |
|---|---|---|
| 58 | حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جان لینا کہ اس شخص کی بیماری کا سبب دعا میں گستاخی تھی | 113 |
| 59 | ایک ڈوم کا اپنے آقا سے عذر کرنا کہ فاحشہ سے نکاح کیوں کیا | 117 |
| 60 | سائل کا ایک حیلے سے ان بزرگ کو باتوں پر آمادہ کر لینا...... دیوانہ کر لیا | 117 |
| 61 | اندھے فقیر پر کتے کا حملہ | 118 |
| 62 | محتسب کا بدمست کو قید خانے کی طرف بلانا | 119 |
| 63 | سائل کا شیخ سے دوبارہ بات کرنا تاکہ باقی حال معلوم ہو سکے | 120 |
| 64 | پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیمار کو نصیحت کا بقیہ قصہ | 123 |
| 65 | عذاب آخرت کی دشواری اور اس کی سختی | 124 |
| 66 | حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم اور ان کی شرمندگی | 125 |
| 67 | مثال در بیان معنی نؤمِنُ بِالْقَدَرِ خَیْرِہٖ وَ شَرِّہٖ | 127 |
| 68 | آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیمار کو نصیحت کرنا اور دعا سکھانا | 128 |
| 69 | شیطان کا حضرت امیر المومنین معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیدار کرنا...... نماز کا وقت ہے | 130 |
| 70 | حضرت امیر المومنین معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب دینا | 131 |
| 71 | شیطان کا دوسری بار حضرت امیر المومنین معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جواب دینا | 131 |
| 72 | امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ابلیس کے سامنے دوبارہ تقریر کرنا | 133 |
| 73 | پھر سے ابلیس لعین کا حضرت امیر المومنین معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بار سموم | 134 |
| 74 | امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ابلیس کے ساتھ سختی کرنا | 135 |
| 75 | شیطان کے مکر سے امیر المومنین کا اللہ تعالیٰ سے نالہ کرنا اور مدد چاہنا | 135 |
| 76 | پھر امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے اپنی مکاری کی تقریر | 136 |
| 77 | حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شیطان سے مقصد کی حقیقت پھر معلوم کرنا | 137 |
| 78 | قاضی کی مصیبت کا شکوہ کرنا اور اس کے نائب کا جواب | 138 |
| 79 | حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شیطان سے اقرار کرا لینا کہ اس سے کیوں جگایا | 138 |
| 80 | شیطان کا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دل کی بات سچ کہہ دینا | 139 |

| | | |
|---|---|---|
| 81 | نماز با جماعت فوت ہو جانے پر اس شخص کے افسوس کی فضیلت | 139 |
| 82 | شیطان کا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنے مکروفریب کے اقرار کر لینے کا نتیجہ | 140 |
| 83 | بعد از اقرار امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب دینا | 140 |
| 84 | چور کا بچ کر نکلنا ایک شخص کے پکارنے کی وجہ سے...... چور کو پکڑ لے | 140 |
| 85 | بادشاہ کے اس وزیر کا قصہ جس کو بادشاہ نے وزارت سے معزول کر کے کوتوالی دی | 142 |
| 86 | منافقوں کا اور ان کے مسجد ضرار بنانے کا قصہ | 142 |
| 87 | منافقوں کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بہکانا تاکہ مسجد ضرار میں لے جائیں...... | 143 |
| 88 | صحابہ میں ایک کا شبہ کے ساتھ سوچنا...... کیوں نہیں کرتے | 145 |
| 89 | اس شخص کا قصہ جو گمشدہ اونٹ کو تلاش کرتا تھا اور پتہ پوچھتا تھا | 146 |
| 90 | مختلف مذاہب میں متردد ہونا اور ان سے دور ہونا اور خلاصی پانا | 147 |
| 91 | ہر چیز کی آزمائش کرنا تاکہ اس میں جو بھلائی اور برائی ہے ظاہر ہو جائے | 148 |
| 92 | اونٹ کے متلاشی شخص کی حکایت کے فائدہ کی شرح | 149 |
| 93 | اس بیان میں کہ ہر ایک نفس میں مسجد ضرار کا فتنہ موجود ہے | 151 |
| 94 | اس ہندوستانی کا قصہ جو اپنے ساتھیوں سے لڑ رہا تھا...... | 152 |
| 95 | غزوں کا ایک شخص کو قتل کرنے کا ارادہ کرنا تاکہ دوسرا ڈرے | 153 |
| 96 | ان لوگوں کی حالت کا بیان جو انبیا و اولیا کے وجود کی نعمت کے ناشکرے و خود پرست ہیں | 153 |
| 97 | ایک بوڑھے کا طبیب سے بیماریوں کی شکایت کرنا اور طبیب کا اس کو جواب | 155 |
| 98 | ایک بچہ کا اپنے باپ کے جنازے کے آگے رونا اور شیخ چلی کی بات کرنا | 156 |
| 99 | ایک بچے کا بھاری بھرکم انسان سے ڈرنا...... تو مرد ہے | 158 |
| 100 | ایک تیر انداز کا قصہ اور اس کا اس سوار سے ڈرنا جو جنگل میں جا رہا تھا | 159 |
| 101 | ایک بدو اور اس کے بورے میں ریت بھرنے کا قصہ اور عاقل کا اس کو ملامت کرنا | 159 |
| 102 | دریا کنارے پر سلطان ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات | 161 |

| | | |
|---|---|---|
| 103 | غیب کو دیکھنے والے نور سے عارف کے حواس کے بانور ہونے کا آغاز | 163 |
| 104 | ایک اجنبی شخص کا ایک شیخ پر طعنہ زنی کرنا اور شیخ کے مرید کا جواب دینا | 166 |
| 105 | دریا کے کنارے حضرت ابراہیم بن ادہم کا باقی قصہ | 167 |
| 106 | ایک شخص کا دعویٰ کرنا کہ خدا گناہ کی وجہ سے میری گرفت نہیں کرتا ہے...... | 169 |
| 107 | اس بیگانہ انسان کا شیخ پر طعنہ کرنے اور اس کو مرید کے جواب کا بقیہ قصہ | 170 |
| 108 | حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنا مصلّے کے بنا جہاں جاتے ہیں نماز پڑھتے ہیں | 172 |
| 109 | چوہے کا اونٹ کی مہار کو کھینچنا اور چوہے کا گھمنڈ میں آ جانا | 172 |
| 110 | اس درویش کی کرامت جس پر کشتی میں چوری کی تہمت لگائی گئی | 175 |
| 111 | صوفیوں کا ایک شیخ کے سامنے اس صوفی کو طعنہ دینا کہ بہت بولتا اور بہت کھاتا ہے | 176 |
| 112 | خانقاہ کے شیخ سے فقیر کا عذر کرنا | 177 |
| 113 | اس دعوے کی سچائی کے بیان میں جو صاحب حال کے نزدیک حقیقت ہے...... | 179 |
| 114 | حضرت یحییٰ علیہ السلام اور مسیح علیہ السلام کا ماں کے پیٹ میں ایک دوسرے کو سجدہ کرنا | 181 |
| 115 | نادانوں کا اس قصہ پر اشکال لانا | 181 |
| 116 | اشکال کا جواب اور قصہ کا مقصد | 181 |
| 117 | شمع و پروانہ اور گل و بلبل وغیرہ کے قصہ کے بیان میں | 182 |
| 118 | باطل بات کا باطل لوگوں کے دل میں اتر جانا | 183 |
| 119 | اس درخت کی تلاش کرنا کہ جو بھی اس کا میوہ کھائے ہرگز نہ مرے | 183 |
| 120 | اس مقلد طالب کے لیے شیخ کا اس درخت کے راز کی شرح کرنا | 184 |
| 121 | انگور کے معاملہ میں چار شخصوں کا آپس میں جھگڑے کا بیان...... | 185 |
| 122 | انصار کے درمیان سے مخالفت وعداوت کا ختم ہو جانا......وجود کی برکت سے | 187 |
| 123 | بطخ کے ان بچوں کا قصہ جن کو گھریلو مرغ نے پالا | 189 |
| 124 | حاجیوں کا درویش کی کرامت پر حیران ہونا جو صحرا کی گرم ریت پر بیٹھا ہوا تھا | 190 |

# مقدمہ

**بیسویں** صدی کے تیسرے دہے کا وہ کون سا سال تھا یاد نہ رہا۔ بنگلور چھاؤنی کی میسور لانسرز کی مسجد کے برابر کھلے میدان میں وعظ کی محفل کا انعقاد ہوا۔ رات کا وقت تھا۔ حضرت قاضی سید نصیرالدین حسینی چشتی القادری وعظ فرما رہے تھے۔ قاضی صاحب کی خوشنوائی اتنی جاں فزا کہ ہاتھی بھی سنے تو جھومنے لگے۔ انھوں نے دوران وعظ اپنی مترنم آواز میں یہ شعر سنایا ؂

تن بجاں جنبد نمی بینی تو جاں
لیک از جنبیدن تن جاں بداں

مثنوی معنوی کا شعر، معرکتہ الآرا صوفیانہ تذکرہ جسم و جاں کی ایک جھلکی، مٹھاس سے مملو فارسی زبان، بجتے ہوئے الفاظ، ج نون، ت جیسے بہشتی حروف کی تکرار، اس پر حضرت والا کی سریلی صدا، مستی کا عجیب عالم تھا، ذہن کی سادہ تختی پر شعر نقش کالحجر بن گیا۔ خوشی کی انتہا اس بات پر کہ فارسی زبان کا اولین شعر میرے ذہن میں بیٹھ گیا۔ شعر کے معنی کی وسعت معلوم نہ گہرائی۔ اس سے کچھ مطلب نہ تھا۔ قاضی صاحب کی تشریح پر جو کچھ بھی سمجھا وہی بہت تھا۔ بار بار دہرایا۔ آج بھی اسے دہراتے اور معنی پر غور کرتے جان، جسم اور باہمی حرکت کے نتائج جاں افزا بن جاتے ہیں۔

صاحبِ مثنوی، مولانا محمد جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ ایک عظیم عالم اور بے مثال صوفی وشاعر ہیں۔ آپ 604ھ مطابق 1207 میں بلخ میں پیدا ہوئے۔ ددھیال کی طرف سے آپ کا نسب خلیفہ اول، امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اور ننھیال کی طرف سے حضرت سلطان ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ سے جاملتا ہے۔ اس خاندانی شرافت کے علاوہ آپ کے آباواجداد تحصیل علم دینی میں محنت شاقہ اور حصول مراتب میں درجہ کمال رکھتے تھے، جس کے باعث آپ کے دادا حضرت حسین الخطیبی کو سلطان خوارزم شاہ نے اپنی دامادی میں لینے کو ایک اعزاز سمجھا اور اپنی بیٹی 'ملکہ جہاں' سے عقد کروادیا۔ حضرت بہا الدین ولد انھی کے فرزند اور مولانا روم کے والد بزرگوار ہیں۔

حضرت بہاالدین ولد اپنے اسلاف کی طرح علوم دینیہ کی تحصیل میں مشغول ہوگئے اور ان کی مشغولیت کا یہ عالم تھا کہ دنیوی علائق سے دوری اختیار کر لی۔ انجام یہ کہ ایک شب خواب میں ایک مجلس آراستہ پائی جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز تھے اور حضرت بہاالدین ولد آپ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے تین سو (300) مفتیان شہر کا ایک ہجوم تھا۔ اس مقدس مجلس میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ آج سے بہاالدین ولد سلطان العلما کے نام سے پکارے جائیں گے۔ دوسرے دن صبح وہ تین سو (300) مفتیانِ شہر جمع ہوکر بہاالدین ولد کو تہنیت اور مبارکباد پیش کرنے کے لیے چلے۔ وہاں بہاالدین نے بھی اس خواب کی تصدیق کی۔

غرض مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نہ صرف نجیب الطرفین تھے بلکہ علوم دینیہ سے گہرا شغف گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ خود مولانا میں بھی بچپن ہی سے روحانی کیفیات پائی گئیں۔ کبھی کبھی گھبراہٹ اور پریشانی سے تڑپ جاتے تو آپ کے والد کے مریدین اور شاگرد سنبھالتے۔ کبھی کبھی تین تین دن تک کھانا پینا چھوڑ دیتے تھے۔ آپ کی عمر شاید چھ برس تھی۔ مولانا رئیسوں کے بچوں کے ساتھ کوٹھے پر کھیل رہے تھے۔ ان میں سے ایک بچے نے کہا کہ آؤ اس چھت سے اس چھت پر کودیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو کتے بلیوں کا کھیل ہوا۔ اگر روحانی قوت ہوتو آؤ آسمان پر چلیں، ستاروں اور ملکوت کی سیر کریں۔ اتنا کہتے ہوئے نظروں سے غائب ہوگئے۔ یہ دیکھ کر بچے چلانے لگے تو فوراً آموجود ہوئے، اور کہنے لگے کہ جب میں تم سے باتیں کر رہا تھا تو سبز پوشوں کی ایک

جماعت آئی، مجھے اٹھالے گئی، بروج آسمانی اور عجائبات عالم روحانی کی سیر کرائی اور تمھارے چلانے کی صدا سن کر یہاں لاکر پہنچا دیا۔

سلطان العلما بھی آپ کے شاندار مستقبل سے بخوبی آگاہ تھے۔ پیار کے ساتھ احتراماً خداوندگار، یا آقا کے نام سے خطاب کرتے۔ اور کہتے تھے کہ جب تک میں زندہ رہوں کوئی میری ہمسری کرنے نہ پائے گا۔ البتہ میرے بعد خداوندگار میری ہمسری کیا مجھ پر سبقت لے جائیں گے۔

610ھ میں بلخ سے ہجرت کا واقعہ پیش آیا۔ تین سو اونٹوں پر سوار مہاجرین بلخ سے بغداد کی جانب جارہے تھے۔ نیشاپور کے قریب پہنچے تو خواجہ فریدالدین عطار نے دیکھا کہ مولانا روم باپ کے پیچھے آرہے ہیں۔ آپ نے فرمایا دیکھو نہر کے پیچھے سمندر آرہا ہے! آنے کے بعد ان کی پیشانی پر بلند بختی کے آثار پائے۔ دعاؤں کے ساتھ اپنا 'پندنامہ' انھیں عنایت فرمایا۔ قافلہ عازم سفر حج تھا۔ یہ خوش قسمتی کہ بچپن میں ہی مولانا کو حج جیسے فریضہ کی ادائیگی کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ بغداد پہنچتے وقت یہ پوچھا گیا تھا کہ کون ہیں اور کدھر سے کدھر کو جارہے ہیں۔ سلطان العلما نے فرمایا ''من اللّٰہ والی اللّٰہ ولاحولا قوۃ الا باللّٰہ''۔ شہاب الدین سہروردی نے جان لیا کہ وہ سلطان العلما کا ہی قافلہ ہے۔ بغداد میں دو تین مہینے قیام کے بعد کوفے سے گزرتے ہوئے مکہ مکرمہ کے قصد سے آغاز سفر کیا۔

فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ میں زیارت بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے اور دمشق اور شام سے گزرتے ہوئے برسوں بعد لارندہ پہنچے۔ لارندہ کے والی امیر موسیٰ نے انھیں ٹھہرایا۔ وہاں مدرسہ بنایا اور سکونت اختیار کی۔ لارندہ سلطنت روم سے ملحق تھا۔ چونکہ سلطان روم شراب پینے اور چنگ سننے کا عادی تھا اس لیے سلطان العلما نے امیر موسیٰ سے آپ کی وہاں موجودگی کی خبر اخفا میں رکھنے کو کہا۔

سلطان العلما کی آمد سے قبل حضرت خواجہ شرف الدین سمرقندی مغلوں کے فتنے سے بچنے کے لیے لارندہ آکر مقیم ہو چکے تھے۔ دونوں مہاجرین کے خاندانوں میں ہم وطنی کا تعلق تھا اور کچھ دن بعد یہ تعلق رشتہ داری میں بدل گیا۔ مولانا روم کی عمر اس وقت سترہ، اٹھارہ سال تھی۔ خواجہ شرف الدین کی ایک بیٹی گوہر خاتون تھی۔ اس کا عقد مولانا سے کیا گیا۔ تقریباً چار سال کا

عرصہ لارندہ میں گزر گیا اور مولانا کے دو فرزند سلطان ولد اور علاالدین اسی مقام پر پیدا ہوئے۔ نہ معلوم یہاں سلطان العلما کے قیام کی خبر سلطان علاالدین کیقباد کو کیسے پہنچی کہ سلطان نے غضب ناک ہو کر امیر موسیٰ کو ایک تہدید نامہ لکھا کہ ان کی آمد کی خبر کیوں نہ دی۔ سلطان کو اس کے کچھ امرا نے سلطان العلما کی عظمت اور فیوض کے باب میں معلومات فراہم کی تھی سلطان خود ان کا معتقد ہو گیا اور آپ سے ملنے کا متمنی تھا۔ سلطان نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ (سلطان العلما) قونیہ میں مستقل قیام کریں گے تو وہ شراب نوشی اور چنگ سننا ترک کر دے گا۔

امیر موسیٰ نے یہ بات آپ کو بتائی تو سلطان العلما قونیہ چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ سفر شروع ہو گیا اور آپ 626 کو قونیہ پہنچ گئے۔ اس طرح بلخ سے قونیہ پہنچنے تک جملہ پندرہ برس کا عرصہ لگا۔ بادشاہ اپنے امرا کے ساتھ آیا اور سلطان العلما کا مرید ہو گیا۔

**مولانا روم کی تربیت:** حضرت سلطان العلما نے مولانا کے بچپن ہی میں حضرت برہان الدین ترمذی رحمتہ اللہ علیہ کو، جو ان کے مرید خاص تھے، مولانا کا اتالیق مقرر کیا تھا۔ لیکن بلخ کو ترک کرتے وقت برہان الدین ترمذ چلے گئے۔ لہٰذا مولانا شروع سے وصال تک اپنے والد صاحب کے زیر تربیت رہے اور انھی سے ظاہری و باطنی علوم حاصل کرتے رہے۔ 628ھ میں حضرت سلطان العلما کا انتقال ہوا تھا۔ قونیہ میں دو برس قیام کے بعد بیمار ہو گئے۔ بادشاہ عیادت کو آیا اور خوب رویا۔ اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ تخت کو زینت بخشیں اور وہ خود سپہ سالار بن کر فتوحات کی طرف توجہ کرے گا۔ سلطان العلما نے فرمایا کہ میں تو عالم شہادت سے عالم سعادت کی طرف سفر کر رہا ہوں۔

حضرت سلطان العلما کے انتقال کے بعد سید برہان الدین محقق ترمذی قونیہ آئے۔ مولانا روم سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ آپ کے والد صاحب قال ہی نہیں صاحب حال بھی تھے اور تم قال میں اپنے والد سے بھی بڑھ گئے ہو، بس حال کی طرف توجہ کی ضرورت ہے تا کہ آپ والد کے پورے وارث اور جانشین بن سکیں۔ جب مولانا دائرہ ولایت میں درجہ کمال کو پہنچ گئے تو برہان الدین بھی فارغ ہو گئے۔ سید صاحب 629ھ میں قونیہ آئے اور 637ھ میں انتقال فرمائے۔ یہ آٹھ نو سال کا عرصہ ہی قونیہ میں گزرا تھا۔

630ھ میں مولانا روم بغرض حصول تعلیم حلب کو جا رہے تھے۔ برہان الدین بھی آپ کے ہمراہ قیصریہ کو چلے۔ قیصریہ آپ کا مرغوب شہر تھا اور آپ وہاں رک گئے۔ مولانا کے غیاب میں قونیہ جاتے آتے رہے۔ قیصریہ میں دوران قیام شمس الدین اصفہانی کے یہاں ٹھہرے رہے۔ حلب میں تحصیل علم کے دوران مولانا کی استعداد کا یہ عالم تھا کہ جو بھی مسئلہ کسی سے حل نہ ہو پاتا وہ خود حل کر دیتے اور ایسے وجوہ بیان کرتے جو کسی بھی کتاب میں نہ ہوتے۔ حلب میں آپ نے کمال الدین ابن عدیم سے استفادہ کیا۔

ایک دن حلب میں مدرسے کے دربان نے کمال الدین سے شکایت کی کہ مولانا روم آدھی رات کو باہر چلے جاتے ہیں جبکہ دروازہ بند ہی رہتا ہے۔ کمال الدین کو تردد ہوا۔ ایک رات خود پوشیدہ طور پر ان کے پیچھے چل پڑے۔ مسجد خلیل الرحمٰن کے پاس ایک قبہ نظر آیا جہاں کچھ سبز پوشوں نے مولانا کا استقبال کیا۔ یہ دیکھ کر کمال الدین بے ہوش ہوگئے۔ جب اٹھے تو قبہ کا کوئی نشان نہ تھا۔ سرگرداں پھرتے رہے۔ شہر میں ہلچل مچ گئی۔ بالآخر مولانا ہی سے ان کا پتہ ملا۔ نتیجے کے طور پر مولانا سے کمال الدین کا اخلاص بڑھ گیا اور مرید ہوگئے۔ جب حلب میں مولانا کا شہرہ بہت ہوگیا تو دمشق چلے گئے۔ وہاں مدرسہ قدسیہ میں قیام کیا اور جس کمرے میں آپ ٹھہرے تھے وہ خضر علیہ السلام کے نام سے منسوب ہوگیا۔ کیونکہ مولانا سے ملنے وہاں حضرت خضر علیہ السلام آیا کرتے تھے۔ دمشق میں آپ کی صحبت حضرت شیخ محی الدین ابن عربی، شمس الدین حموی، شیخ اوحدالدین کرمانی جیسے بزرگوں کے ساتھ رہی۔

ایک روایت ہے کہ مولانا دمشق کے میدان میں سیر کر رہے تھے۔ ایک عجیب الہئیت شخص سیاہ نمدہ اوڑھے ہوئے مولانا کے قریب آیا، دست مبارک کو بوسہ دیا اور کہا کہ ''اے صراف عالم مرا دریاب'' اور مولانا کے متوجہ ہونے سے پہلے غائب ہوگیا۔ وہ شمس تبریزی تھے۔

دمشق میں مولانا کا قیام چار برس رہا۔ قونیہ کو واپسی کے دوران قیصریہ میں سید برہان الدین کے ساتھ شمس الدین اصفہانی کے یہاں ٹھہرے۔ چالیس چالیس دن کے تین چلے سید برہان الدین ترمذی کے ساتھ کیے اور سید صاحب کی اجازت سے قونیہ روانہ ہوئے۔

مولانا میں سب سے بڑی تبدیلی اس وقت آئی جب 642ھ میں شمس الدین تبریزی سے ملاقات ہوئی۔ شمس قونیہ میں سرائے کے چبوترے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ادھر سے مولانا گھوڑے پر

سوار آئے۔ شمس اٹھے اور لگام تھام کر پوچھا کہ کس کا مقام بڑا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یا بایزید بسطامی کا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں "ماعر فناك حق معرفتك" اور بایزید کہتے ہیں "سبحانی مااعظم شانی "اور"لیس فی جبی الا اللّٰہ"۔سوال سن کر مولانا کے ہوش اڑ گئے۔ گھوڑے سے اترے اور سنبھل کر فرمایا" بایزید کی پیاس ایک ہی گھونٹ سے بجھ گئی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاس کیا بجھتی، دم بہ دم زیادہ کی طالب تھی۔"

شمس تبریزی سے ملاقات کے بعد مولانا رومی نے درس وتذکیر بالکل ترک کر دیا۔ پھر کبھی وعظ نہ کہا۔ شمس نے سماع اختیار کرنے پر زور دیا۔ شمس کو شاعری کا شوق تھا اور ان کے زیر اثر آپ نے بھی شاعری شروع کی۔ مولانا، شمس کی صحبت میں اس قدر کھو گئے کہ شاگردوں اور مریدوں سے تعلقات ختم ہو گئے۔ صورت دکھانی بھی بند کر دی۔ یہ بات شاگردوں کو اتنی گراں گزری کہ شمس تبریزی کے دشمن ہو گئے۔ اور ان سے بدسلوکی کرنے لگے۔ شمس تبریزی اسے برداشت نہیں کر سکے اور یکا یک غائب ہو گئے۔ ادھر مولانا نے ان کی جدائی میں ماتم سرائی شروع کر دی۔ چاروں طرف تلاش کے باوجود پتہ نہ چلا۔ اب مولانا کی زبان سے اشعار کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا۔ دن بدن حالت مزید بگڑتی چلی گئی۔ ایسے میں دمشق سے مولانا کو شمس کا ایک خط موصول ہوا۔ شمس کے عشق وشوق میں سماع کی طرف متوجہ ہو گئے اور غزلیں بھی کہنے لگے۔ جن لوگوں نے شمس سے بدسلوکی کی ان سے التفات ترک کر دیا اور جو شرارت میں شامل نہ تھے ان کی طرف التفات کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر بدسلوکی کرنے والوں نے شمس کی مخالفت چھوڑ کر معافی چاہی۔ آخر میں مولانا سلطان ولد کے ہاتھ ان کو بلایا، ایک خط اور کچھ رقم بطور نذرانہ روانہ کی۔ دمشق پہنچ کر سلطان ولد نے خط اور رقم پیش کی تو بولے" مجھے سیم وزر سے فریب دیتے ہو؟ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سیرت کا پیغام مجھے کافی ہے۔" یہ کہہ کر قونیہ کی طرف چل دیے۔

پہلی مرتبہ 643ھ میں قونیہ کا رخ کیا تھا۔ اب 645ھ میں روانہ ہوئے۔ اس مرتبہ کچھ دن خوش رہے۔ مولانا کی پروردہ ایک لڑکی کیمیا خاتون کا ہاتھ مانگا تو مولانا نے بخوشی ہاں کہہ دیا اور ان سے عقد کرا دیا۔ اس مرتبہ مولانا کے دوسرے فرزند شمس کی قیام گاہ سے گزر کر گھر آنے لگے تو شمس نے اعتراض کیا۔ انھیں برا لگا، جس کی خبر پا کر شر پسندوں کو فتنے کا موقع ہاتھ آیا۔

بے ادبی شروع کی۔ آپ بھی یہ کہنے لگے کہ اب کی بار جاؤں گا تو پھر کسی کو کبھی پتہ نہ لگے گا۔ اس درمیان کیمیا خاتون کا انتقال ہوگیا۔ کچھ دن بعد شمس تبریزی اس طرح غائب ہوئے کہ پھر ان کا پتہ نہ چلا۔ کہتے ہیں کہ ظالموں نے ان کو قتل کر کے کنویں میں ڈال دیا۔ بہر حال اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ چاروں طرف تلاش کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آخر خود مولانا نے دمشق کا سفر اختیار کیا۔ حسام الدین چلپی کو اپنا جانشین بنایا۔ یہ سفر 645ھ میں ہوا تھا۔

**صلاح الدین زرکوب:** دمشق سے واپسی کے بعد مولانا نے کچھ خاموشی اور سکون اختیار کرلیا اور شمس تبریزی کے وجود کو اپنی ذات میں محسوس کرنے لگے تھے۔ اس کے بعد حضرت صلاح الدین زرکوب کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ حالانکہ وہ تعلیم یافتہ نہیں تھے پھر بھی ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ وہ حضرت سید برہان الدین محقق کے مرید تھے۔ اس رو سے مولانا کے پیر بھائی ہوئے اور بعد میں مولانا کی کرامت دیکھ کر ان کے مرید بھی ہوگئے۔ لیکن مولانا کا سلوک ایسا ہوتا کہ دیکھنے والوں کو صلاح الدین پر پیر کا گمان ہوتا۔ غرض مولانا کو کسی نہ کسی صحبت کی ضرورت تھی۔ صلاح الدین نے دس برس جانشینی نبھائی اور 657ھ میں واصل بحق ہوئے۔

**حسام الدین چلپی:** صلاح الدین کے بعد مولانا نے حسام الدین چلپی کو اپنا جانشین منتخب کیا۔ آپ ہی ہیں جنھوں نے مثنوی شریف، جو دنیا کی عظیم ترین مشہور عالم تصنیف ہے، کی جانب مولانا کو تحریک دلائی۔ خود مولانا مثنوی شریف میں بار بار پورے خلوص و احترام کے ساتھ ان کو خطاب فرماتے ہیں۔

**مولانا کا انتقال:** مولانا روم 672ھ میں واصل بحق ہوئے۔ آپ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سیرت سے متصف اور رواداری میں لاثانی تھے۔ جب آپ کا جنازہ تدفین کے لیے نکلا تو بلا لحاظ قوم سوگوار لوگوں کا ایک ہجوم تھا۔ یہودی اور عیسائی توریت اور انجیل پڑھتے ہوئے ساتھ چل رہے تھے۔ ان کو کوئی روک نہ سکا، کیونکہ فتنہ ہوجانے کا ڈر تھا۔ قسیسین کہتے تھے کہ ہم نے انبیائے سابقین کو انھی کے بیان سے سمجھا اور اولیا کی روش بھی انھی کی روش سے جانا اور یہ کہ اگر وہ مسلمانوں کے محمد وقت تھے تو وہ ہمارے عیسیٰ اور موسیٰ تھے۔ تابوت صبح کو نکلا اور شام کے قریب قبرستان پہنچا۔ راستے میں چھ مرتبہ بیرونی تابوت بدلا گیا اور لوگ لکڑیاں توڑ کر بطور تبرک لے گئے۔ (صاحب المثنوی)

مولانا کو اس بات کا دکھ تھا کہ انھوں نے اپنی کوئی یادگار نہیں چھوڑی ہے۔ لیکن ان کی چھوڑی ہوئی یادگاریں خصوصاً مثنوی شریف، دیوان منظوماتی تصانیف اور ملفوظات (فیہ مافیہ) کیا کم ہیں۔ یہ بات تو پہلے ہی بتا دی گئی ہے کہ مولانا کی شاعری پر حضرت شمس کی صحبت کا اثر ہے۔ آپ اس فن میں شہسواران ادب کو پیچھے چھوڑ کر کوسوں دور آگے نکل گئے۔

**دیوان شمس تبریزی:** یہ ایک ضخیم دفتر ہے جو غزلیات اور رباعیات وغیرہ اصناف سخن پر مشتمل ہے اکیاون ہزار (51,000) اشعار پر محیط ہے۔ اس میں مراثی بھی ہیں اور دیگر اصناف سخن کی منظومات بھی۔ اس میں شمس تبریزی کے عشق و جدائی کے حالات کے بیانات پائے جاتے ہیں۔

**مثنوی معنوی:** یہ مولانا روم کا عظیم الشان کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک ابنائے آدم علیہ السلام کی رہبری و ہدایت کے کام آئے گا۔ (بحوالہ سوانح مولانا روم مولفہ مولانا شبلی۔ مفتاح العلوم)۔ یہ علمی و عملی دینیات یعنی فقہ و تصوف دونوں کا مجموعہ ہے۔ فقہ اور تصوف میں کوئی غیریت نہیں۔ جس طرح فقہ احکام دینیہ ظاہری کا مجموعہ ہے ویسے مثنوی شریف تصوف کی جان ہے۔ اور ''یہ اللہ کی سب سے بڑی فقہ، نورانی شرع اور واضح برہان ہے۔'' بالفاظ دیگر علم دین پر عمل کرنا ہے۔ اس سے شریعت کی تکمیل ہوتی ہے۔

مولانا شبلی نے سورہ نور کی آیت ''مثل نورہ کمشکوٰۃ'' سے تشبیہ دی ہے اور آگے چل کر ''جنان الجنان'' یعنی دلوں کی جنت کہا ہے۔ جس کے میوے پاک لوگ کھاتے اور پانی پیتے ہیں اور آزاد لوگ سیر و تفریح کر کے خوش ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ گویا مصر کا دریائے نیل ہے کہ قوم موسیٰ کے لیے آب زلال اور فرعونیوں کے لیے خون ہو جاتا ہے۔

اس سے لوگ گمراہ بھی ہو جاتے ہیں اور ہدایت بھی پاتے ہیں۔ یہ کتاب سینوں کے خلجان کے لیے شفا بخش اور غموں کو زائل کرنے والی اور قرآن مجید کے مطالب کو حل کرنے والی اور گہرے مسائل اور سلوک میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کو رفع کرتی ہے۔ رزق کو فراخ کرتی ہے اور پاکیزہ اخلاق سکھاتی ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو بزرگوں اور نیکوکاروں کے ہاتھوں میں رہے گی۔ "لایمسّہٗ الّا المُطھرون"۔ اللہ اس کی حفاظت کرے گا۔ اور کہتے ہیں کہ اس طرح یہ کتاب اور بھی کئی صفات کی حامل ہے۔ (تلخیص)

مثنوی شریف ایک بے حد طویل نظم ہے، جو 27720 اشعار پر مشتمل ہے۔ زبان و بیان سادہ اور معنی تہہ دار پائے جاتے ہیں۔ مثنوی کی بحر دلکش اور جنت گوش ہے۔ ترنم سے پڑھتے ہی لوگ مست و بے خود ہوجاتے ہیں۔ یہ مثنوی صنائع وبدائع سے آراستہ وپیراستہ ادب کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ بے شمار اشعار ضرب المثل بن گئے ہیں۔ مثنوی گویا تصوف کا ہدایت نامہ ہے۔ صوفیا کی مجالس میں مثنوی کے پڑھنے، سنانے اور سمجھانے کا باقاعدہ انتظام ہوتا ہے۔ خود کتاب میں مولانا کا دعویٰ ہے کہ ''میرے بعد یہ کلام شیخ کا کردار ادا کرے گا اور تا دیر باقی رہے گا۔'' اس کتاب کی حکایات خود مولانا اور ان کے مریدوں کے واقعات سے ماخوذ ہیں۔ مولانا خود کہتے ہیں ؎

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

اس کتاب کے جملہ بیانات وحدت الوجود کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں۔ جا بجا ''مارمیت اذ رمیت'' کی صدا گونجتی ہے۔ پھر بھی جبر و اختیار کے درباب تقابلی بحث میں اختیار اور جہد کو فوقیت دیتے ہیں:

گر تو کل می کنی دو کار کن
کسب کن و تکیہ برجبار کن

اور ؎

گفت پیغمبر بآواز بلند
بر توکل پایہ اشتر ببند

مثنوی کے اشعار کو خون دل کی پیداوار کہتے ہیں جو پستان جاں میں پہنچ کر دودھ کی شکل اور لذت پیدا کرتے ہیں۔ اس کے لیے کسی چشندہ یعنی شیر خوار کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تا کہ دودھ آسانی سے بہہ نکلے۔ ؎

ایں سخن شیرست در پستان جاں
بے چشندہ خوش نمی گردد رواں

فرماتے ہیں کہ خالق ومخلوق کے درمیان جان کا پنہانی رشتہ ہے۔ جان حرکت کا سامان ہے

جس سے کائنات کا ہر ذرہ مستقل طور پر متحرک۔ جیسے "فی فلکٍ یسّبحُون" اپنے دائرہ حرکت میں گھوم رہا ہے کبھی جاں جسم میں تبدیل ہوتی ہے کبھی جسم جان میں، جوامر کن کا کرشمہ ہے ؎

گفت باجسم آیتے تاجاں شد او
گفت باخورشید تارخشاں شد او

جسم کوحکم ہوتا ہے کہ جان بن جائے اور سورج کوحکم ہے کہ چمکنے لگے۔ یعنی سارے کاروبار دنیوی کا رشتہ آسمانوں سے ہے۔ مولانا کے مرید معنوی علامہ اقبال جاوید نامہ میں اہل مریخ کی موت کوجسم کے جان میں جذب ہوجانے سے تعبیر کرتے ہیں۔ پیام مشرق کی رباعی نمبر 152 دیکھیے کہتے ہیں ؎

| فارسی | |
|---|---|
| بجان من کہ جاں نقش تن انگیخت | مری جاں کی قسم جاں سے بنا تن |
| ہوائے جلوہ ایں گل رادر رو کرد | ہے ذوق جلوہ سے اس کی دو رنگی |
| ہزاراں شیوہ دارد جان بے تاب | ہزاروں رنگ ہیں بے تاب جاں کے |
| بدن گردد چو بایک شیوہ خو کرد | تعین سے ہوئی تخلیق تن کی |

غرض یہ کائنات جان اورتن کے گونا گونی مظاہر کے سوا اور کیا ہے۔ اور جان بھی اسرار باری تعالیٰ سے ہی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قیصر روم کا ایلچی آتا ہے۔ خلیفہ وقت کوایک نخل کے سایے میں لیٹے ہوئے دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے۔ احترام وہیبت کے ملے جلے احساسات دل میں لیے ہوئے ایک فاصلے پر کھڑا ہوجاتا ہے۔ سوچتا ہے کیسے کیسے شہنشاہوں کے دربار میں گیا ہوں لیکن یہ خوف یہ گھبراہٹ کہیں نہیں دیکھی۔ یہ ہستی کچھ اور ہی ہے۔ بیداری کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے بلا کر پاس بٹھا لیتے ہیں۔ وہ آپ کی گفتگو سن کر کچھ اور ہی عالم میں پہنچ جاتا ہے۔ سفارت کے فرائض کوپس پشت ڈال کر ایمان لے آتا ہے۔ تاریخی واقعات بیان کرتے ہوئے مولانا روم نے معنویت کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔

مولانا روم ایسے ہی حق وصداقت کے پیکروں اور للّٰہیت کے شیدائیوں کی سیرت کواپنانے کے لیے پیش کرتے ہیں تا کہ دنیا امن وآشتی کا گہوارہ بن جائے۔ قیصر روم کا ایلچی بھی حضرت عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر حیران و ششدر کہ کیا دنیا میں ایسی بھی ہستیاں ہیں کہ جان کے مانند نظروں سے اوجھل پائی جاتی ہیں۔مولانا روم کی قادر الکلامی اپنی مثال آپ ہے۔ وہ معرکتہ الآرا لاینحل مسائل کا حل دو دو لفظوں میں بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔بطور نمونہ چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے:

زندگانی کے باب میں فرماتے ہیں ؎

زندگانی آشتی ضد ہاست
مرگ آں اندرمیان شاں جنگ ہاست

یعنی زندگی اضداد کے درمیاں آشتی و صلح اور موت انھی کے بیچ جنگ و تباہ کاری ہے۔

انسان کون ؎

آدمی دیدست وباقی پوست است
دید آں باشد کہ دید دوست است

آنکھ کی پتلی کو بھی انسان کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں آدمی وہ ہے جو حقایق عالم کا ادراک کر سکے اور خالق کائنات کی قدرت دیکھے اور پہچان سکے۔

خالق کائنات کیوں نظر نہیں آتا ؎

نور حق رانیست ضدے در وجود
تا بضد او تواں پیدا نبود

چونکہ نور الٰہی کے مقابل کوئی ضد پیدا نہیں اس لیے نور الٰہی نظروں سے غائب ہے۔

قرآن کیا ہے ؎

ہست قرآں حالہائے انبیاء
ماہیان پاک بحر کبریا

قرآن پاک دریائے کبریا کی مقدس مچھلیوں یعنی انبیائے پاک کے واقعات وحالات کا بیان ہے۔

خالق ومخلوق کی قربت ؎

مطلق آں آواز خود از شہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

وہ بادشاہ کی آواز ہے۔ جو بندہ شاہ کے حلق سے نکل رہی ہے۔

حیوان اور انسان میں فرق ؎

مہرو رقت وصف انسانی بود
خشم و شہوت وصف حیوانی بود

جس کسی میں محبت ونرمی ہو وہ اوصاف انسانی سے متصف ہے۔ اس کے برعکس غصہ وشہوت کا جس کسی کے اوصاف میں غلبہ ہو وہ حیوان ہے۔

صحبت کا اثر ؎

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالع ترا طالح کند

نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرلے تو نیکوکار بنے اور بدکاروں کی صحبت میں بدکار بنے

ایسے ہی بے شمار اقوال ہیں جو مثنوی کے بحر معنوی کے گوہر آبدار بن کر جگمگا رہے ہیں۔

مثنوی شریف امن اور انسانیت کا الہامی صحیفہ ہے۔ اس میں مادی، روحانی اور اخلاقی موضوعات کی بھرمار ہے۔ الفاظ ومعنی شیر وشکر بن کر ذہن میں حل ہوتے نظر آتے ہیں اور قاری پر سرور ومستی کا غلبہ ہوجاتا ہے۔ یہ مثنوی کی خاص خصوصیت ہے۔ یہ کلام الہامی زبان سے آراستہ ہے۔ اس کے بارے میں مولانا خود فرماتے ہیں کہ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ مجھ سے کہلوایا جارہا ہے۔

اب تک اس انسانی معاشرے کے سدھار کے لیے کتنے پیغمبر آئے، کتنے صحیفے لائے، امن، سلامتی اور عدل وانصاف کے پیغامات سنا کر جگایا، لیکن یہ انسان جاگتا بھی ہے تو پھر کچھ ہی دیر بعد سوجاتا ہے:

ابھی تک آدمی صید زبون شہریاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوع انساں کا شکاری ہے

مادیت کے مارے انساں روحانیت سے بیگانہ ہوجاتے ہیں اور اپنی حرص وشہوت کی آگ میں خود جل کر دنیا کو جلا دینے پر ڈٹ جاتے ہیں۔ تیروں کی سرسراہٹ کا زمانہ گیا۔ تیغ وتفنگ کی

ریس بھی ہار گئی۔ نئی نئی تحقیقات ہونے لگیں اور ذرات کی باری آئی تو ان کو توڑ کر ان کے اندر قدرت کی مقید کردہ جوہری قوت کا غلط استعمال کر کے ہیروشیما اور ناگا ساکی کی قیامت خیز تباہی کا نمونہ دکھلایا گیا۔ آج ہر طرف میزائیلوں کی ریس جاری ہے تاکہ گھر بیٹھے دور دور کے مقامات اور آبادیوں میں معصوموں، بھلوں بروں سب کو بلا امتیاز موت کے گھاٹ اتار دیں۔ 21 ویں صدی میں اسلامی ممالک ظالموں اور غارت گروں کا خصوصی ہدف بنے ہوئے ہیں۔ آج کل شام وعراق میں نسل کشی جاری ہے۔ آج بھی انسان دوست دانشمندوں کے ادارے اس پر روک لگانے میں مصروف ہیں۔ خدا کرے کامیاب ہو جائیں۔

مثنوی شریف کی تصنیف کو آٹھ سو سال پورے ہوئے۔ مولانا روم کا دعویٰ کہ یہ کتاب زندہ ہے زندہ رہے گی، انسانوں کی ہدایت کے کام آئے گی، سچ ہوا۔

اقوام متحدہ کے ادارہ یونیسکو نے 2007 میں مثنوی کی آٹھ سوسالہ سالگرہ کا اہتمام کیا تو انجانوں کو ہوش آیا اور لوگوں کی توجہ اس طرف مائل ہوئی۔ نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کو بھی مثنوی مولانا روم کی دھن لگی۔

سال 2004 میں بنگلور شہر میں The World Sufi Centre کی بنیاد ڈالی گئی سوائے ماہ رمضان کے بلا ناغہ ماہانہ مجالس منعقد کی جاتی ہیں۔ جناب سید لیاقت پیران مرکزی عدلیہ کے وظیفہ یاب جج ہیں وہ صوفی سنٹر کے مستقل رکن اور سرپرست ہیں۔ ماہانہ رسالہ ''صوفی ورلڈ'' کے مدیر و مولف ہیں۔ ان کے مکان پر مسلم وغیر مسلم، ملکی وغیر ملکی دلدادگان تصوف اور رومی روحمتہ اللہ علیہ خاص بیٹھکوں میں حاضر ہونے لگے ہیں۔ اللہ اس میں برکت عطا فرمائے۔

لگتا ہے قرآن پاک اور مثنوی شریف کی عام اشاعت کے دن آ گئے! کاش ان صحیفوں کے تراجم اور شرحیں سب کو ان کی اپنی زبانوں میں حاصل ہوں۔ مثنوی کے بارے میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی نے خوب فرمایا ہے۔

مثنوی مولوی معنوی
ہست قرآں در زبانِ پہلوی

اور یہ بھی کہا کہ ''نیست پیغمبر و لے دارد کتاب۔''

میں نے اپنے ایک دوست ڈاکٹر بشیر احمد خاں، کیلی فورنیا، لاس اینجلس سے سنا ہے کہ وہاں کوئی صاحب مثنوی پر کام کرتے ہوئے اس کے پیغامات کو عام کرنے کی کوشش میں ہیں۔ اور امریکنوں میں رومی کی طرف رغبت بڑھتی جارہی ہے۔

میں نے مثنوی کے اردو میں منظوم ترجمے کا بیڑا اٹھایا۔ اس کی دو وجہیں تھیں۔ ایک یہ کہ سب سے پہلا فارسی شعر جو اتفاقاً مجھے ازبر ہوگیا وہ مولانا کی مثنوی کا ہی شعر تھا۔ دوسری وجہ یہ کہ علامہ اقبال جن کی ساتوں فارسی کتابوں کا میں نے منظوم اردو ترجمہ کیا ہے، وہ خود کو مولانا کا مرید معنوی تصور کرتے تھے۔ اسی باعث میں علامہ کے ترجمے کے بعد 1982 میں مثنوی کی طرف متوجہ ہوا، اور 1992 تک پانچ جلدوں کا ترجمہ کیا۔ پہلی جلد مع متن اور باقی بلا متن۔ 2014 میں کاموں سے فارغ ہونے کے بعد پہلی چار جلدوں کے تراجم کو متن سے جوڑا، اور چھٹی جلد کو مع متن 2016 میں پورا کیا۔ میں جانتا ہوں کہ میں اس کام کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ لیکن چاٹ جو لگ گئی سو کام کرتے چلا گیا۔ اس کام میں مولانا قاضی سجاد حسین کا نثری ترجمہ اور مولانا مولوی محمد نذیر صاحب چشتی نقشبندی کی مفتاح العلوم سے کافی مدد حاصل ہوئی۔ پھر بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں نے کوئی کام کیا ہے۔ البتہ کچھ کام کرنے کی کوشش ضرور کی ہے۔ خداوند تعالیٰ میری محنت کو قبول فرمائے۔ آپ بھی دعا کیجیے۔

**نوٹ:** ضرورت شعری کے پیش نظر بعض الفاظ کو تخفیف کے ساتھ برتا گیا ہے۔ مثلاً:

| | | | |
|---|---|---|---|
| گواہ | کے لیے | گواہ | چاہ | چہ |
| کوہ | | کہ | کوتا | کوتہ |

کم مایہ ناچیز
سید احمد ایثار

# تمہید: تاخیر در تصنیف

مثنوی روکے بہت دن ہوگئے  
دودھ بننے خوں کو مدت چاہیے

بخت سے جب تک جنم بچہ نہ لے  
خون میٹھا دودھ بننے سے رہے

جب ضیا الحق حسام الدین نے  
باگ موڑی ہے ادھر افلاک سے

وہ تھے معراج حقائق سے دوچار  
غنچے کھل سکتے نہ تھے قبل از بہار

وہ جو دریا سے کنارے آگیا  
چنگ شعر مثنوی بجنے لگا

مثنوی جو صیقل ارواح تھی  
لوٹنے سے ان کے جاری ہوگئی

مطلع تاریخ سودا سود کا  
چھ سو باسٹھ سال ہجری ہوگیا

جاکے بلبل پھر یہیں لوٹ آگئی  
صید معنی کے لئے شکرہ بنی

ساعد شہپر پر جگہ اس کو ملے  
تا بہ محشر سب پہ یہ در وا رہے

حرص اور شہوت سے آفت ہے یہاں  
ورنہ سب شربت ہی شربت ہے یہاں

کردہن کو بند تا دیکھے عیاں  
اس جہاں کے پردہ ہیں حلق و دہاں

اے دہن تو بابِ دوزخ کی مثال  
اے جہاں تو بھی ہے برزخ کی مثال

پہلوئے دنیا میں جور جاوداں  
دودھ جوئے خوں کے بازو ہے دواں

گر قدم رکھے وہاں بے احتیاط
دودھ خوں بن جائے وجہ اختلاط

سوئے نفس آدم بڑھائے یک قدم
کھوئی جنت تھا گلے کا ہارِ غم

یوں ملک بھاگے وہ گویا دیو تھے
چند لقموں کے لیے آنسو بہے

تھا برابر بال کے ان کا گناہ
دونوں آنکھوں میں بنالی اس نے راہ

تھے خود آدمؑ دے دیے نورِ قدیم
آنکھ میں بال ان کو تھا کوہِ عظیم

مشورت سے کام وہ لیتے اگر
دیکھتے شرمندگی کا منھ کدھر

ہو اعانت عقل کو گر عقل کی
جائیں گے رک قول وفعل بد سبھی

نفس جب نفسِ دگر کا یار ہو
عقل جزوی بے اثر بے کار ہو

گر تو تنہائی میں زہرہ بن سکے
یار سا سایہ تجھے سورج کرے

کر محبت حق کی چل کر جستجو
خود خدا کا دوست بن جائے گا تو

جس نے خلوت پر جمائی ہے نظر
یار سے ہی اس نے پائی ہے نظر

غیروں سے دوری ہو قربت یار سے
پوستیں بس بہر سرما چاہیے

عقل مل کر عقل سے دوتا بنے
نور افزوں راستہ روشن رہے

ہوں بہم دو نفس تو ظلمت بڑھے
ہو دوتا ظلمت تو رستہ کیوں دکھے

اے شکاری تیری آنکھیں تیرا یار
دیکھ تو پڑنے نہ دے ان میں غبار

تو نہ جھاڑ اپنی زباں سے گرد کو
تحفہ آنکھوں کو نہ دے تنکے کا تو

مومن آئینہ ہے مومن کے لیے
پاک وہ آلودگی سے چاہیے

جان کا آئینہ وقتِ حزن یار
پھونک آئینہ پہ تو ہرگز نہ مار

تا نہ ڈھانپے تیرا چہرہ تیرا دم
سانس پر قابو کبھی ہو وے نہ کم

کیا تو کم ہے خاک سے؟ وقتِ بہار
خاک سے پیدا ہیں گل بوٹے ہزار

جس شجر کو یار حاصل ہوگیا
فصلِ گل میں تازہ و خوشتر ہوا

جب خزاں میں یار تھے اس کے خلاف
لے گیا خود اپنا سر زیرِ لحاف

بولا یارِ بد مصیبت ہے بڑی
وہ جب آیا نیند مجھ کو آ گئی

پس ہوں سوکر شامل اصحابِ کہف
کیا ہے دقیانوس پیش خواب کہف

جاگنا مصروف دقیانوس تھا
خواب ان کا مایۂ ناموس تھا

عقل کے ساتھ عین بیداری کے خواب
صحبتِ ناداں میں بیداری عذاب

چونکہ باغوں میں ہے کوؤں کا قیام
بلبلیں خاموش ناپید ان کا نام

جب نہ پایا باغ بلبل جب ہوا
چھپ گیا سورج تو وہ بھی سوگیا

ترک اگر خورشید یہ گلشن کرے
تاکہ تحت الارض کو روشن کرے

مہرِ عرفان شرق کیونکر چلے
کیا ہے مشرق غیر عقل و جاں اسے

خاص کر وہ ذاتِ خورشید کمال
روز و شب ہے نور جس کا بے زوال

گر سکندر ہے تو سوئے مشرق آ
فتح تیری پھر جدھر تو جائے گا

پھر جدھر بھی جائے مشرق ہی ملے
تیرے مغرب پر فدا مشرق رہے

شب پرہ پھر جائے مغرب کو دواں
جو بھی ہے دُر پاش مشرق کو رواں

راہ حس ہے در حقیقت راہ خر
اے تیری بازی گدھے سے، شرم کر

ہیں علاوہ پانچ حسّ کے پانچ حِسّ
یہ ہے زرِ سرخ وہ ہیں جیسے مس

میلاً اہل حشر وہ ہوں گے جدھر
حسِ مِس کو کون لے جوں حسِ زر

حسِّ تن ظلمت ہے آپ اس کی غذا
اور سورج سے غذا جاں کو عطا

اے کہ حسِ غیب ہے تجھ کو عطا
مثل موسیٰؑ جیب سے تو ہاتھ لا

ہے ترے گن آفتاب معرفت
آفتاب چرخ کی ہے ایک صفت

تو کبھی خورشید ہے دریا کبھی
تو کبھی ہے قاف تو عنقا کبھی

کون تجھ سا ذات میں یکتا ہے تو
اعلیٰ سب اوہام سے بالا ہے تو

علم کی روح، عقل کا ساتھی ہے یار
روح کو کیا ترکی و تازی سے کار

نقش سب تجھ سے تو بے صورت مگر
اہلِ تشبیہ بھی موحد خیرہ سر

گہ مشبّہ کو موحّد کردیا
گہ موحّد کے لیے رہزن بنا

کہہ دیا مستی میں تجھ کو بوالحسن
یا کبھی بچّے، کبھی نازک بدن

نقش اپنا خود مٹائے تو کبھی — بہر پاکی جاں گنوائے آپ ہی
حِس کی آنکھوں کا طریقہ اعتزال — عقل سنّی ہے وہ خواہان وصال
معتزل ہیں حسِ کے دیوانے سبھی — خود کو سُنّی بولنا ہے گمرہی
جو بھی حِس کا قیدی ہے معتزلی — بولے ہوں سُنّی تو ہے وہ جاہلی
جس نے حسِ حق سے آیت دیکھ لی — وہ حضورِ حق ہے وقف بندگی
حسِ سے باہر جو بھی ہیں سُنّی وہی — بند کیں بینا نے آنکھیں عقل کی
حسِ حیوان دیکھئے گر شاہ کو — گاؤ خر بھی پاتے ہیں اللہ کو
گر نہ ہوتی حسِ حیواں کے سوا — حسِ دیگر تجھ میں بیرون ہوا
آدمی ہوتا کبھی راز آشنا؟ — پاتا رتبہ مشترک حس کے بنا؟
صورت اور بے صورتی پر تو نہ جا — ہے غلط گر ہو نہ صورت سے رہا
یا مشکّل یا بری ہے شَکل سے — مغز ہی ہے مغز باہر پوست کے
گر تو اندھا ہے تو تیری کیا خطا — صبر کنجی ہے فراخی کی تو جا
ہے مداوا آنکھ کے پردوں کا صبر — یہ جَلائے بھی کرے بھی شرح صدر
دل کا آئینہ اگر ہو صاف و پاک — نقش دیکھے تو برونِ آب و خاک
نقش دیکھے، دیکھے تو نقاش کو — فرش دیکھے دیکھے تو فراش کو
جوں خلیل آیا خیال یارِ من — بت بصورت در حقیقت بت شکن
شکر حق کہ جوں ہی وہ ظاہر ہوا — آیا ساتھ اس کے خیال اللہ کا
شکر داتا آیا جب اس کا خیال — اس میں دیکھا جان نے اپنا خیال
میں ہوں مفتوں تیرے در کی خاک پر — جو کرے اغماض پھر خاک اس کے سر
خوبی مجھ میں ہو تو اس کا بار دے — ورنہ مجھ بد رو پہ ہنس دھتکار دے
ہے یہی بہتر کہ خود کو جانچ لیں — فیصلہ موزونیت کا خود کریں
خودحسیں وہ اس کو بھاتا ہے جمال — کیسے بھائیگی جواں کو پیرہ زال
پاک مردوں کے لیے پاک عورتیں — ہے کشش خوبی کی جانب خوب میں

جذب کر لیتے ہیں خوب اچھائی کو — طیبات و طیبیں پڑھ اس پہ تو
دیکھ ہر شے میں تو پائے گا یہی — اپنے ہم جنسوں کے ہمراہ ہیں سبھی
شے سے شے کی ہے کشش ثابت یہاں — سرد اور گرم ایک خو کے درمیاں
پاس جھوٹوں کے ہے جھوٹوں کا مقام — باقیوں کے ساتھ باقی شاد کام
دوزخی کو کھینچتے ہیں دوزخی — چاہتے ہیں جنتی کو جنتی
پاک دل کو پاک دل والوں کا شوق — درد کا بس تیرہ باطن کو ہے ذوق
حبشیوں کو حبشیوں کا بھائے پیار — روم کو ہے رومیوں کے ساتھ کار
بند رکھیں آنکھ تو دل بے قرار — روشنی روزن کی بھی آنکھوں پہ بار
بند کی آنکھیں گیا دل کا قرار — نورِ روشداں سے آنکھیں نوربار
بیقراری جذبِ نور چشم سے — تاہو نورِ روز سے رشتہ بندھے
آنکھیں وا رہ کر بھی ہے گر بیقرار — چشم دل کو واکرے پائے قرار
ہے تقاضائے دو چشم دل ضرور — چاہیے ہے ان کو بے اندازہ نور
جب دو فانی نور کو پایا جدا — کھول دیں آنکھیں تھا شوق اس کا بڑا
جب جدا ہوں گے دو نور پائیدار — غور کر تو ہوگا کتنا بے قرار
وہ بلائے گا مجھے تو دیکھ لوں — جذب کے لائق ہوں یا بدشکل ہوں
گر حسیں پیچھا کرے بد شکل کا — اک تمسخر ہے جو ساتھ اس کے کیا
اے عجب دیکھا ہے خود کا چہرہ کب — روز جیسا ہے کہ ہے مانند شب
نقش جاں کی جستجو کی میں نے پر — دی نہیں اس کی کسی نے بھی خبر
بولا آخر آئینہ ہے کس لیے؟ — تاجو دیکھے جنس اپنی جان لے
آیئنہ لوہا ہے گر ہو پوست کا — اور جاں کا آئینہ ہے بے بہا
جاں کا آئینہ نہیں جز روئے یار — یار وہ ہے اور ہی جس کا دیار
بولا اے دل آئینہ کلّی تو لے — کارِ دریا نہر کوئی کیا کرے
اس طلب میں پہنچا کوچہ میں ترے — خرما بن تک آئیں مریمؑ درد سے

نور تیرا میرا دل روشن کیا
نور کتنی اندھی آنکھوں کو دیا
ہیں دھوئیں سے آئینہ پیدا کیا
دیکھا پھر نقش آئینہ میں تیرا تھا
آئینہ گلی تجھے سمجھا سدا
تیری آنکھوں میں میرا چہرہ دکھا
بولا آخر میں نے خود کو پالیا
مل گیا آنکھوں میں روشن راستہ
وہم بولا یہ تصور ہے تیرا
ذات کو اپنی خیال خود سے پا
نقش نے دی تیری آنکھوں سے صدا
تو ہی میں اور میں ہی تو بس اور کیا
ہیں ان آنکھوں کی حقائق لازوال
راہ پاسکتا نہیں ان میں خیال
غیر کی آنکھوں میں دیکھے نقش اگر
بس گماں ہے تو اسے باور نہ کر
نیستی کا سرمہ ان آنکھوں میں ہے
پی خیال شیطنت سے مے ملے
اس کی آنکھیں ہیں خیالی اور عدم
پاتا ہے موجود عدم کو لا جرم
میری آنکھوں میں ہے سرمہ ذوالجلال
اس میں ہستی ہے نہیں کوئی خیال
بود کا تیری ہے جب تک ایک بال
تیری ہستی کو مٹا دے گا خیال
گر رہے ایک بال بھی پیش نظر
پائے گا پتھر جو دیکھے گا گہر
سنگ کیا، گوہر ہے کیا جانے تبھی
جب خیال خود سے تو ہوگا بری
ایک حکایت سن تو اے گوہر شناس
جانے تا کیا ہے عیاں ہے کیا قیاس

## حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک شخص کا اپنے خیال کو ہلال سمجھ لینا

ماہ تھا رمضاں کا اور عہد عمرؓ
اک جماعت چڑھ کے آئی کوہ پر
تا ہلال روزہ سے لے لیں وہ فال
ان میں اک بولا عمرؓ دیکھو ہلال
جب نہ دیکھا آپ نے اوپر ہلال
بولے اس سے چاند ہے تیرا خیال
دیکھتا ہوں صاف گو افلاک کو
کیوں نہ دیکھوں گا ہلالِ پاک کو
پھیر ابرو پر تو کر کے ہاتھ تر
دیکھو پھر تو چاند کی جانب ادھر
تر کیا ابرو تو چاند اس جا نہ تھا
بولا اس نے چاند غائب ہو گیا

بولے بال ابرو کا تھا جھک کر کماں
اس نے پھینکا تجھ پہ پیکانِ گماں

اک خمیدہ بال سے دھوکا ہوا
شکلِ ماہِ مبیں وہ ظاہر ہوا

ایک ٹیڑھے بال نے دھوکا دیا
ماہِ نو کا جھوٹا دعویٰ کر دیا

موئے کج اک پردہ تھا گردوں پہ بھی
ہوگا کیا جب آ گئی سب میں کجی

راستوں سے مل کے سب کچھ ٹھیک کر
ان کی چوکھٹ سے نہ ہٹنے پائے سر

بھائے گر سنگت غلط افراد کی
عقل کھو جائے گی آئے گی کمی

تجھ میں شدت چاہیے کفار پر
ڈال مٹی یاری اغیار پر

سر پہ بیگانوں کے بن کر تیغ آ
شیر بن تو رو بہی کو بھول جا

شرم سے تا کٹ نہ جائیں تیرے یار
کیوں کہ ہیں دشمن ترے گلشن کے خار

آگ سے ان بھیڑیوں کو ہانک دے
کیونکہ ہیں یوسف کے دشمن بھیڑیے

وہ کہے جانِ پدر بھی سن نہیں
دم میں دھوکا دے گا ابلیسِ لعیں

بابا آدمؑ کو یوں ہی دھوکا دیا
مات ان کو اس سیہ رو نے کیا

چست ہے بازی میں یہ شطرنج کی
کھیل میں اپنے نہ رہ غافل کبھی

داؤ فرزیں بند وہ جانے کئی
ہے گلے میں خس سی، وہ شکل سہی

ہوگا اٹکے حلق میں برسا برس
تنکا وہ ہے جاہ ودولت کی ہوس

مال خس ہے چونکہ ہے وہ بے ثبات
ہے گلے میں مانع آب حیات

گر ترا دشمن اڑا لے جائے دھن
مال رہزن کو اڑایا راہزن

## سپیرے کا دوسرے سپیرے سے سانپ چرانا

اک سپیرا سانپ کی چوری کیا
گویا اس کو وہ غنیمت ہو گیا

زخم سے اس کا سپیرا بچ گیا
چور کو ڈس ڈس کے بے جاں کر دیا

اس سپیرے نے جو پہچانا اسے
بولا میرے سانپ نے مارا اسے

تھی دعا میری کے میں پاؤں اسے
اس سے لے لوں سانپ گر وہ مل سکے

شکر حق رد ہو گئی میری دعا
میں زیاں سمجھا تھا پہنچا فائدہ

ہے دعا بھی وجہِ تضحیک و ضرر
رد نہ کر دے لطف سے اللہ اگر

وہ ہے مصلح مصلحت معلوم اسے
اس دعا کو پھیر دینے کے لیے

پس دعا کو اس کا کرتا ہے گلہِ
ظنِ بد سے ظنِ بد خود ہے برا

وہ نہ جانے اس نے چاہی تھی بلا
حق نے اپنے لطف سے رد کی دعا

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کا ان سے ہڈیوں کو زندہ کرنے کی درخواست کرنا

ساتھ عیسیٰ کے تھا اک پاگل رواں
دیکھی گہری قبر میں کچھ ہڈیاں

بولا وہ کلمہ اے میرے ہمرہی
جس سے دی مردوں کو تو نے زندگی

مجھ کو بھی سکھلا میں کہ احساں کروں
جان جس سے ہڈیوں میں ڈال دوں

بولے چپ رہ یہ نہیں تیرا شعار
تیرے دم اور بات سے ہوگا نہ کار

چاہیے برسات سے دم پاک تر
اور فرشتوں سے روش چالاک تر

چاہیے اک عمر تا دم پاک ہو
تا امینِ مخزن افلاک ہو

یوں تو تیرے ہاتھ میں بھی ہے عصا
یارا ہوگا موسوی اعجاز کا

بولا میں قابل نہیں اس راز کے
ہڈیوں پر آپ ہی پڑھ دیجیے

بولے عیسیٰ یا خدا کیا ہے یہ سِرّ
کس لئے اس بات پر ہے یہ مصر

غم نہیں اپنا خود اس بیمار کو
اپنی جاں کا غم نہیں مردار کو

اپنے مردہ کی نہیں ہے فکر اسے
غیر کی اس کو درستی چاہیے

چاہے بدبختی کوئی بدبخت اگر
خار اگائے اس کی کھیتی سر بسر

جو بھی بوتا ہے جہاں میں تخم خار
جا نہ دے اس کو جنھیں میں ہوشیار

گل کو وہ چھو لے تو ہو جائے گا خار
جائے سوئے یار تو ہو جائے مار

کچھ بھی ہو تو اعتماد اس پر نہ کر
بید سے حاصل نہیں ہوتا ثمر

## صوفی کا خادم کو جانور کی خبر گیری کرنے کی نصیحت کرنا اور خادم کا لاحول پڑھنا

کر رہا تھا صوفی اک سیر جہاں — ایک شب تھا خانقہ میں میہماں
ایک چوپایہ بندھا تھا تھان میں — بیٹھا سب کے ساتھ خود دالان میں
ہو گیا یاروں میں مشغول خدا — سامنے دفتر بھی رکھّا تھا بڑا
دفترِ صوفی تھا پر خالی و حرف — بس سفید وصاف دل مانند برف
توشہ دانا کا نشاناتِ قلم — توشہ صوفی کا ہے انوار قدم
جوں شکاری صید کے پیچھے چلا — پائے آہو کے نشاں تھے رہنما
نقش پا تھے رہنما کچھ دیر اگر — بعد ازاں ہے نافِ آہو راہبر
نقش پا کی اس نے چونکہ قدر کی — کامیابی اپنے مقصد میں ہوئی
ایک منزل ناف کی بو پر سفر — سو طواف اور منزلوں سے خوب تر
دل وہ جو ہے مطلع صد ماہتاب — عارفوں کو ہے کلید فتح باب
وہ تجھے دیوار ہے اور ان کو در — تجھ کو پتھر اور عزیزوں کو گہر
آئینہ میں تونے دیکھا ہے جسے — اینٹ میں دیکھا ہے پہلے پیر نے
پیر وہ پیدا نہ تھا جب یہ جہاں — بحر ہستی میں تھی موجود اس کی جاں
جسم پایا ہی نہ تھا عمریں کٹیں — کھیتی سے پہلے کئی فصلیں بھی لیں
تن سے پہلے ہی انھوں نے پائی جاں — بحر سے پہلے پروئے موتیاں

## مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے مشورہ کرنا

شوریٰ بیٹھا ازپئے تخلیق خلق — جاں ابھر کر آگئی تا بہ حلق
کی ملائک نے تبھی اس کی نفی — فوراً اس پر خفیہ اک تالی بجی
با خبر وہ جملہ موجودات سے — بیشتر اس کے کہ نقش گلِ بنے
زحل دیکھے بیشتر افلاک کے — نان دیکھی قبل انھوں نے دانے سے

بے دماغ ودل وہ پر افکار سے
جنگ لشکر کے بنا فاتح رہے

ہے تصور ان کی نسبت سے عیاں
ورنہ ہے دیدار اہل حق کے ہاں

فکر کو یہ ماضی مستقبل فتور
حل ہے مشکل گر ہوان دونوں سے دور

دیکھا ہر با کیف کو بے کیف سا
قبلِ مخرج پائے سب کھوٹا کھرا

باغ ہی پیدا نہ ہی انگور تھے
پھر بھی پی کر بادہ سب مخمور تھے

عین گرما میں و سرما کا سماں
سایہ سورج کی تمازت میں وہاں

بطن میں انگور کے دیکھے ہیں مے
وہ فنائے محض میں دیکھے ہیں شے

روح کو انگور میں ظاہر تھی مے
سب عدم کا حال اور موجود شے

آسماں خود گھومے گردِ جرعہ نوش
سورج ان کے فیض سے زربفت پوش

ان میں ہوں دو دوست گر باہم کبھی
ایک بھی ہوں گے وہ لا تعداد بھی

موجوں کے مانند ہے ان کا شمار
کردیا ان کو ہوا نے کئی ہزار

آفتاب روح گویا بٹ گیا
روزنِ اجسام سے ظاہر ہوا

دیکھئے سورج کو وہ ہے ایک ہی
پر الگ اجسام سے شک میں سبھی

نفس حیوانی میں ہے سب تفرقہ
نفسِ انسانی ہے واحد برملا

نفسِ کی جیسی ہے وہ انسانی روح
اور جمادی ٹھیکرا حیوانی روح

حق نے خود چھڑکا ہے ان پر اپنا نور
مفترق ہرگز نہ ہوگا اس کا نور

عقلِ جزو اس رمز سے آگے نہیں
واقف اس سِرّ سے بجز اللہ نہیں

اس جنوں سے عقل کو کیا واسطہ
بہرے کو باجے سے ہو کیا فائدہ

اک ذرا تو بھول جا سارا ملال
بس کروں میں حسن میں توصیف خال

کیا ں بیاں اس کے جمالِ حال کا
دو جہاں ہیں عکس اس کے خال کا

کرنی ہے تعریف مجھ کو خال کی
پھاڑ دے گی تن کو گویائی مری

لب کشائی کو نہیں ہے کوئی راہ
فکر کر تا راہ دکھلائے اللہ

ڈھیر میں چیونٹی کی صورت شاد ہوں
بوجھ اٹھائے ہوں میں اپنے سے فزوں

## حکایت معنی کی تقریر کا بند ہو جانا چونکہ سننے والوں کا رجحان حکایت کے ظاہر کی طرف ہے وغیرہ

چھوڑتا کب ہے وہ رشک روشنی مجھ کو کہنا ہے بہت کچھ گفتنی
کف سے خود دریا بنا لیتا ہے حد جر سکڑنا، پھیلنا ہے اس کا مد
وہ سبب رکنے کا کیا ہے سن ادھر مستمع کا دل گیا جائے وگر
میہماں صوفی کی جانب دل گیا تاگلو اس حال میں وہ غرق تھا
چھوڑنا موضوع کا لازم ہوا پھر فسانے کی طرف چلنا پڑا
ظاہری صوفی نہیں وہ اے عزیز جیسے طفلاں تابہ گے جوزو مویز
اپنا تن کشمش بھی اخروٹ اے پسر مرد اگر ہے تو تو ان کو ترک کر
خود نہ گزرے تو وہ ہے اکرام حق تجھ کو لے جائے ورائے نو طبق
صورت افسانہ اب سن لے ذرا بُھس سے خود دانہ کو کرلینا جدا
بولا لاحول اے پدر اتنا نہ رو بہر اک خر یوں پراگندہ نہ ہو
ڈال جاکر جھول اس کی پشت پر رات ہے سرما کی اے کان ہنر
بولا لاحول اتنا کیوں کہتا ہے تو دودھ میں ہڈّی کی کیوں ہے جستجو
اپنے فن کا میں بڑا استاد ہوں نیک و بد ہر میہمان سے شاد ہوں
لائق ہر میہماں خدمت مری ہے گل و سوسن سی خوش حالت مری
بول کر خادم نے بس کس لی کمر لاؤں گا جو گھاس جاکر جلد تر
چل کے وہ سب بھول بیٹھا تھان کی نیند غالب ہوگئی صوفی پہ بھی
نوکر آواروں میں جاپہنچا تبھی پندِ صوفی کی اڑاتا تھا ہنسی
تھا تھکا ماندہ جو صوفی سوگیا بند آنکھیں خواب میں مشغول تھا
بھیڑیے کے چنگ میں تھا وہ گدھا پھاڑتا تھا گوشت پشت و ران کا
بولا لاحول یہ جنوں ہے بے گماں اے عجب وہ خادم مشفق کہاں

پھر ملا ہے راہ چلتے وہ گدھا … گہ کنویں میں گاہ کھڈ ہیں گر پڑا
تھا پریشاں کن سب اس کا واقعہ … تھے زبان پر فاتحہ والقارعہ
بولا کیوں ہوا! ہیں تھکے ماندے سبھی … جا چکے سب بند ہیں دروازے بھی
پھر کہا نوکر وہ ہے احمق بڑا … ہم پیالہ ، ہم نمک کیا وہ نہ تھا؟
لطف نرمی کا سلوک اس سے رہا … مجھ سے آخر کینہ ور کیوں ہوگیا
کچھ سبب تو ہو عداوت کی بنا … ورنہ جنسیت سکھا دیتی وفا
پھر کہا آدم تھے با جود و کرم … کب کیا ابلیس پر جورو ستم
سانپ بچھو کو بشر نے کیا کیا … موت اور دکھ کے ہوئے خواہاں سدا
بھیڑیے کی خاصیت ہے پھاڑنا … خلق پر واضح حسد اس کا سدا
پھر کہا یہ بدگمانی ہے خطا … یہ گماں بھائی پہ ! مجھ کو کیا ہوا
پھر کہا ہے پختہ کاری یہ گماں … جو نہ ہو بدظن وہ بچتا ہے کہاں
وسوسوں میں مبتلا صوفی وہاں … اور حالِ خر نصیب دشمناں
پتھر اور مٹی میں وہ بیچارہ حضر … ٹیڑھی کاٹھی اور ٹوٹی ڈور ادھر
راہ سے خستہ تھا بھوکا رات بھر … جاں کنی کا اور ہلاکت کا تھا ڈر
رات بھر کہتا رہا خر اے خدا … جَو کیا رد، گھاس مٹھی کر عطا
وہ زبان حال سے کہتا رہا … رحم اس بے شرم سے میں جل گیا
خرنے دیکھے ہیں جو کچھ رنج وعذاب … مرغ خاکی دیکھے اندر سیل آب
کروٹیں بدلا کیا شب تا سحر … خر پہ تھی اک آفت جوع البقر
نالہ زن تھا رات بھر وہ بھوک سے … گھاس اور جو کی پریشانی اسے
تھا یونہی دکھ درد میں وہ مبتلا … آہ و نالہ رات بھر کرتا رہا
آیا خادم زود تر جب دن ہوا … پیٹھ پر کاٹھی کو اس کی کس دیا
خر فروشوں کی طرح مارا اسے … جو کیا لائق تھا کتوں کے لیے
چوٹ کی تیزی سے اچھلا وہ گدھا … بے زباں وہ بولنے سے رہ گیا

## کارواں والوں کا گماں کرنا کہ صوفی کا گدھا بیمار ہے

صوفی اس پر بیٹھ کر رخصت ہوا
منھ کے بل کچھ دیر میں خر گر پڑا
جب بھی گرتا لوگ اٹھا دیتے اسے
درد کا مارا سمجھتے تھے اسے
کوئی اس کا کان موڑا اور چلا
کوئی کنکر ڈھونڈتا تھا زیر پا
ڈھونڈتا تھا نعل میں گر کوئی سنگ
جانچ کر دیکھا کوئی آنکھوں کا رنگ
پھر کہا اے شیخ اس کو کیا ہوا
کل تلک یہ خر قوی پایا گیا
بولا لاحول اس کی شب بھر تھی غذا
طے اسی صورت ہی ہوگا راستہ
چونکہ تھی لاحول شب کو قوت خر
ورد تھا شب، صبح کو سجدوں میں سر
جب نہ ہو تیرا کوئی درد آشنا
کام اپنا آپ کرلینا بھلا
دشمن انساں کے ہیں اکثر آدمی
خیر جوئی پر نہ جا ان کی کبھی
ان کے سینے خود نہیں ہیں دل کے گھر
دیو آدم زاد کے چھل تو نہ ڈر
چھل میں خود لاحول کے جو آ گیا
مثلِ خر وہ سر کے بل گرتا رہا
دہر میں کھائے جو دھوکا دیو سے
اس کی تعظیم اور اس کی ریو سے
در رہِ اسلام جب پل پر چلے
احمقی سے جیسے خر گرتا رہے
نخرے یار بد کے ہیں تو سہہ نہیں
دام سے خالی نہیں ہے یہ زمیں
پڑھتے ہیں لاحول شیطاں صد ہزار
دیکھ ہے ابلیس اندر شکل مار
تجھ کو دم دینے کہے گا جان دوست
جوں قصائی گوشت سے تا کھینچے پوست
دے کے دم وہ کھینچ لے گا پوست کو
وائے گر افیون لے دشمن سے تو
جوں قصائی پاؤں پر وہ سر رکھے
دھوکے دے یوں خوں بہانے کے لیے
شیر کی صورت تو کر اپنا شکار
ترک کر مکاریِ اغیار و یار
ہے کمینوں سے رعایت بندگی
ناز برداری سے بہتر بے کسی
گھر نہ کر تعمیر جائے غیر پر
کام اپنا کر تو غیروں کا نہ کر

کون بیگانہ تنِ خاکی ترا — کہ اسی کے واسطے ہے غم ترا
تاکہ قوت بخش دے تن کو غذا — جو ہر اک جاں کا نہ دیکھے گا بھلا
مشک کے اندر بھی گردے تن کو جا — موت کے دن اس میں بدبو پائے گا
تن پہ کیوں تو مشک اپنے دل پہ مل — مشک کیا ہے نام پاک عزوجل
مشک ملتا ہے منافق جسم پر — جھونکتا ہے جاں کو بھٹی میں ادھر
لب پہ نام حق تو جاں میں گندگی — گندگی ہے کفر بے ایمان کی
ذکر اس کا جیسے سبزہ بھاڑ کا — گندگی پر جیسے ہو سوسن اُگا
وہ جگہ سبزہ کو جائے عارضی — محفل عشرت ہے جا اس پھول کی
اچھی سب چیزیں ہیں اچھوں کے لیے — اور خبیثیں ہیں خبیثوں کے لیے
کہتے ہیں باعث ہیں گمرہ اہل کیں — گمرہوں میں ان کا مدفن ہے یقیں
اصل کہنہ دوزخ اور سینہ ترا — دین کی بنیاد دل سے ڈھائے گا
چونکہ ہے تو جزو دوزخ ہوشیار — کل سے مل کر جزو پائے گا قرار
جزو جنت ہے تو گر اے نامدار — عیش جنت تیرا حق ہے پائیدار
کڑوا کڑوں میں ہو شامل ہے اصول — حق کی قربت کیوں کرے ناحق قبول
بھائی تیری اصلیت اندیشہ ہے — اور جو کچھ ہے استخواں ہے ریشہ ہے
گل ہے گر اندیشہ گلشن ہوگا تو — خار تو بھٹی کا ایندھن ہوگا تو
ملتے ہیں ہم جبہ داماں پر گلاب — ہے اگر پیشاب پھینکیں گے شتاب
ڈبے ہیں دیکھ عطاروں کے ہاں — ہے جگہ ہر جنس کی دیگر وہاں
اپنی اپنی جنس کی قربت میں سب — ہے قرینہ ایسا خوبی کے سبب
غیر جنسوں سے بجد ہوجارہا — ان کی قربت ہے ترے حق میں فنا
عود اور شکر بہم گر پائیں گے — یک دگر سے خود بخود چھٹ جائیں گے
ڈبیں ٹوٹیں تو روحیں ہوں گی ایک — ایک ہوجائیں گی سب بد ہو کہ نیک
دیں کی خاطر حق نے بھیجے انبیاء — تا کریں وہ نیک و بد ایک اک جدا

کافر و مومن یہودی تھے سبھی
تھے بظاہر ان سے پہلے ایک ہی

ان سے پہلے ہم سبھی تھے ایک ہی
کچھ تمیز نیک و بد ہم کو نہ تھی

تھے سبھی کھوٹے کھرے جاری یہاں
شب تھی دنیا ہم تھے شب کے رہرواں

آفتابِ انبیاء پیدا ہوا
بولا اے کھوٹے تو جا اے نیک آ

آنکھ کو معلوم کیا کیسا ہے رنگ
لعل کہتے ہیں کسے اور کیا ہے سنگ

کیا ہے تنکا کیا گہر معلوم اسے
ہے کھٹک تنکے سے اس میں اس لیے

روز کے دشمن ہیں یہ کھوٹے سبھی
جو کھرے ہیں چاہتے ہیں روز ہی

روز روشن ہے دکھانے کے لیے
جو ہے اشرف تا شرف حاصل کرے

حشر کو دن کا لقب حق نے دیا
فاش دکھلاتا ہے دن کھوٹا کھرا

ہے حقیقت دن کی ستر اولیا
وہ ہیں سورج روز انھیں ہے سایہ سا

عکس رازِ مرد حق ہے کیا ہے روز
سایہ ستاری کا شام حشم و روز

اس لیے فرمایا حق نے الضحیٰ
والضحیٰ نورِ ضمیر مصطفیٰ ﷺ

قولِ دیگر کیوں کہا اس کو ضحیٰ
کہ ضحیٰ ہے عکس اس کے نو کا

ورنہ فانی کی قسم کھانا خطا
کب ہے فانی لائق قول خدا

تارک آفل ہیں ثابت جب خلیلؑ
کیوں فنا کو چاہے گا رب جلیل

لا اُحِبُّ الآفلین بولے خلیلؑ
کیوں ہو خواہاں فناربِ جلیل

شانِ ستّاری عیاں واللیل سے
اور تن خاکی مماثل زنگ کے

آیا سورج چرخ پر بولا وہیں
تن کی ظلمت ہیں انھیں چھوڑا نہیں

ابتلا سے وصل پیدا ہوگیا
یعنی رد ان کو نہیں حق نے کیا

ہر عبارت ایک حالت کا نشاں
ہاتھ ہے حال اور عبارت جو بیاں

آلہ زرگر بدست کفش دوز
دانہ جیسے ریت میں ہو بے بروز

آلہ موچی کا کساں کے آس پاس
جوں گدھے کو ہڈیاں کتّے کو گھاس

تھا اناالحق بر لبِ منصور نور
اور انااللہ بر لبِ فرعون زور

ہاتھ میں موسیٰ کے لاٹھی تھی گواہ
ساحروں کے ہاتھ میں بس گرد راہ

اپنے ہمراہی سے عیسیٰ اس لیے
اسم اعظم کو بتانے سے رہے

تھوپے اپنا عیب وہ ہتھیار پر
مار پتھر خاک پر چاہے شرر

دست و آلہ سنگ آہن ہو تو ٹھیک
چاہیے تولید کو موزوں شریک

وہ ہے بے جوڑ اور یہ ہے آلہ یقیں
شک فزونی میں ہے وحدت میں نہیں

کہتے ہیں دو تین یا بڑھ کر ازیں
ان کو بھی ہے اس کی وحدت کا یقیں

احولی جائے تو یکساں ہو رہیں
اس کو کثرت کے عوض واحد کہیں

ہاں نہیں شک اس کی وحدت ہیں اگر
گرد اس کے گھومتا رہ طوف کر

گیند سا بے عیب ہوگا تو تبھی
ضرب سے ناچے گا دست شاہ کی

سن مری احول ذرا اور مان اسے
کر علاج چشم اپنے کان سے

کور دل اور اس پہ پاکیزہ کلام
نور وہ چاہے گا نورانی مقام

ٹیڑھے دل میں دیو کا منتر مدام
ٹیڑھا جوتا ٹیڑھا پاؤں کج خرام

گرچہ دہرائے گا باتیں عقل کی
تیری نا اہلی سے ہوں گی خام ہی

گرچہ لکھ لے، گرچہ رکھے یاد اسے
تو کرے بکواس، یاواضح کرے

پھیر لیں گے تجھ سے منھ اے پرستیز
توڑ لیں گے رسیاں بہتر گریز

ہو جو اَن پڑھ بھی تڑپ دیکھے تری
علم دست آموز ہوگا آپ ہی

اس کا بے استاد کے کیوں ہو نباہ
کب کساں کے گھر رہے گا بادشاہ

## گم شدہ اپنے باز کو بادشاہ کا بوڑھی عورت کے گھر پالینا

علم وہ بھاگا ہوا بازِ شہی
جہل سے بڑھیا نے جس کو گھاس دی

علم باز اک شاہ سے بھاگا ہوا
چھانتی تھی آٹا بڑھیا، یہ گیا

کررہی تھی آش کی تیاریاں
دیکھی باز نیک خو کو اپنے ہاں

پاؤں باندھے اور کٹے کوتاہ پر
چھانٹ کر ناخن کو ڈالی گھاس ادھر

| | |
|---|---|
| ہائے نا اہلوں نے کیا پالا تجھے | پر ہوئے لمبے تو ناخن بھی بڑھے |
| دے گا ہر نا اہل ایذا ہی تجھے | آسوئے مادر کہ تیماری کرے |
| دوست! جاہل کی محبت جان لے | سیدھے رستے پر بھی وہ ٹیڑھا چلے |
| یوں ہی ہمدردی کریں گے جاہلاں | تجھ کو آخر زخم دیں گے جاہلاں |
| ڈھونڈنے میں دن گئے شہ کے فضول | در پہ بڑھیا کے ہوا آخر نزول |
| باز تھا آلودہ دود و گرد سے | رو پڑا اور نوحہ گر تھا درد سے |
| بولا یہ تیرے کیے کی ہے سزا | کیونکہ تونے کی نہیں ہم سے وفا |
| کیوں ہوا جنت سے دوزخ کو فرار | بے خبر! لا یستوی اصحاب و نار |
| شاہ سے بھاگا یہ ہے اس کی سزا | گھر میں اک بڑھیا کے پائی ہے جگہ |
| ایک ضعیفہ ہے یہ دنیائے دنی | اس پہ مائل ہونے والا ہے غبی |
| جاہلوں کا قدر داں ہے یہ جہاں | وہ ہے دانا پائے جو اس سے اماں |
| قرب جاہل جس کو بھی راس آ گیا | اس کا حصہ، حصہ ہے شہباز کا |
| دست شہ پر باز پر ملنے لگا | کہہ رہا تھا جیسے کی میں نے خطا |
| کس لیے روئے کرے زاری لئیم | گر سنے گا صرف نیکوں کی کریم |
| سر جھکائے کس کے در پر شرمسار | عفو و بخشش تیری اے آمرزگار |
| نصف شاہی بے سبب بہرِ گناہ | کیونکہ بد کو نیک کردیتا ہے شاہ |
| کیوں گناہگاری ہماری نیکیاں | ہیں بدی ہی پیش چشم جانِ جاں |
| تو عبادت کو سمجھتا ہے سزا | پس علم اونچا ہے بد اعمال کا |
| پڑ گئی جب عادتِ ذکر و دعا | ہوگیا مغرور دل اس پر تیرا |
| ہم سخن خود کو تو سمجھا با خدا | زعم یہ بہتوں کو گمرہ کردیا |
| شہ زمیں پر ساتھ بیٹھے بھی تو کیا؟ | خود کی کر پہچان ادب سے بیٹھ جا |
| باز بولا شاہ میں نے کی خطا | کرکے توبہ لو مسلماں ہوگیا |
| نیم مست و مست تو جس کو کرے | اپنے کج رو مست کو خود بخش دے |

چھوٹ گئے ناخن پہ تو گر ہو مرا
کیوں نہ ڈھادوں میں علم خورشید کا

گو نہیں پر گر نوازے تو مجھے
چرخ بھی چکّر میں بازی ہاردے

دے جو پٹکا میں اکھیڑوں کوہ بھی
کلک دے، جھنڈے گرادوں میں سبھی

میں نہیں مچھر سے کچھ کمزور تر
پر سے بابل کو کروں زیر و زبر

ضعف تن دیکھو تو جوں بابیل ہوں
پیش دشمن میں مثال فیل ہوں

پھینک کر غلّہ میں کرسکتا ہوں رام
غلّہ کرسکتا ہے سو گوپھن کا کام

گرچہ ہے جیسے چنا کنکر مرا
خود پھٹ سکتا ہے سر کی بات کیا

جنگ میں لے کر چلے موسیٰ عصا
لشکر فرعون کو پسپا کیا

ہر نبی یو جنگ میں تنہا چلا
کل جہاں کو اس نے تنہا سر کیا

نوحؑ نے تلوار کی مانگی دعا
اور خدا نے تیغ طوفاں کو کیا

اے محمدﷺ لشکر دنیا یہ کیا
آسماں پر چاند کو شق کر دکھا

تاکہ نیک و بد سبھوں کو ہو خبر
دورہے تیرا نہیں دورِ قمر

رکھتے تھے اس دور کی خواہش کلیمؑ
تاکہ ہوں بس دور میں خود بھی مقیم

دیکھ لی موسیٰ نے اس دن کی جھلک
دیکھ لی صبح تجلّی کی چمک

بولے یارب خوب ہے رحمت کا دور
کیسی رحمت یہ ہے خود رویت کا دور

غوطہ دریاؤں میں آموسیٰ لگا
دور احمدﷺ میں پھر اپنا سر اٹھا

بولا حق موسیٰ تمھیں دکھلا دیا
اور در خلوت بھی رکھا ہے کھلا

دور ہے اس دور میں تو اے کلیم
پاؤں پھیلادے کہ لمبی ہے گلیم

میں کریم اور نان دکھلاتا ہوں اب
بندہ میرا نا کرے ناں کی طلب

ناک بچے کی اگر ملتی ہے ماں
تاکہ جاگے بچہ، اس سے مانگے ناں

بھوکا وہ سویا ہوا ہے بے خبر
دودھ ٹپکاتے ہیں پستانوں کے سر

گنج رحمت کا تھا، میں پوشیدہ تھا
مجھ سے ہے امت ہدایت یافتہ

ہر عطا جس کی کرے دل آرزو
وہ دکھاؤں تا ہو خواہاں اس کا تو

مصطفیؐ نے چند بُت توڑے یہاں — ہوسکیں خواہانِ رب تاامتاں
گرنہ ہوتا ہم پہ احمدﷺ کا کرم — مثل آبا پوجتا تو بھی صنم
سجدہ اصنام سے تو بچ گیا — تاکہ امت جانے احساں آپؐ کا
شکر ہے تجھ کو رہائی کا بجا — توبت باطن سے بھی ہوگا رہا
سجدے سرجوں رہا تیرا کیا — تو اسی قوت سے کردل کو رہا
شکر نعمت اس لیے کرتانہیں — باپ سے میراث میں پایا تو دیں
کیوں ہو میراثی کو آخر قدر مال — جان رستم کی کھپے زر پائے زال
میں رلاؤں میری رحمت کھائے جوش — تاسنے آواز نعمت پر خروش
میں نہ دکھلاؤں نہ دینا ہو اگر — بستہ دل پر کھول دوں رحمت کا در
جملہ رحمت جوشش گریہ پہ ہم — اور ابل پڑتا ہے دریائے کرم
گرنہ روئے طفل پستاں کیوں بہے — گر نہ روئے ابر گلشن کیوں ہنسے

## الہام حق سے شیخ خضرویہ کا قرض خواہوں کے لیے حلوا خریدنا

شیخ ایک رہتے تھے دائم قرضدار — اور سخاوت میں بھی تھے وہ نامدار
مالداروں سے وہ لے لے کر ادھار — مال کرتے تھے فقیروں پر نثار
خانقاہ تعمیر کرکے قرض پر — کھو دیا سب خانقاہ و مالِ زر
احمدِ خضرویہ ان کا نام تھا — خدمتِ عشاق ان کا کام تھا
قرض ادائی حق سے ہوتی ہر کبھی — جوں خلیل اللہ کوریت آتا نبی
بولے پیغمبرؐ کہ منڈی میں سدا — دو فرشتے دل سے کرتے ہیں دعا
منفقوں کو ان کا بدلہ دے خدا — ممسکوں کو دن ہلاکت کا دکھا
اور خصوصاً جاں نثاروں کے لئے — راہِ حق میں کٹ گئے جن کے گلے
جس نے اسماعیلؑ سا سر رکھ دیا — بچ گیا سا طور سے اس کا گلا
اس لئے شہدا میں زندہ اور نہال — وہ نہیں ہیں مردہ کافر کی مثال

ہستیِ جاوید کی ان کو عطا
رنج و غم سے کردیا ان کو رہا

شیخ برسوں قرض کرتے ہی رہے
لینا دینا جیسے باہمت کیے

تخم ریزی عمر بھر کرتے رہے
سروری ناوقت آخر مل سکے

شیخ کے دن جب قریب المرگ تھے
مرگ کے آثار ظاہر ہوگئے

تھا ہجوم قرض خواہاں گرد جمع
شیخ گھلتے جارہے تھے مثل شمع

قرض خواہاں ناامید و پُرغضب
درد دل کا بھر گیا سینے میں سب

شیخ بولے یہ گماں، یہ حالِ یاس
چار سو سکّے نہیں کیا حق کے پاس

''حلوا حلوا'' لڑکے نے آواز دی
اپنے حلوے کی بڑی تعریف کی

شیخ اشارے سے کہے خادم کو جا
جملہ حلوا مول کرکے اس سے لا

قرض خواہاں کھائیں گے حلوا اگر
غصہ کی مجھ پر نہ ڈالیں گے نظر

پس اسی دم ان کا خادم چل دیا
تا کہ لائے حلوا اس کے ہاں جو تھا

پوچھا کل حلوے کی قیمت ہوگی کیا؟
''آدھا دینار اور کچھ بڑھ کر'' کہا

بولا جو بڑھ کر ہے صوفی سے نہ لے
آدھا ہی دینار میں دوں گا تجھے

شیخ کے آگے طبق لاکر رکھا
شیخ کی حکمت بھی تو دیکھ آ ذرا

قرض خواہاں سے کہا لو یہ عطا
ہے تبرک اس کا کھانا ہے روا

حکم پر حلقہ سبھوں نے کرلیا
قند کے مانند حلوا کھا لیا

خالی تھالی لے لیا لڑکا اُٹھا
اور طلب دینار کی کرنے لگا

بولے اب لاؤں کہاں سے میں درم
قرض چھوڑے جاؤں گا سوئے عدم

خاک پر لڑکے نے دے مارا طبق
چیخا، رویا، ہوگیا غرق قلق

دی دہائی، چیخا بولا ہائے ہائے
کاش پاؤں ٹوٹتے اس کے بجائے

کاش بھٹّی ہی کے چکّر کاٹتا
خانقہ سے کیوں نہ میں بچ کر چلا

صوفیاں پیٹو بڑے مانگے پہ راج
بے مروت، سگ صفت، گربہ مزاج

شور سن کر آگئے اچھے برے
لگ گئی اک بھیڑ لڑکے کے لیے

بولا شیخ سنگ دل یہ کیا کیا
مار ڈالے گا مجھے آقا مرا

گر میں خالی ہاتھ جاؤں اس کے پاس
وہ مجھے مارے گا، یہ تجھ کو ہے راس؟

قرض خواہ بھی کیسے چپ رہتے بھلا
شیخ بولے کیا تماشا کردیا

مال کھایا فیصلہ بھی لے چلا
ظلم پر اور ایک ظلم اچھا کیا

عصر تک لڑکا یوں ہی روتا رہا
شیخ بند آنکھیں پڑے تھے برملا

بے غرض رد و جفا سے شیخ ادھر
چپ پڑے تھے، منہ پہ چادر اوڑھ کر

خوش ازل سے خوش ابد سے شاد کام
بے نیاز لعن و طعن خاص وعام

خندہ رو جب اپنے آگے جان ہو
خلق سے کیونکر کوئی نقصان ہو

وہ کہ جن کی آنکھ کا جاں بوسہ لے
کھائے گا کیا غم وہ چشم چرخ سے؟

چاند بالائی پہ، کوئی کیا کرے
ڈر نہیں کتوں کی عُو عُو کا اسے

کتا اپنے کام میں مشغول ہے
نور پاشی چاند کا معمول ہے

ہر کوئی کام اپنا کرتا ہے کرے
پانی کیوں میلا ہو تنکے کے لیے

جوں کمینہ خس رواں بر روئے آب
صاف پانی پر چلے بے اضطراب

مصطفیٰؐ نے شق کیا مَہ نیم شب
کینہ سے بکواس میں گم بولہب

مردوں کو زندہ جہاں عیسیٰ کیے
مضطرب اس پر یہودی ہوگئے

بانگِ سگ پہنچے گی کیونکر تا بہ ماہ
ماہ وہ بھی جو کہ ہے ماہِ الٰہ

شہ پیے بادہ لبِ جو تا سحر
مینڈکوں کے شور سے پر بے خبر

چندہ ہوسکتے تھے لڑکے کے درم
بند کردی شیخ نے راہِ کرم

تاکہ اس لڑکے کو کوئی کچھ نہ دے
اور بزرگوں سے بہت اس کو ملے

آیا پھر بعدِ نماز اک شخص ادھر
اک طبق لے کر سخی سے ہاتھ پر

شیخ کی خدمت صاحبِ حال و مال
ہدیہ بھیجا، جانتا تھا ان کا حال

چار سو دینار اُدھر اک چائے پر
نصف دینار اک لفافے میں اِدھر

باادب وہ شیخ کی جانب بڑھا
سامنے ان کے طبق کو رکھ دیا

جب وہ تحفہ کا طبق کھولا گیا
سب نے اقرارِ کرامت کرلیا

پھر سبھی آہ و فغاں و شور تھا
سب کہے سرکار یہ سب کیا ہوا

یہ شہنشاہی ہے کیسی راز کیا
رازداروں کا تو آقا ہے بتا!

ہم نہ سمجھے تو ہمیں کردے معاف
باتیں بیہودہ ہوئیں تیرے خلاف

ہم گھماتے ہیں بنا دیکھے عصا
توڑتے ہیں ظلم قندیلوں پہ کیا!

جیسے بہرے بات سنتے ہیں کہاں
ہیں جواب اپنے قیاسی بے گماں

پند موسیٰ کی بھی ہم نے کب سنی
خضرؑ کو چھوڑا ہوئی شرمندگی

آنکھ تو وابستۂ افلاک ہے
نور سے اس کے فلک بھی چاک ہے

چشمِ موسیٰ پر نہ آیا اعتبار
رکھا موشِ آسیا سے کاروبار

شیخ بولے وہ سبھی انکار و قال
میں نے بخشے ہیں تمھارے سب جدال

بھید یہ ہے میں نے حق سے کی دعا
راستہ سیدھا مجھے دکھلا دیا

اور کہا تھوڑے سے یہ دینار بھی
دین ہے اس بچے کے رونے سے ہی

گر نہ روتا طفلکِ حلوا فروش
بحرِ بخشش میں کبھی آتا نہ جوش

تجھ کو ہے آنکھ اپنی ہی طفل اے اخی
کام سب موقوف ہے زاری پہ ہی

رقّتِ دل کامیابی کا نشاں
ورنہ دقّت کے بنا نصرت کہاں

چاہتا ہے تو اگر مشکل کا حل
خارِ محرومی کا گل ہووے بدل

چاہیے گر تجھ کو وہ خلعت تو آ !
تن کے اوپر اپنی آنکھوں کو رُلا

## ایک شخص کا زاہد کو ڈرانا کہ کم روتا کہ کہیں اندھا نہ ہو جائے

بولا زاہد سے وہ یارِ با عمل
یوں نہ رو ہوگا بصارت کو خلل

بولا زاہد دو میں اک تو ہوگا حال
آنکھ دوں گا یا میں دیکھوں گا جمال

دیکھ لیں گر نورِ حق تو کیا ہے غم
دیدِ حق کو یہ دو آنکھیں کیا ہیں کم

دیکھ سکنے کی نہیں گر حق کا نور
ٹھیک ہے ہو جائیں آنکھیں یونہی کور

کیسا ڈر عیسیٰؑ ہے تیرے واسطے　　راست چل ہیں راست دو آنکھیں تجھے
عیسیٰ ساتھی جان کا ہے ساتھ ہی　　لے مدد اس سے تو حامی ہے وہی
پر حفاظت ہڈیوں کے ہاڑ کی　　سونپنے ہرگز نہ جا اس کو کبھی
جیسے وہ ناداں ہوا جس کا بیاں　　داستاں میں تھا برائے راستاں
زندگی تن کی نہ مانگ عیسیٰ سے تو　　کارِ فرعونی نہ لے موسیٰ سے تو
فکر ساز و برگ سے آزاد رہ　　حاضرِ درگاہ ہوکر شاد رہ
جیسے اک خیمہ تن اپنا روح کو　　یا ہے مانندِ سفینہ نوحؑ کو
تُرک کو خیمہ بڑا مل جائے گا　　وہ مقرب حق کا عزت پائے گا

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ہڈیوں کے زندہ ہوجانے کے قصہ کی تکمیل

چونکہ عیسیٰؑ کا تھا اک ناداں رفیق　　جانتا تھا بس جھگڑنے کا طریق
پند سے انکار اس کی ابلہی　　بخل جو سمجھا اسے وہ گمرہی
اس جواں کے پے بہ پے اصرار سے　　ہڈیوں پر اسمِ اعظم بڑھ دیے
حق کو انجام اس کا دکھلانا جو تھا　　ہڈیوں کو زندہ فوراً کردیا
ہوگیا اٹھ کر کھڑا شیر سیاہ　　پنجہ مارا کردیا اس کو تباہ
کھوپڑی پھوڑا تو بھیجا گر پڑا　　پس سرِ بے مغز جوں اخروٹ تھا
مغز اگر ہوتا تو جب توڑا کیا　　کچھ نہ ہوتا نقص اسے تن کے سوا
پوچھے عیسیٰؑ زود کیوں مارا اسے　　کردیا اس نے پریشاں کیوں تجھے
پوچھا پھر تو نے نہ چکھا اس کا خوں　　بولا رزق اپنا نہ تھا پھر کیا کروں
ہیں بہت سے اور بھی شیرِ تپاں　　صید خود کھائے بنا چھوڑے جہاں
کاہ قسمت میں نہیں کہ پر نظر　　یا بلا محنت حصولِ مال و زر
جمع کرکے مال جائے سوئے گور　　دشمنوں کا اس کے غم میں جشن و شور
اے کہ تو نے ہم پہ وہ احساں کیا　　کر ذرا بیگار سے ہم کو رہا

لقمہ دیکھا اس میں کانٹا تھا نہاں
جو ہے جیسا ہم پہ ویسا کر عیاں

شیر بولا اے مسیحا یہ شکار
بڑھ کے عبرت سے نہ تھا کچھ اس کا کار

کام کھانے سے مرا ہوتا یہاں
مردوں سے نسبت مری ہوتی کہاں

یہ سزا اس کی جو پانی صاف لے
گدلا کرنے اس کو پھر پیشاب سے

نہر کی گر قدر وہ خر جانتا
پیر کے بدلے سر اس میں ڈالتا

ہوتا حاصل ایسا پیغمبر اسے
جو کہ اس کو آبِ حیواں دے سکے

کیوں نہ دے جاں اس کے کن کے سامنے
اے خضرؑ تو آبِ حیواں ہم کو دے

زندہ کرنے نفس کو ہرگز نہ جا
مدتوں سے سگ یہ دشمن ہے ترا

ہڈیوں پر کاش کہ مٹی پڑے
روکتی ہیں سگ کو صیدِ جان سے

سگ نہیں پر استخواں کا دوست تو
گو نہیں ہے جونک کیوں بھایا لہو

آنکھ کیا وہ جس میں بینائی نہیں
امتحاں میں غیر رسوائی نہیں

بھول ہوتی ہے گماں میں گاہ گاہ
وہ گماں اندھا ہے جو بھٹکائے راہ

اب تلک اغیار کا رونا رہا
یونہی اپنا رونا رو کچھ روز جا

ابر برسے گا تو ہوگی شاخ تر
شمع رو رو کر ہوئی پرضو ادھر

جس جگہ ماتم ہو اس جا بیٹھ جا
کیونکہ رونا ہے ترے حق میں بھلا

رونا ان کا مرنے والے کے لیے
ان کو کیا مطلب بقا کے لعل سے

روک رکھا ہے انھیں تقلید نے
توڑ دے اس بند کو تو گریہ سے

کیونکہ ہے تقلید نیکی کی عدو
کوہ بھی ہو تو سمجھ کاہ اس کو تو

ہے کوئی کور اور موٹا، غصّہ ور
گوشت کا ٹکڑا ہے آخر بے بصر

گو ہوں باتیں بال سے باریک تر
اس کے سر کو پر نہیں ہوگی خبر

مست باتوں میں اسے باتوں کا شوق
پر حقیقی مئے سے ہے دور اس کا ذوق

پانی خود پیتی نہیں جوئے رواں
مستفید اس سے ہیں دیگر تشنگاں

نہر میں پانی نہیں پاتا قرار
نہر چونکہ خود نہیں ہے آبخوار

| | |
|---|---|
| نالہ و زاری میں جیسے بانسری | مفت غیروں کی کرے جوں نوکری |
| نوحہ گر ہے اک مقلد در خبر | اس میں لالچ کے سوا کیا ہے دگر |
| بات اگرچہ کہ ہے اس کی دردناک | سوز دل میں اس سے نے دامانِ چاک |
| اک مقلّد سے محقق ہے جدا | یہ ہے داؤد اور وہ دیگر صدا |
| منبعِ گفتار اسے سوزِ دروں | اور مقلد سیکھ کر پڑھتا ہے یوں |
| دھوکا کیوں باتوں پہ دکھّی نہیں | بوجھ اٹھائے بیل، گاڑی کی حنیں |
| کب مقلد بھی ہے محرومِ ثواب | نوحہ گر کی فرد کا بھی ہے حساب |
| کافر و مومن بھی کہتے ہیں خدا | فرق ہے دونوں کے کہنے میں بڑا |
| ہے خدا اس کے لبوں پر بہرِ ناں | متقی بولے خدا از روئے جاں |
| اللہ اللہ بولتا ہے بہر ناں | بول اللہ بھول جا سود و زیاں |
| گر بھکاری قدر اس کی جانتا | بیش و کم کے غم سے ہوجاتا رہا |
| جیسے خر برسوں خدا کہتا رہا | اس نے قرآن گھاس کی خاطر لیا |
| لب کی باتیں دل میں ہوں گر جلوہ گر | پھٹ کے تن ذرّوں میں ہوتا منتشر |
| نام شیطاں سے فروغِ ساحری | نام حق پر تجھ کو اک دمڑی بھلی |

## دیہاتی کا اندھیرے میں شیر کو کھجلانا اس گمان میں گائے ہے

| | |
|---|---|
| گائے دہقانی نے باندھی تھان پر | شیر کھا کر گائے کو بیٹھا ادھر |
| دیکھنے آیا جو آقا گائے کو | کررہا تھا کونہ کونہ جستجو |
| اس نے پھیرا ہاتھ اپنا شیر پر | چھو رہا تھا اس کے بازو اور کمر |
| شیر بولا روشنی ہوتی اگر | پتّہ پانی، دل کو خوں کردیتا ڈر |
| پھیرتا ہے ہاتھ مجھ پر بار بار | مجھ کو اپنی گائے کرتا ہے شمار |
| حق یہ فرماتا ہے اے مغرور کور | نامِ حق سے کیا نہ صد پارہ تھا طور |
| کرتے نازل کُہ پہ گر اپنی کتاب | پھٹ کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا شتاب |

باخبر مجھ سے احد ہوتا اگر  پرزے ہوتا، خون ہوجاتا جگر
ہاں بزرگوں سے سنی ہے یہ خبر  پھر بھی تو غفلت میں کرتا ہے بسر
سن یہ قصہ از پئے تہدید تو  تاکہ جانے آفتِ تقلید کو

## صوفیوں کا ایک صوفی مسافر کے سواری کے جانور سماع کے لیے بیچنا

خانقاہ میں کوئی صوفی آگیا  اصطبل میں خر کو باندھے چل دیا
تھوڑا چارا پانی خود اس کو دیا  پہلے صوفی سے وہ صوفی تھا جدا
وہ تو اپنے کام میں محتاط تھا  پر قضا کے سامنے کیا فائدہ
صوفیاں ہوتے ہیں درویش وفقیر  ہوتی ہے محتاجی بھی کفرِ کبیر
اے تونگر جا نہ ہنس درویش پر  اس کی تنگی سے نہیں تو باخبر
پس غلط کاری میں صوفی جُٹ گئے  سرفروشی میں سبھی شامل رہے
تنگی میں مردار کھا لینا روا  ہو اگر حاجت برا بھی ہے بھلا
لائے خر کو بیچ کر اچھی غذا  جشن کی سوجھی چراغاں کردیا
خانقہ میں ولولہ تھا اک بڑا  گاؤ، ناچو، کھاؤ آج اچھی غذا
کب تلک یہ جبر، فاقہ تا کجا  کب تلک یہ بھیک، یہ جھولی بھلا
ہم بھی ہیں مخلوق ہم رکھتے ہیں جاں  آج دولت ہے ہماری میہماں
تخمِ باطل اس لئے بویا گیا  جاں نہ تھی جس کو انھوں نے جاں کہا
وہ مسافر بھی تھکا ماندہ وہاں  دیکھا اپنی جانب ان کو مہرباں
یک بیک تھے صوفیاء سب مہرباں  بہرِ خدمت سب تھے آمادہ وہاں
ہاتھ پیر اس کے دباتا تھا کوئی  اور بیٹھوگے کہاں پوچھا کوئی
گرد ساماں سے کسی نے جھاڑ دی  چومتا تھا ہاتھ منہ اس کا کوئی
سب کو خود پر ملتفت پایا ہے جب  بولا کر لوں عیش پورا آج شب
کھانا کھایا، اور گانا چل پڑا  خانقہ تھی سب دھواں دھول اور کیا

ناچنے سے گرد، مطبخ سب دھواں — اشتیاق و وجد سے بے حال جاں
ہاتھ ہلاتے، پاؤں اپنے پیٹتے — سجدہ کرتے تھے وہ صفّہ جھاڑ کے
دیر سے ملتی ہے صوفی کو مراد — اس لیے کھاتا ہے صوفی بھی زیاد
ہاں جو صوفی نورِ حق سے سیر ہے — بھیک سے فارغ سراپا خیر ہے
چند ہی صوفی ہزاروں میں رہے — دوسرے ہیں زندہ ان کے نام سے
جب سماع آخر ہوا قوال اٹھا — ہوگئی اک تازہ گت کی ابتدا
خر گیا لو خر گیا کہنے لگا — ہر کسی کو دھن میں شامل کرلیا
یوں ہی گرم رقص تھے سب تا سحر — خر گیا کہتے تھے تالی پیٹ کر
از رہِ تقلید صوفی بھی یونہی — خر گیا کہتے ہوئے کی آہ بھی
ختم جوش و نوش پر آخر سماع — دن ہوا اور کہہ گئے سب الوداع
خانقہ خالی ہوئی صوفی بچا — دھول سے ساماں کو صاف اس نے کیا
کمرے سے باہر اسے لایا وہاں — تا کہ باندھیں خر پہ اس کو ساتھیاں
ان سے ملنے کو بڑا بے تاب تھا — تھان پر دیکھا گدھا نایاب تھا
سمجھا نوکر پانی دینے لے گیا — رات خر کو پانی تھوڑا ہی ملا
خادم آیا پوچھا صوفی خر کہاں؟ — ان میں جھگڑا ہوگیا اس پر وہاں
بولا خر تیرے حوالے ہی کیا — اور تجھے خر کا محافظ بھی کیا
کر مدلل بات بس حجت نہ کر — جو امانت دی تو واپس لا ادھر
جو دیا وہ تجھ سے لینا ہے مجھے — جو کیا تیرے سپرد اب مجھ کو دے
بولے پیغمبر جو لے گا ہاتھ سے — اس کو لوٹانا ضروری ہے تجھے
سرکشی سے تو اگر راضی نہیں — چل کرے گا فیصلہ قاضیِ دیں
مجھ پہ حاوی ہوگئے تھے صوفیاں — ان کے حملے سے تھا مجھ کو خوف جاں
بلیوں میں تو کلیجہ پھینک کر — ڈھونڈنے سے پائے گا آخر کدھر
بول سو بھوکوں میں اک روٹی کدھر — سو سگوں میں اک مری بلی کدھر

بولا مانا چھین کر وہ لے چلے — کیا وہ میرے خوں کے پیاسے ہوگئے
آکے مجھ کو کیا سنا سکتا نہ تھا — یہ کہ وہ لے جارہے ہیں خر ترا
مولنے والے سے لے لیتا میں خر — ورنہ چندہ کرکے لوٹاتے وہ زر
وہ جو حاضر تھے تو رستے تھے کئی — چل دیے سب اب نہیں حاضر کوئی
کس کو لے جاؤں گا قاضی کے یہاں — ساری آفت تجھ سے میرے سر یہاں
کیوں نہ بولا آکے مجھ کو اے غریب — آپڑی ہے تجھ پہ اک آفت مہیب
بولا واللہ میں تو آیا بارہا — تا بتاؤں تجھ کو میں جو کچھ ہوا
دیکھا تو بھی کہہ رہا تھا خر گیا — سب سے تھی پر ذوق تر تیری صدا
تجھ کو واقف جان کر واپس ہوا — سمجھا تو عارف ہے راضی بر رضا
بولا وہ سب گا رہے تھے ذوق سے — دیکھ کر ذوق ان کا وجد آیا مجھے
ہوگیا برباد میں تقلید میں — اس پہ پھٹکار اس پہ دو سو لعنتیں
پیروی بے ہودگاں کی خاص کر — وار دیتے ہیں جو عزت نان پر
پڑ رہا تھا عکس ان کے ذوق کا — اس سے صاحبِ ذوق میرا دل ہوا
عکسِ یارانِ خوش اتنا چاہیے — فیض بحرِ حق سے تا کچھ پا سکے
عکسِ اول جو بھی ہے تقلید ہے — ہے وہی تحقیق گر ہو پے بہ پے
تا دمِ تحقیق کر ان میں بسر — کٹ نہ جا جب تک نہ ہو قطرہ گہر
صاف کان اور صاف آنکھ رکھنا ہے اگر — پردے لالچ کے جو ہوں گے چاک کر
طمع سے تقلید صوفی کی جو تھی — بند اس نے روشنی کی عقل کی
طمع ان کھانوں کی اور ذوق سماع — بند انہی سے عقل و راہِ اطلاع
طمع نے گمراہ صوفی کو کیا — کام بگڑا اس کا گھاٹے میں رہا
لالچ آئینے میں ہو گر رونما — وہ منافق جیسے ہم ہو جائے گا
گر ترازو کو ہو کچھ بھی طمعِ مال — کب بتائے گا وہ کوئی راست حال
سمجھا ہوگا طمع سے قارون تو — انتہا جائے گا قبرستان کو

ہر نبی نے قوم سے اپنی کہا
میں نہ چاہوں گا رسالت کا صلہ

میں ہوں رہبر، اور حق ہے مشتری
مزد دو جانب کی اس نے مجھ کو دی

اس لئے ذلال کی اجرت رہی
سیدھی سیدھی تا بنائے وہ سبھی

میری اجرت ہے فقط دیدارِ یار
گو دیے جو بکرؓ نے چالیس ہزار

ان کی دولت میری مزدوری نہ تھی
پوتھ جوں درِ عدن ہوگی کبھی

اک حکایت کہہ رہا ہوں سن بگوش
دیکھ ہوتی ہے طمع کیوں بند گوش

طمع سے ہوتا ہے گونگا آدمی
طمع سے مفقود دل کی روشنی

اس کو بھائے بس خیالِ جاہ و مال
اس طرح جیسا کہ ہو آنکھوں میں بال

مستی حق میں مگر جو شاد ہے
دے خزانے بھی تو وہ آزاد ہے

دید سے جو کوئی برخوردار ہے
یہ جہاں اس کے لیے مردار ہے

لیکن اس صوفی سے مستی دور تھی
نور سے محروم تھا وہ لالچی

سو حکایت گو سنے مدہوشِ حرص
ایک نکتہ بھی نہ پائے گوشِ حرص

## قاضی کے منادیوں کا گردشہر ایک مفلس کی تشہیر کرنا

ایک مفلس شخص تھا بے خانماں
اس پہ زنداں میں تھی بند بے اماں

کھا رہا تھا لقمۂ زندانیاں
دل پہ سب کے اس سے اک کوہِ گراں

کس کی ہمت تھی جو لقمہ کھا سکے
وہ جھپٹ لیتا تھا فوراً ہاتھ سے

رحمتِ رحمٰن نہیں جس کو نصیب
رہ کے سلطاں بھی گدا ہے اور غریب

تھی مروّت اس کے باعث پائمال
اس سے زنداں تھا جہنم کی مثال

بھاگے راحت کی طلب میں تو جدھر
پائے گا اپنے لئے آفت ادھر

دام و دد سے بچ کے ہے کوئی جگہ
ہے کہیں راحت بجز بارِ اللہ

چھوڑتا ہے کس کو زندانِ جہاں
سب مشقت اور محنت ہے یہاں

چوہے کا سوراخ بھی گویا ہے جال
گربہ کے چنگل سے بچنا ہے محال

آدمی کو فربہی بخشے خیال — گر خیالات اس کے ہوں صاحبِ جمال
زشت و نامرغوب ہوگا گر خیال — آگ میں جوں موم ہوگا اس کا حال
سانپ، بچھو میں بھی گر تجھ کو خدا — خوش رکھے اچھے خیالوں میں تو جا
ہوں گے مونس مار وکژدم بھی ترے — اور خیال اکسیر جوں مِس کے لیے
صبر شیریں ہو جو اچھا ہے خیال — اور خوشی کا پیش خیمہ ہے خیال
وہ خوشی ہے دل میں ایماں کی عطا — نااُمیدی ضعفِ ایماں کا صلہ
صبر کے سر ہوگا تاج ایماں کا — جب نہ ہوگا صبر تو ایماں کجا
بولے پیغمبر نہیں ایماں اُسے — ہے طبیعت جس کی عاری صبر سے
اپنی آنکھوں سے جسے تو پائے مار — ہوگا وہ دیگر کی آنکھوں میں نگار
تو خیالِ کفر سے دیکھے بدی — اور وہ مومن کی نظر سے دوستی
دو عمل سے متصف ہے آدمی — کانٹا مچھلی کا وہی مچھلی کبھی
نیم مومن اس کا عالم ہے نیم گبر — حرص اس میں آدھی ہے آدھا ہے صبر
بولا یزداں تم میں ایماں والے ہیں — اور کہن کافر بھی پائے جاتے ہیں
جیسے کوئی بیل، کھال آدھی سیاہ — دیگر آدھی کل سفید و مثل ماہ
ایک رخ دیکھے کوئی وہ رد کرے — رخ دگر دیکھے کوئی لینے بڑھے
حسن سے یوسفؑ کے تھے بھائی نفور — اور وہی یعقوبؑ کے آنکھوں کا نور
بدنظر سے جس نے دیکھا بد لگا — وہ تھی فرع اور چشم اصلی لاپتہ
چشمِ ظاہر چھاؤں دل کی آنکھ کی — دیکھ کر اس کو ادھر مڑ جائے گی
فرع سایہ اصل کا پر تا کجا — سامنے سورج کے ٹھہرے گا بجا؟
تو مکانی اصل تیری لامکاں — بند کر یہ کھول دے تو وہ دکاں
دوڑتا ہے چھوڑنے کیوں شش جہات — تو مقید ہے ترا انجام مات
اس سخن کی حد نہیں، زندانیاں — جملہ اس بھڑوے کے باعث تنگ جاں

## قیدیوں کا قاضی کے وکیل سے اس مفلس کی شکایت کرنا

قاضیِ زنداں کے نائب کے یہاں     آئے بہرِ داد خواہی قیدیاں
بولے پہنچا اپنے قاضی کو سلام     اور بتا ظالم سے نالاں ہیں تمام
قید خانے ہی میں ہے اس کا قیام     بیٹو، بکواسی، تباہی اس کا کام
لقمہ اک مشکل سے قیدی پاتا ہے     اور وہ سو طرح کھانا کھاتا ہے
فوراً آجاتا ہے وہ دوزخ گُلو     اس کی حجّت یہ کہ حق بولا کُلو
جیسے مکھی آئے بروقتِ طعام     بن بلائے، بے حیا، وہ بے سلام
ساٹھ لوگوں کی غذا تھوڑی ہے     پوچھو بس تو ان سے کھاتا چلے
قحطِ سہ سالہ ہے اس کی دین داد     سایۂ مولانا یہ پائندہ باد
جائے زنداں سے یہ حیواں، حکم ہو     یا وظیفہ بہر لقمہ اس کو دو
آپ کے ممنوں ہیں مرد و زن سبھی     چاہیے اے دادرس انصاف بھی
کارکن وہ سوئے قاضی چل دیا     پیشِ قاضی مسئلہ وہ رکھ دیا
قاضی اعیاں کو بلایا قید سے     پوچھ گچھ تا آپ خود ان سے کرے
پیش قاضی ہوگیا ثابت سبھی     اس جماعت نے شکایت جو بھی کی
بولا قاضی چل نکل زنداں سے تو     خانۂ آبا کی جانب کرکے رُو
بولا سب گھر بار ہے احساں ترا     قصرِ جنّت ہے مجھے زنداں ترا
تو اگر زنداں سے ہانکے گا مجھے     مر رہوں گا بھوک سے افلاس سے
جس طرح ابلیس بولا ''اے سلام     دینا مہلت مجھ کو تا یوم القیام''
میں تو اس دنیا کے اندر شاد ہوں     رہ کے دشمن زادگاں کو مار دوں
وہ کہ جس کو رزقِ ایماں ہے نصیب     جس کسی کو توشۂ ناں ہے نصیب
مکر سے دھوکے سے اس کو چھین لوں     تا پشیماں کرکے شوریدہ کروں
میں گدائی سے ڈراؤں گا اسے     خال و گیسو میں پھنساؤں گا اسے

ہے جہاں میں قوتِ ایماں کی کمی
شر سے شیطاں کے ہے خطرہ اس کو بھی
ذوق ہے طاعات کا سو عجز سے
ذوق روزی کا جو ہو وہ لے اُڑے
دے پناہ اللہ کی شیطان سے
اس کے شر سے آہ ہم مارے گئے
ایک کتّا اور ہزاروں میں گھُسا
گھس گیا جس میں وہ ویسا ہی ہوا
ذوقِ طاعت کم جو ہو سمجھو گھسا
کھال کے اندر ہے وہ شیطاں چھپا
خود نہ آئے گا بسائے گا خیال
ہوگا ثابت وہ ترے حق میں وبال
ہے تخیل ہی ترا وجہِ بلا
بدخیالی ہانکتی ہے جابجا
گہ فراخی گاہ مال و زر کی دھن
گہ خیالِ علم گہ گھر درکی دُھن
گہ خیالِ پیشہ و سوداگری
گہ خیالِ تاجری و داوری
گہ خیالِ مال و زر، اہل و عیال
سوچ لاحاصل کبھی غمگیں خیال
باغ و بن کا گاہے چکی کا خیال
دھند، بادل، گاہے شوخی کا خیال
گہ خیال آتا ہے صلح و جنگ کا
گہ خیال آتا ہے نام و ننگ کا
گاہے ساماں خواب و بستر کا خیال
گاہے جامہ اور جوہر کا خیال
دور کردے سر سے یہ تیرے خیال
اور بری تدبیروں کو دل سے نکال
ورد کر لاحول کا تو ہر زماں
اس کو پڑھنا ہے ضرور از عینِ جاں

## اس مفلس کے قصہ کا بقیہ

بولا قاضی دے ثبوت افلاس کا
بولا زندانی ترے خود ہیں گوا
مہتم وہ، خون روتے ہیں وفور
تجھ سے نالاں بھاگتے ہیں تجھ سے دور
دور رہنا چاہتے ہیں تجھ سے وہ
اس لئے جھوٹی گواہی دیں گے وہ
بڑھ کے اہلِ محکمہ نے بھی کہا
ہم ہیں افلاس اور نحوست کے گوا
جس سے بھی قاضی نے پوچھا اس کا حال
بولا اس بدبخت کو آقا نکال
بولا قاضی یہ ہے قلّاش اور گدا
شہر میں اس کو گھماؤ ہر جگہ

کوچہ کوچہ مشتہر اس کو کرو     طبل اس کی مفلسی کا پیٹ دو
قرض پر کوئی نہ دے اک شے اسے     ایک حبّہ بھی ادھار اس کو نہ دے
مکر کا دعویٰ بھی کوئی گر کرے     میں نہ بھیجوں گا کبھی زنداں اُسے
مفلسی ثابت ہے اس کی میرے پاس     نقد کوئی شے نہیں ہے اس کے پاس
حبس دنیا میں ہے انساں اس لئے     تاکہ افلاس اس کا ثابت ہوسکے
مفلسی شیطان کی قرآن سے     مشتہر کردی ہے خود اللہ نے
وہ ہے مفلس، پُردغا اور بدکلام     شرکت اس کے ساتھ سودا بھی حرام
گر کرے، حیلہ اسے مل جائے گا     بے نوا صرفہ نہیں دے پائے گا
فتنہ بھڑکا اونٹ اک لایا گیا     وہ کہ تھا ہیزم فروش اک کُردکا
کُرد بے چارہ وہ چلاتا رہا     اور موکّل کو بھی کچھ رشوت دیا
اونٹ اس کا وہ سویرے لے گئے     کچھ نہ پایا تا بہ شب وہ گریہ سے
اونٹ پر چڑھ بیٹھا وہ قحط گراں     اس کے پیچھے صاحبِ اُشتر دواں
ہر طرف ہر کوچہ میں دوڑے چلے     تاکہ ہر شہری اسے پہچان لے
ہر کہیں حمّام کیا بازار کیا     شکل پر اس کی تھی ہر کس کی نگہ
دس منادی گر بلند آواز سب     ترکی و کردی و رومی و عرب
چیختے تھے سب بلند آواز سے     سب جفا کے بیج اس نے بو دیے
کچھ نہیں ہے پاس اس بدبخت کے     قرض کوئی اس کو اک دمڑی نہ دے
ظاہر و باطن میں اک حبہ سے پاک     جھوٹا، مفلس، پُردغا، اک تودہ خاک
بے نوا و بد ادا اور بے وفا     ناں ربا، پکّا بھکاری، بے حیا
ساتھ اس کے کوئی شرکت مت کرو     جیب کترا ہے، گرہ مضبوط ہو
حکم چاہیں گر تم اس پژمردہ کو     میں نہ دوں گا حکمِ زنداں مردہ کو
خوب باتونی ہے، حلق اس کا بڑا     جامہ اوپر ہے نیا اندر پھٹا
جامہ اس کے جسم پر مانگا ہوا     ہے فریبی دے گا وہ دھوکا بڑا

ایک ناداں اور باتیں عقل کی — لی ہے اس نے عاریت پوشاک بھی
چور ہے، یہ جامہ بر تن کرلیا — کیوں ملائے ہاتھ ہے اس کا کٹا
اونٹ سے جس دم وہ اترا شام تھی — کُرد بولا دور گھر دیری ہوئی
اونٹ پر بیٹھا رہا تو صبح سے — جو کو بخشا گھاس کا خرچہ تو دے
بولا اب تک جو کیا دیکھا نہیں — بے خبر! کچھ ہوش بھی ہے یا نہیں؟
چرخ نے سن لی مرے افلاس کی — کان بے حس، کردیا تو ان سنی
تا بہ ہفت افلاک شور افلاس کا — سن نہ پایا تو مگر یہ واقعہ
رچ گئی کانوں میں تیرے طمع خام — طمع بہرے کرتی ہے کان اے غلام
اینٹ، پتھر تک نے شہرہ سن لیا — پھر بھی بے غیرت ہے یہ مفلس بڑا
تا بشب تھا شور پُر صاحب شتر — سن نہ پایا طمع سے تھے کان پُر
مُہر ہے کان آنکھ پر اللہ کی — شکلیں آوازیں ہیں پردے میں کئی
وہ جو کچھ چاہے دکھائے گا سبھی — حسن کے ہمراہ ادا و غمزہ بھی
گرچہ ان سے آج تو غالب سہی — وقتِ حاجت حق دکھا دے گا سبھی
بولے پیغمبرؐ کہ وہ ربُّ العُلا — درد کا درمان بھی پیدا کیا
چاہے درماں، گو کرے دل سے دُعا — اے خدا دے درد کی میرے دوا
بو بھی درماں کی نہ پہنچے گی تجھے — جب تلک فرماں اسے اللہ نہ دے
چاہے درماں دیکھ سوئے لامکاں — جیسے دیکھے کوئی بسمل سوئے جاں
چارہ دنیا بھر مگر بے چارہ تو — حق نہ کھولے تجھ پہ جب تک راہ کو
بے جہت سے یہ جہاں پیدا ہوا — لامکاں سے اک مکاں اس کو ملا
جائے پھر ہستی سے سوئے نیستی — ہو طلب گر جان سے اللہ کی
ہے عدم سے فائدہ ہی تو نہ ڈر — ہے جہانِ بیش و کم گھاٹے کا گھر
نیستی ہے صنعتِ حق کی جگہ — کیا ہے ہستی میں معطل کے سوا

## مناجات

یار و بے ہمتا خداے دادگر
دستگیری کر خطائیں عفو کر

باتیں وہ سکھلا جو دل پگھلا سکیں
تا کہ تیرے لطف کا باعث بنیں

ہے دعا تجھ سے اجابت تجھ سے ہی
تجھ سے اطمینان تجھ سے خوف بھی

کر صحیح تو گر غلط ہم نے کہا
تو ہے سلطانِ سخن حق ہے ترا

تو کرے اکسیر سے تبدیل اسے
جؤے خوں ہو تو بنائے ''نیل'' اسے

کارِ قدرت ہیں سبھی تبدیلیاں
کیسی کیسی کیمیائیں تیرے ہاں

آب و گِل کو گوندھ کر کیچڑ کیا
پھر اسی سے جسم آدم کردیا

پھر سے ماموں بھی چچا شوہر کیا
شادی و غم کا خیال اس کو دیا

ان میں بعضوں کو رہائی تو نے دی
اور غم و شادی سے دے دی مخلصی

لے گیا خوشیوں سے فطرت سے ہٹا
خوب کو ناخوب خود فرمادیا

اس نے ہر محسوس کو رد کردیا
ہست نامحسوس کو اس نے کہا

ہے نہاں معشوق عاشق ہے عیاں
یار باہر اس کے فتنے درجہاں

ختم کر بس صورتوں کی عاشقی
عشق، عشقِ صورتِ زن ہے کوئی

وہ جو ہے معشوق وہ صورت نہیں
اس جہاں میں، اُس جہاں میں ہو کہیں

جس کی صورت سے محبت تھی تجھے
جان جاتے ہی تو کیوں چھوڑا اسے

تھی جو صورت ہے وہ دل کیوں بھر گیا
بول عاشق کون ہے دلبر ترا ؟

وہ جو ہے محسوس معشوقہ ہے گر
ہوتا عاشق جو ہے جس سے بہرور

گر وفا اس عشق کو افزوں کرے
کیوں وفا صورت کو دیگرگوں کرے

تھی چمک خورشید کی دیوار پر
وہ چمک تھی عارضی دیوار پر

کب تلک ڈھیلوں سے یہ دل بستگی
ڈھونڈ اسے جس کی چمک ہے دائمی

اے کہ تو ہے عاشق اپنی اصل کا
سمجھا ظاہرداروں سے خود کو بڑا

عقل کا پرتو ہے تیرے حِس پہ یہ
پانی سونے کا ہے تیرے مِس پہ یہ

ہے ملمّع کی طرح حسنِ بشر
ورنہ کیوں شاہد ہے تیرا پیر خر

جوں ملک تھا اب ہے صورت دیو سی
تیری ساری دل کشی تھی عارضی

تھوڑا تھوڑا اس سے چھنتا ہے جمال
رفتہ رفتہ خشک ہوتا ہے نہال

پڑھ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ تو اب
ترک کرکے اُستخواں دل کر طلب

ہے جمالِ دل جمالِ جاوداں
آبِ حیواں اس کے دولب سے رواں

خود ہی پانی، خود پلائے، خود پیئے
سحر جب ٹوٹے تو تینوں اک ہوئے

اس اکیلے کو نہ پائے عقل سے
کر عبادت اپنی بک بک چھوڑ دے

اصل بھی تیری ہے صورت عارضی
اور اعضا کے تناسب سے خوشی

ہیں وہی معنی جو تجھ کو موہ لیں
جو تجھے صورت سے بیگانہ کریں

وہ نہیں معنی جو کور و کر کرے
نقش پر جو تجھ کو عاشق تر کرے

حصہ اندھے کا خیالِ غم فزا
آنکھ کا حصہ خیالات فنا

کور معدن حرفِ قرآں کے مگر
خر سے کاٹھی ہی انھیں مرغوب تر

کر تو پیچھا خر کا بینا ہے اگر
کب تلک کاٹھی کا رونا بے خبر

خر اگر ہوگا تو کاٹھی بھی ملے
جان جب تک تجھ میں ہے روٹی ملے

خر جو ہو ہوگی نہ کاٹھی کی کمی
پشتِ خر پر کھنچ کے آئے گی وہی

چڑھ برہنہ پشتِ خر پر بوالفضول
کیا نہ ہوتے تھے سوار ایسے رسولؐ

آپؐ چڑھ جاتے تھے ننگی پشت پر
یا کبھی پیدل بھی کرتے تھے سفر

آپؐ پیدل بھی سفر کرتے رہے
اِس کا اُس کا بوجھ اٹھا کر بھی چلے

نفس نکلا ہاتھ سے تو باندھ اُسے
جی چرائے گا کہاں تک کام سے

بارِ صبر و شکر اٹھا کچھ بھی ہو حال
خواہ سو ہو تیس ہو یا بیس سال

نہ اٹھائے کوئی بوجھا غیر کا
جو نہ بویا ہو وہ کیا کاٹے بھلا

خام ہے لالچ نہ کھا خام اے پسر
کچا کھانے میں ہے آزارِ بشر

پالیا کوئی خزانہ ناگہاں
چاہیے مجھ کو وہ کیوں چاہوں دکاں
کارِ نادر ہے جو قسمت سے ملے
تن جو ہو سالم کمانا چاہیے
کسب کب مانع ہے دولت کے لیے
کام کر ہے کام خود درپے ترے
ہاں نہ ہوجانا گرفتار "اگر"
کہ کرتا یہ، میں کرتا وہ دگر
ہیں اگر کہنے سے مانع مصطفیٰؐ
کہ خلل اس سے یقیں میں آئے گا
گر "اگر" کہتے منافق مرگیا
کیا اسے آخر بجز حسرت ملا
کتنے شاید اور اگر کہتے مرے
پھل نہ کوئی عاقبت کا پاسکے
گر نہیں پایا تو نقصانِ "اگر"
یہ مثل سن لے تو ہوگا باخبر
(اس شعر کے معنی کے متعلق اگر اور مگر کی شادی کر دیں)

## اس سے کاشکے نام کا بچہ ہوگا

اک مسافر جستجو میں گھر کی تھا
دوست اس کو ٹوٹے گھر کو لے چلا
اور بولا اس پہ چھت ہوتی اگر
میرے ہمسایہ میں ہوتا تیرا گھر
بال بچے بھی یہاں رہتے اگر
درمیاں ہوتا کوئی کمرہ دگر
روز آتے تیرے گھر کو میہماں
چین پاتے گر ترا ہوتا مکاں
کاشکے آباد ہوتا یہ مکاں
تیرا ہی تھا گھر گھر اپنا بے گماں
بولا ہاں ہاں خوب ہمسایے ہیں پر
بیٹھنا ممکن نہیں اندر 'اگر'
سارا عالم خوش خوشی کی لاگ میں
جلتا ہے جھوٹی خوشی کی آگ میں
بچّے بوڑھے طالبِ زر ہیں تمام
جانے کیا کھوٹا کھرا چشمِ عوام
ہے زرِ خالص کا پانی قُلب پر
پس بنا جانچے کبھی لینا نہ زر
لے اسے گر ہے کسوٹی ورنہ جا
ڈھونڈ جاکر نزدِ دانا آسرا
چاہیے ایسی محک جاں میں تری
گر نہیں حاصل نہ جا تنہا کبھی
بانگِ غولاں ہے صدائے آشنا
آشنا لے جائے جو سوئے فنا

دے صدا وہ ہوشیار اے کارواں آؤ آؤ ہے یہاں راہ و نشاں
اے فلانے نام لے لے کر کہے تا ہلاکت میں وہ اس کو ڈال دے
جب وہاں پہنچے تو پائے گرگ و شیر عمر ضائع، دور رہ، کوشش میں دیر
کیا ہے وہ آواز غول اے نیک خو آرزوئے مال و جاہ و آبرو
اپنے باطن کی خود آوازیں دَبا ہو نہ جائیں فاش ان پر راز تا
ذکرِ حق کر بانگِ غولاں پھونک دے مثلِ نرگس آنکھ گدھ موند لے
دیکھ صبح صادق و کاذب ہے کیا رنگِ مئے سے رنگِ ساغر کر جدا
سات رنگوں والے دیدے کے بجائے چشمِ نو صبر و تحمل سے تو پائے
دیکھے تو رنگ اور رنگوں کے سوائے پائے گا موتی تو کنکر کے بجائے
موتی کیسا تو بخود دریا بنے آفتاب آسماں پیما بنے
کارخانے میں ہے کاریگر نہاں کارخانے میں تو جاکر دیکھ عیاں
کارکن کے پردہ ہیں خود اس کے کار کارکن ہے کارگہ سے آشکار
کار سے باہر نہ پائے تو اُسے کارگہ میں منتظر کو دیکھ لے
کارخانہ کارکن کی ہے جگہ جو ہے باہر اس کو پانے سے رہا
پس عدم کی کارگہ کے اندر آ صنعت و صانع کو دیکھے اس جگہ
کارگہ ہے آشکارائی کی جا وہ نہیں پیدا برونِ کارگہ
چونکہ تھی فرعون کو ہستی پسند اس نے کرلی کارگہ سے آنکھ بند
دھن قضا کو تھی بدلنے کی اسے در سے تا آئی قضا کو پھیر دے
اور قضا اس کی اکڑفوں دیکھ کر ہنس رہی تھی اس کے بے جا زعم پر
لاکھوں بچے مار ڈالے بے گناہ تا بدل دے حکمِ تقدیرِ الٰہ
تا نہ ہونے پائے موسیٰؑ کا ظہور اپنی گردن پر لئے سب ظلم و جور
خوں کیے، موسیٰؑ مگر آکر رہے اور سر کوبی پہ اس کی اڑ گئے
دیکھتا گر کارگاہِ لایزال وہ نہ پاتا حیلہ جوئی کی مجال

خود اسی کے گھر میں موسیٰ کو پناہ گھر سے باہر قتل بچے بے گناہ
جیسے صاحب نفسِ تن پرور کی خو دشمن اپنا جو کہ سمجھے غیر کو
کہ یہ حاسد اور وہ دشمن مرا خود حسود و دشمن اس کا تن ہی تھا
جیسے وہ موسیٰ بدن فرعون سا ڈھونڈے باہر اپنا دشمن ہر جگہ
نفس ہو تن میں بڑے آرام سے دوسروں پر کینہ وغصہ اُسے

## لوگوں کا ایک شخص کو ملامت کرنا جس نے اپنی ماں کو تہمت کی وجہ سے قتل کر ڈالا

اس نے ماں کو مار ڈالا غصّہ سے گھونپ کر خنجر بھی مکّے مار کے
بولا کوئی یہ ہے بدذاتی تیری بھول بیٹھا جملہ حقِ مادری
تو نے کیوں مارا اسے اے زیشت رُو کیا کیا اس نے نہیں کہتا یہ تو
اپنی ماں کا قتل کرتا ہے کوئی؟ کیوں نہیں کہتا بھلا کیا بات تھی
بولا کام اس کا تھا وجہِ عار اُسے مارا اور ہے مٹی پردہ دار اُسے
تھی کسی سے متہم مارا اسے کر کے خوں مٹی میں لا ڈالا اُسے
بولا پھر تو مار دے اس مرد کو بولا پھر ہر روز کرتا ایک خوں
اس کو مارا خونِ عالم کیوں بھلا سب کے بدلے کاٹا اس یک کا گلا
نفس تیرا مادرِ بدخو تری چار سو فتنہ بپا ہے اس سے ہی
مار بدخو کو کہ اس کی وجہ سے قصدِ جاں اک یار کا ہر دم کرے
اس سے تجھ پر یہ بھلی دنیا ہے تنگ ہے اسی سے حلق وحق کے ساتھ جنگ
اس کو مارا عذر خواہی سے بچا اب ترا دشمن نہ دنیا میں رہا
معترض ہو گر کوئی اس بات پر نام نبیوں کا بھی ولیوں کا اگر
انبیاء کا نفس مردہ ہی تو تھا حاسد اور دشمن نہ تھے ان کے بھی کیا
غور سے سن اے طلب گارِ صواب مشکلوں اور تیرے شبہوں کا جواب
منکروں نے کی ہے خود سے دشمنی اس طرح کرتے تھے زخمی خود کو ہی

ہے وہی دشمن جو قصدِ جاں کرے | وہ نہیں جو بھی خود اپنی جان لے
کوئی شپرّہ ہے سورج کا عدو؟ | وہ رہا پردے میں آپ اپنا عدو
تابشِ خورشید نے مارا اسے | رنج کیوں خورشید کو اس وجہ سے
وہ عدو، اوروں کو جو آزار دے | لعل کو جو منع سورج سے کرے
منع کرلیتے ہیں کافر آپ ہی | خود سے نبیوں کے گہر کی روشنی
لوگ کب پردہ ہیں اُس کی آنکھ کا | کور و کسر لوگوں نے خود کو کرلیا
کینہ آقا سے اگر بندہ رکھے | لڑ کے آقا سے خود اپنی جان دے
سرنگوں کوٹھے سے اس کے گر پڑے | تاکہ مالک کو زیاں پہنچا سکے
چارہ گر کا ہو عدو بیمار اگر | بچہ پیسے دانت اگر استاد پر
دونوں دشمن ہیں خود اپنی جان کے | ہاتھ دھو بیٹھیں گے عقل و جان سے
غصہ سورج سے اگر دھوبی کرے | مچھلی پانی کی اگر دشمن بنے
اس میں ہے نقصان کس کا غور کر | کس پہ بدبختی کا ہووے گا اثر
گر بنایا حق نے تجھ کو زشت رو | ہو نہ جا تو زشت رو اور زشت خو
جوتے ہوں بھی راہ پتھریلی نہ لے | چار شاخی بن نہ جا دو شاخ سے
تو حسد میں اس سے وجہ کم تری | کمتری بڑھ کر نہ ہو بداختری
ہے حسد نقصان و عیب اک اور بھی | یہ برائی بلکہ ہے سب سے بڑی
ننگِ پستی سے وہ ابلیس آپ ہی | خود کو کر ڈالا شکارِ ابتری
وہ حسد سے چاہا خود اونچا بنے | اونچا کیا ہوتا تھا لتھ پتھ خون سے
مصطفیٰؐ سے بوجہل کو ننگ تھا | پس حسد سے اس نے سر اونچا کیا
بوالحکم سے ہوگیا بوجہل نام | ہیں حسد سے اہل بھی نااہل انام
میں نے دنیا میں نہیں دیکھی کوئی | قابلیت نیک خوئی سے بڑی
حق نے نبیوں کو بنایا واسطہ | تا حسد کو کرکے رکھ ڈالے کھلا
چھوڑ چالاکی بڑائی اور فن | افضل ان سے خدمت و خُلقِ حسن

چونکہ حق سے کوئی شرمندہ نہیں      حاسدِ حق کوئی باشندہ نہیں
وہ کہ خود اپنا سا سمجھا ہے جسے      تھا حسد اس بات سے اُس کا اُسے
جب مسلّم تھی بزرگیِ رسولؐ      بس حسد کو کون کر سکتا قبول
ہیں ولی ہر دور میں قائم مقام      تا بہ محشر امتحاں ہے یہ دوام
نیک خو جو بھی ہے وہ ہوگا بَری      اور نازک طبع پر آفت پڑی
پس امامِ وحی و قائم ہے ولی      ہر عمرؓ کی نسل یا نسلِ علیؓ
مہدی و ہادی وہی ہے نیک خو      ہے نہاں رہ کر بھی بیٹھا روبرو
نور وہ اس کو خرد جبریل ہے      اس سے کم ہے جو ولی قندیل ہے
طاقچہ کم رتبہ میں قندیل سے      نور کے معیار پر ہیں مرتبے
سات سو پردوں میں ہے نورِ خدا      مرتبہ گویا ہے پردہ نور کا
پیچھے پردے کے اک قوم کا مقام      صف بہ صف پردے ہیں تا جائے امام
زور میں کم اہلِ صفِ آخریں      تاب بیش از نور آنکھوں کے نہیں
کم بصارت اگلی صف والوں کی بھی      ان میں ہے بس اک کرن کی تاب ہی
جو ضیا ہے پہلی صف کی زندگی      وہ ہے آفت احولوں کے جان کی
رفتہ رفتہ ہوتی ہے کم احولی      اور پرے پردوں میں ہوں خود وہی
شعلہ جو کرتا ہے آہن، زر کو پاک      وہ کرے ہر میوۂ تازہ کو خاک
''سیب'' و ''آبی'' میں نہیں لوہے کی تاب      چاہیے ان کے لئے تھوڑی سی تاب
لوہے پر ہلکی سی تابش بے اثر      جذب کرلیتا ہے شعلے بے خطر
جوں فقیرِ سخت کوش آہن کا حال      ہے ہتھوڑے کے تلے شاد اور لال
وہ بذاتِ خود ہے شعلوں کا غلاف      دل میں شعلوں کے وہ گھس پڑتا ہے صاف
پانی کے پالے وہ فرزندانِ آب      آگ سے پکنے نہ پائیں بے حجاب
واسطہ دیگ ان کو ہوگا یا توَا      جس طرح پاؤں کو جوتا آسرا
یا ہو کوئی آڑ تا موزوں ہوا      پختگیِ میوہ کا ہو واسطہ

پس جو ہے درویش ہے بے واسطہ	راست شعلہ سے ہے اس کو رابطہ
پس دلِ عالم کہ ہے مثلِ بدن	واسطے سے اس کے پا لے گا وہ فن
جزوی دل والوں کا ہے تن جیسا دل	اور جیسے کان اہل دل کا دل
لوہا منظورِ نظر ہے آگ کا	تن نہیں دل ہے نظر گاہِ خدا
دل بنا تن گفتگو کیسے کرے؟	دل بنا تن جستجو کیسے کرے؟
چاہتا ہے شرح پھر بھی یہ کلام	ڈر ہے لغزش کھا نہ جائے فہمِ عام
تا نہ ہو اپنی یہ نیکی بھی بدی	یہ جو کچھ بولا نہیں جز بیخودی
ٹیڑھا جوتا ٹیڑھے پاؤں کو سزا	اور در پر ہے گداگر کی جگہ

## بادشاہ کا دونوخریدہ غلام کا امتحان کرنا

دو غلام اک شاہ نے سستے لیے	پوچھ کچھ کرنے لگا وہ ایک سے
اس کو پایا زیرک و شیریں زباں	غیر شکّر دیں گے کیا شکّر لباں
آدمی پوشیدہ ہے زیر زباں	یہ زباں ہے پردۂ درگاہِ جاں
جب ہوا کے زور سے پردہ اٹھا	صحن سے گھر میں جو تھا ظاہر ہوا
گھر کے اندر کیا ہے گندم یا گہر	سانپ بچھو ہیں سبھی یا گنجِ زر
سانپ کے بازو خزانہ ہے وہاں	کیونکہ گنج زر نہیں بے پاسباں
بے تامل بات وہ ایسی کرے	بعد صدہا غور کے جو دیگراں
بات جوں باطن میں دریا ہو کوئی	جملہ دریا بولتے موتی سبھی
نور ہر موتی کا اور اس کی چمک	حق و باطل کے لئے گویا محک
نور فرقاں کا بھی ہے فارق بجا	حق و باطل کو دکھاتا ہے جدا
نور گوہر ہوتا ان آنکھوں کا نور	سب سوالات و جواب اس میں ضرور
دیکھا ٹیڑھی آنکھ سے پایا دو ماہ	ہے بخود گویا سوال ایسی نگاہ
دیکھ اب سیدھی نظر سے ماہتاب	تا کہ دیکھے چاند کو اِک، لے جواب

فکر کو کر ٹھیک، پھر تو غور کر
ہے شعاع بھی نور بھی آنِ گہر
اپنے کانوں کی سنی پر تو نہ جا
آنکھ کہتی ہے کہ میری سن ذرا
کان دلّال آنکھ ہے صاحب وصال
آنکھ اہلِ حال کان اصحابِ قال
کان کے سننے سے تبدیلِ صفات
آنکھوں دیکھے حال سے تبدیلِ ذات
تجھ کو ہے علمِ یقیں گر آگ کا
کاملیت کر طلب تو رک نہ جا
اور نہیں جلنے تلک عین الیقین
یہ یقیں چاہے تو بن آتش نشیں
کان گر پرکھیں شنیدہ دیدہ ہو
یوں ہی سن لینے سے وہ پیچیدہ ہو
حد نہیں اس بات کی تو لوٹ آ
دیکھ ان بندوں سے شہ نے کیا کیا

## بادشاہ کا ان دو غلاموں سے ایک کو روانہ کر کے دوسرے سے حال دریافت کرنا

پا کے اس بندے کو از اہلِ ذکا
پھر اشارے سے کہا دیگر کو آ
کاف کہنے میں نہیں خفّت کوئی
کافِ طفلک ہے علامت پیار کی
ہوگیا جب دوسرا درپیش شاہ
دیکھا ہے گندہ دہن دنداں سیاہ
بات گو اس کی بھلی لگتی نہ تھی
جستجو پھر بھی تھی، اس کے بھید کی
بولا شہ بدشکل گندہ منہ ترا
دور بیٹھ اس سمت تو بڑھ کر نہ آ
تو ہے لائق نامہ و پیغام کے
نہ کہ یاری، ہم نشینی کے لیے
تا ترے منہ کا کوئی چارہ کریں
ہم ترے اے دوست چارہ گر بنیں
ایک پسّو، اور نئی گدڑی جلائیں؟
یہ نہیں زیبا کہ ہم آنکھیں چرائیں
قابلیت میں تو ہے اس سے سوا
اس سے تو بہتر ہمارے پاس آ
جوں بھی ہے آ بیٹھ کچھ قصے سنا
عقل میں دیکھوں ہے کس معیار کا
بھیجا اس ہشیار کو پھر کام پر
بولا تن کو خوب مل حمام کر
بولا دیگر سے تو ہے عاقل بڑا
سو غلاموں جیسا ہے تو ایک کیا
تو نہیں جیسا کہ ہے ساتھی ترا
تجھ سے اس حاسد نے برگشتہ کیا

چور، بداطوار و بدصحبت کہا — تجھ کو وہ نامرد، دوں ہمت کہا
بولا سچّا اس کو پایا ہے سدا — راست گو ویسا نہ دیکھا دوسرا
نیک خوئی راستی، شرم و حیا — دینداری، علم احسان و سخا
راست گو پایا اسے بنیاد سے — جو کہے تہمت نہ بولوں میں اُسے
وہ نکو اندیش اسے ٹیڑھا کہوں؟ — ٹھیک ہے الزام اپنے سر پہ لوں
عیب شاید دیکھتا ہے وہ مرے — وہ نظر آتے نہیں آقا مجھے
عیب اپنے ہر کوئی گر دیکھ لے — وہ کبھی فرصت نہ لے اصلاح سے
لوگ سب غافل ہیں اپنے آپ سے — عیب ظاہر کرتے ہیں اغیار کے
میں نے خود دیکھا نہیں چہرہ مرا — میرا چہرہ دیکھے تو، اور میں ترا
دیکھتا ہے اپنا چہرہ جو کوئی — ہے سوا خلقت سے اس کی روشنی
گر مَرے پر بھی ہو نور اس کا بجا — دید اس کی ہوگی دیدارِ خدا
نورِ حسی کی نہیں ہوتی یہ خو — جس سے دیکھے اپنا چہرہ روبرو
بولا تو عیب اس کے بتلا مو بمو — اس نے جوں کھولا ہے تیرے عیب کو
تاکہ سمجھوں تو مرا غمخوار ہے — مملکت کے نظم میں ہمکار ہے
بولا شاہ عیب اس کے بتلاؤں سبھی — گو مرا وہ خاص اک ساتھی سہی
عیب ہیں مہر و وفا اور مردمی — اس میں سچائی، ذہانت، ہمدمی
سب سے بدتر داد اور مردانگی — مردمی بھی ایسی کہ قرباں جان بھی
حق نے پیدا کی ہیں جانیں صد ہزار — پر کہاں ان میں کرے جو جاں نثار
دیکھتے گر بخلِ جاں کرتے کہیں — بہرِ یک جاں یوں کہیں ہوتے غمیں
بخل پانی میں کرے اندھا وہی — نہر کو بہتے نہ دیکھا جو کبھی
بولے پیغمبرؐ کہ جو کر لے یقیں — اپنے بدلے کے لیے ہے یوم دیں
ایک کے بدلے میں اس کو دس ملے — ہر زماں دیگر کرم جاری رہے
ہے سخاوت اجر کی امید پر — پس عوض دیکھیں تو مٹ جاتا ہے ڈر

بخل ہے بدلوں سے رہنا بے خبر
غوطہ زن ہے شاد دیکھے جب گہر
پس نہیں ہے کوئی دنیا میں بخیل
کوئی کچھ دیتا نہیں ہے بے بدیل
ہے سخا پس آنکھ سے نے ہاتھ سے
کون جز بینا بخیلی سے بچے
عیبِ دیگر یہ کہ وہ خودبیں نہیں
اپنے حق میں ہے وہ خود ہی عیب بیں
عیب گو و عیب جو آپ اپنا ہی
نیکی سب کے واسطے خود کو بدی
بولا مدحِ یار میں جلدی نہ کر
شامل اس کی مدح میں اپنی نہ کر
لاؤں گا میں اس کو بہرِ امتحاں
ہو نہ جانا تو ملامت کا نشاں

## بادشاہ کے سامنے غلام کا اپنے دوست کی سچائی اور وفاداری و نیک باطنی کی قسم کھانا

بولا نے واللہ باللہ العظیم
مالکِ الملک و رحمٰن و رحیم
وہ خدا جس نے کہ بھیجے انبیاء
وہ نہ تھی حاجت تھا فضلِ کبریا
اس خدا نے خاک سی ناچیز سے
کیسے کیسے سورما پیدا کیے
اس سے دھو ڈالے سبھی خاکی صفات
کردیا افلاکیوں کو اس سے مات
آگ کو کرکے جدا اس نور سے
دے دیا انوار پر سبقت اسے
ایک بجلی پھر گری ارواح پر
نورِ عرفاں پائے اس سے بوالبشر
چھوٹ کر آدمؑ سے آیا شیثؑ میں
پس خلافت دی ہے آدمؑ نے انھیں
نوحؑ اس گوہر کو جس دم پا لیے
بحرِ جاں میں موتیاں برسا دیے
جانِ ابراہیم ان انوار سے
بے خطر شعلوں کے اندر گھس چلے
اس کی لہروں میں جو اسماعیلؑ تھے
پیشِ خنجر اپنا سر خود رکھ دیے
جانِ داؤدؑ ان شعاعوں سے تھی گرم
دست آہن باف میں لوہا تھا نرم
تھے سلیمانؑ شیر خواری میں ابھی
ان کے ہندسے بن گئے دیو اور پری
جھک گئے یعقوبؑ جب پیشِ قضا
چشم روشن بوسے بیٹے کی کیا
دیکھا یوسفؑ نے وہ نورِ آفتاب
ہوگئے وہ ماہرِ تعبیرِ خواب

ہاتھ میں موسیٰ کے جب آیا عصا　　ملک کو فرعون کے سر کرلیا
جب ہوا جرجیسؑ پر راز آشکار　　جان پائی کر کے صدقے سات بار
عشقِ حق کا زکریاؑ نے دم بھرا　　پیڑ کے اندر کیا جاں کو فدا
چونکہ یونسؑ نے پیا اس جام سے　　پیٹ میں مچھلی کے تھے آرام سے
مست اس کے ذوق میں یحییٰؑ چلے　　طشتِ زر میں شوق سے سر رکھ دیا
اور شعیبؑ اس کا جو دیکھے ارتقا　　اپنی آنکھیں بھینٹ کیں بہرِ لقا
محوِ شکر ایوبؑ صابر سات سال　　آفتوں میں پا کے آثارِ وصال
خضرؑ اور الیاسؑ پر جو نشہ تھا　　آبِ حیواں کی نہ کی پروا ذرا
عیسیٰؑ مریم کو جب سیڑھی ملی　　تو جگہ چوتھے فلک پر چڑھ کے لی
مصطفیٰﷺ نے پا کے وہ ملک و نعیم　　چاند کی ٹکیا کو کر ڈالے دو نیم
اک نشاں توفیق کا بوبکرؓ تھے　　ہو رہے صدیق اور یار آپؐ کے
اور عمرؓ شیدا تھے اس معشوق کے　　حق و باطل کے لیے فاروق تھے
چونکہ عثمانؓ اس عیاں کو عین تھے　　نور سے سرشار ذی النورین تھے
دُرفشاں اس نور سے تھے مرتضیٰ　　بیشۂ جاں سے ہوئے شیرِ خدا
روشن اس کے نور سے سبطین تھے　　دو گہر وہ عرش کے قرطین[1] تھے
زہر سے کی ایک نے گر جاں نثار　　دوسرے نے سر دیا مستانہ وار
راز سے سبطین جو آگاہ تھے　　گوشوارِ عرشِ ربانی ہوئے
سبطِ پاکاں وہ حسین اور وہ حسن　　گوشوار عرشِ حیِّ ذوالمنن
وہ جنیدؒ اُس فوج کی پائے مدد　　ان کے رتبے بڑھ کے ٹھہرے بےعدد
راہ پائے بایزیدؒ اُس نور سے　　نام قطب العارفیں کا پا لیے
گوشہ گیرِ کرخ، کرخی کا صلہ　　نائبی، گفتار الہامِ خدا
پور ابراہیم اسی جانب چلا　　اور سلطانِ سلاطیں ہوگیا

---

1- قرطین= گوشوارے

اور شفیقؒ اس راہ پر چل کر وہیں
ہوگئے خورشید رائے اور تیز بیں

رہزنی چھوڑی جو لی حق کی سبیل
ہوگئے مقبولِ حق حضرت فضیلؒ

بشر حافیؒ کو مبشر تھا ادب
چل دیے سوئے بیابانِ طلب

غم میں ذوالنونؒ اس کے جو دیوانہ تھے
روح کی بستی کو شکر خانہ تھے

اس کی راہ میں سر کٹائے ہیں سری
سروروں کی سروری ان کو ملی

حق کی رحمت اور رضامندی تمام
سائباں روحوں پہ ہو ان کی مدام

لاکھوں شاہان بزرگ و بانیاز
ہیں اُس عالم کی طرف سے سرفراز

رشکِ حق سے ہو رہے پنہاں تمام
ہر کوئی لیتا نہیں ہے ان کا نام

ہے قسم نورانیوں کے نور کی
جیسے ماہی بحر میں ہیں وہ سبھی

بحرِ جاں بولوں کہ جانِ بحر اسے
نامناسب نامِ نو اس کے لیے

اس کی قدرت کی قسم جس سے ہیں سب
چھلکا ہے مغز اس کی نسبت کے سبب

خوبیاں ساتھی کی، میرے یار کی
ہیں سوا سو گنا بولوں جتنی بھی

جانتا ہوں میں جو اوصافِ ندیم
تجھ کو ہو کیوں اعتبار اس کا کریم!

شاہ بولا اپنا قصہ کر بیاں
کب تلک یہ قصہ ہائے ایں و آں

کیا ہے تیرے پاس، پایا تو نے کیا
کیسے موتی بحر سے لائے بتا

مرتے دم بے سود ہوتے ہیں حواس
کیا رفیقِ دل وہ نورِ جاں ہے پاس

آنکھ میں مٹی بھرے گی قبر جب
وہ بھی ہے؟ روشن کرے جو قبر تب

جان سے ہے نور دل اے یارِ غار
یہ نہ کر باور کہ ہے وہ مستعار

ہوں گے پرزے دست پا جس وقت پر
روح کی پرواز کو ہیں بال و پَر

جانِ حیوانی نہ ہوگی تجھ میں جب
جانِ باقی کی ضرورت ہوگی تب

''کر'' نہیں 'آتا' ہے شرطِ 'بالحسن'
اس کو پہچانا ہے پیش ذوالمنن

جوہرِ انساں ہے تجھ میں یا ہے خر
ہے عرض فانی تو لے جائے کدھر

ہیں عرض روزہ نماز یہ اور کیا!
دو زمانوں میں نہیں ان کو بقا

نقل ناممکن ہے گو اعراض کی
بہر جوہر ہیں دوا امراض کی

لاتے ہیں تبدیلی جوہر میں عَرض
تاکہ ہو پرہیز سے زائل مرض

بن گیا جوہر عرضِ جو جہد سے
تھا وہاں تلخ شیریں شہد سے

کھیتی کی مٹی سے اک خوشہ اُگا
اور دوا سے طول بالوں کا بڑھا

تھا نکاح زن سے عرض اور وہ فنا
اور جوہر بچہ پیدا ہوگیا

جفتی گھوڑوں جور گدھوں کی بھی عرض
جوہر اک بچہ کا ہے اس سے غرض

یہ لگانا باغ کا بھی ہے عرض
جوہرِ میوہ کی ہے اس سے غرض

ہے عرض جو کیمیا گر نے کیا
جوہر اس سے یار کو حاصل ہوا

گھس کے چمکانا عرض ہے اے شہا!
ہے میسر اس سے جوہر کو صفا

پس نہ کہہ یہ ہے مرا اپنا کیا
اس عرض سے اپنا حاصل بھی دکھا

حمد کرنا ہے عرض، خاموش جا
ذبح کرنے سایہ بکری کا نہ لا

عقل کو جز یاس کچھ حاصل نہیں
گر کہے شاہا! عرض ناقِل نہیں

کچھ نہیں ہے غیر مایوسی شہا
گر عرض جا کر نہیں لوٹ آئے گا

ہے خیالِ خام نقل و حشر اگر
جھوٹ ہیں سب قول و افعالِ بشر

ہوتا ہے نقلِ عرض رنگِ دگر
اور ہستی میں وہ آئے گا نظر

لائق اس کے نقل ہر ایک چیز کی
جیسا گلّہ ویسا گلّہ بان بھی

ہر عرض کی حشر میں صورت دگر
ہوگی ہر صورت کی اک نوبت دگر

جانچ خود کو آیا تو بھی ہے عرض
ہے عمل جوڑے کا کوئی باغرض

دیکھ یہ گھر اور ان محلوں کا حال
تھے مہندس کے کبھی دھندلے خیال

وہ فلاں گھر ہم نے دیکھا خوب تھا
اس کا چھت، دالان و دَر ہر اک بجا

اس مہندس کی غرض اور وہ خیال
لائے جنگل سے ستونوں کو نکال

ہر ہنر کی اصل کیا سرمایہ کیا
فکر و آلات و تخیّل کے سوا

دیکھ اجزائے جہاں کو بے غرض
کچھ نہیں پائے گا ان میں جز عرض

فکر اوّل اور بعد اس پر عمل ہے یوں ہی بنیادِ عالم در ازل
فکر نے پہلے عمل سے دیکھا پھل اور بعد اس کے ہوا ظاہر عمل
ہاں عمل کرنے شجر کاری جو کی پڑھ لیا پہلے ہی حرفِ آخری
بیج، شاخیں، پتّیاں اوّل سبھی ہے غرض ان سب سے آخر میوہ ہی
پس جو ہستی مقصدِ افلاک تھی صاحبِ لولاکؐ آخر ہوگئی
نقل عرض کی یہ سبھی بحث و مقال نقل عرض کی ہیں یہ سب شیر و شغال
جملہ عالم خود غرض تھے اور کیا اور اسی معنی میں آیا ''ھل اتیٰ''
یہ عرض کس سے بنے اشکال سے اور یہ شکلیں ثمر ہیں فکر کے
یہ جہاں ہے ایک فکرِ عقلِ کُل عقل اتھاہ اور فکر ہیں گویا رُسُل
عالمِ اوّل جہانِ امتحاں عالمِ ثانی جزائے ایں و آں
ہیں شہا نوکر خیانت گر ترے وہ کہ ہیں پھانسے ہوئے اعراض کے
خدمتِ شائستہ وہ جب بھی کرے معرکے میں وہ عرض خلعت بنے
بولا شاہنشہ ''چلو یوں ہی سہی'' ہے عیاں اعراض سے جوہر کوئی؟
بولا نوکر حق نے ڈھانپا ہے انھیں نیک و بد دنیا کے تا مخفی رہیں
کیونکہ گر ہوتے عیاں اشکالِ فکر کافر و مومن نہ کرتے غیر ذکر
اور عیاں اے شاہ ہوجاتا یہیں ہوتے پیشانی پہ نقشِ کفر و دیں
بت کہیں ہوتے نہ بتگر ہی کہیں کوئی کرسکتا تمسخر بھی کہیں؟
پس قیامت ہوتی یہ دنیا نہیں حشر میں جرم و خطا ہوں گے کہیں؟
بولا شہ پاداشِ بد رکھا نہاں عامیوں سے حق نے خاصوں سے کہاں؟
پھانسنا چاہوں اگر کوئی امیر ہوں گے ناواقف نہ امرا نا وزیر
حق نے دکھلائے مجھے پاداش کار صورتیں اعمال کی ہیں آشکار
تو فشاں بتلا میں پالوں گا سبھی بادلوں میں چھپ سکے گا ماہ بھی؟
بولا کہنے سے مرے کیا فائدہ جب تمھیں ہے علم کیسا ہے، وہ کیا

بولا شہ ہے وجہِ اظہارِ جہاں
یہ کہ جو معلوم ہے ہووے عیاں
جب تلک معلوم حق پیدا نہیں
اس جہاں کو دردِ زہ ہوتا نہیں
چپ نہ بیٹھے لمحہ بھر ہرگز کبھی
کچھ تو پیدا ہووے نیکی یا بدی
ہے مسلط اس لیے یہ ذوقِ کار
تا کہ ہوجائے ترا راز آشکار
تن کا چرخہ ورنہ کیوں پائے قرار
کھینچ لائے گا تجھے دل سوئے کار
بے قراری ہے علامت جذب کی
تجھ کو بیکاری ہے گویا جاں کنی
ہے جنم کارِ دو عالم تا ابد
ہر سبب ماں ہے اثر اس کا ولد
بعدِ پیدائش اثر بھی ہے سبب
تا کرے پیدا اثرہائے عجب
سلسلہ اسباب کا جاری ہے پر
دیکھنے کو چاہیے روشن نظر
باتیں کیں اس سے مگر پہنچا کہاں
شاہ نے پایا نہ پایا کچھ نشاں
اُس کا جویا شہ کو پایا یا نہیں
ذکر ان باتوں کا کام اپنا نہیں
آ گیا حمّام سے جب وہ غلام
پاس بلوایا اسے شاہِ ہمام

## پھر اس غلام کی حالت پوچھنا

بولا دائم صحت و نعمت بتو
کتنا پاکیزہ تو خوشخو، خوب رو
کام سونپا دوسرے کو پھر دگر
ہوسکے تا دوسرے سے باخبر
مہرباں ہوکر بٹھایا رو برو
بولا اے ظلمت کے مارے چاند تو
ماہ رو، اے بال گھنگھرو مُشکبُو
نیک خو، اے نیک خو، اے نیک خو
اے دریغا گر نہ ہوتا تجھ میں وہ
باب میں تیرے فلاں کہتا ہے جو
جو بھی دیکھے گا تجھے وہ خوش رہے
دید سے ملک و جہاں حاصل اسے
بول میرے باب میں آخر شہا
اس کمینے نے تجھے جو کچھ کہا
اس نے اول دوزخی بتلا دیا
یعنی باطن میں مرض، ظاہر دوا
شہ سے جب اس کی خباثت کی سنی
ہو گیا غصہ سے بے قابو تبھی

کف بھر آیا، منہ غضب سے لال تھا
ہجو کا جذبہ بڑھا حد سے سوا

وہ کہ جو اول سے میرا یار تھا
قحط میں جوں کتّا سرگیں خوار تھا

ہجو جب کرتا چلا مثلِ جرس
شہ نے رکھا ہاتھ منہ پر کہہ کے بس

بولا واقف ہوگیا دونوں سے ہاں
گندہ تیرے یار سے منہ تجھ سے جاں

گندہ جاں اُٹھ دور بیٹھ اب تو ذرا
تو ہے محکوم اور وہ حاکم ترا

اس لیے بولے بزرگانِ جہاں
چاہیے انساں کو پاکیزہ زباں

بولے پیغمبرؐ خوشامد کی ثنا
ڈھیر پرکوڑے کے سبزہ جاننا

خوبرو ہیں ہو اگر عادت بُری
چار جَو کی نرخ بھی مہنگی بڑی

ہو اگر صورت بری عادت بھلی
نذر کر قدموں پہ گر کر جاں تری

ظاہری صورت ہے فانی بے گماں
عالمِ معنی رہے گا جاوداں

ظاہری صورت کا سودا تا کجا
ڈھونڈ باطن اس کا اور باطن پہ جا

دیکھی صورت، معنی سے تو بے خبر
گر ہے غافل لے صدف سے تو گہر

اس جہان جسم کی یہ سیپیاں
زندہ ہیں تو ہیں ز فیضِ بحرِ جاں

پر نہیں ہر ایک سیپی میں گہر
ان کے اندر دیکھ آنکھیں کھول کر

دیکھ اس میں کیا ہے اور اس میں ہے کیا
ہوتے ہیں کم یاب دُرِّ بے بہا

جائیں صورت پر تو گوہر سے بھی کوہ
ہوگا سو گنا بڑا اور پُرشکوہ

شکل پر جائیں تو دست و پا ترے
تیری آنکھوں سے ہیں سو گنا بڑے

بات یہ چھپ کر نہیں تجھ سے کبھی
قدر آنکھوں کی ہے اعضا سے بڑی

ایک اندیشہ جو دل میں جا کرے
سو جہانوں کو تہ و بالا کرے

جسمِ سلطاں دیکھنے کو ایک ہی
اس کے پیچھے صد ہزاراں لشکری

شکل و صورت بھی شہِ ذی جاہ کی
ہے برابر تابعِ فکرِ خفی

اُس کے اک اندیشے سے خلقِ جہاں
سیل کی صورت زمیں پر ہے رواں

خلق عالم گلہ و حق گلہ باں
راندن ہانکے چلاتا ہے دواں

دیکھ تو بس اک ارادہ ہے یہاں | جس سے قائم ہے ہر اک دشت جہاں
سب مکانات و سرائے اور شہر | یہ پہاڑ اور جنگلات و بحر و نہر
یہ سمندر یہ زمیں، مہر و فلک | اُس سے زندہ جیسے دریا سے سمک
پھر یہ کیسی ابلہی اے چشم کور | تن سلیماں اور اندیشہ ہے مور
دیکھنے کو کوہ لگتا ہے بڑا | بھیڑ اندیشہ پہاڑ اک بھیڑیا
یہ جہاں تجھ کو ہے پُر ہول و عظیم | تجھ پہ برق و رعد سے لرزہ و بیم
اور جہانِ فکر سے تو بے خبر | جیسے کوئی سنگ اے کم تر ز خر
عقل سے عاری ہے جیسے نقش تو | تو گدھا تجھ میں نہیں انساں کی خُو
جہلِ خالص عقل سے بیگانہ تو | تو نے پائی ہی نہیں اللہ کی بُو
جہل سے سایہ کو سمجھا تو وجود | کھیل سب تجھ کو وجود و ہست و بود
دیکھ پیدا ہے یہ آتش غیب کی | اس میں مانندِ ہوا پاکیزگی
جب تلک حل ہو نہ در جسمِ کثیف | آنکھ سے رہتی ہے چھپ کر یہ لطیف
ہے اثر اس کا بڑا وقتِ اثر | مات آگے تیشہ و تیغ و تبر
ٹھہر اس دن تک کہ یہ فکر و خیال | آئیں گے پھیلا کے آگے پَر و بال
اون کے مانند ہوں گے کوہ نرم | اور فنا ہوگی زمینِ سرد و گرم
یہ فلک ہوگا نہ تاروں کا وجود | ہوگا باقی اک خدا حیِ ودود
جھوٹ ہو یا سچ کہانی سن ذرا | بول بالا تاکہ ہو سچائی کا

## غلاموں کا مخصوص غلام پر حسد کرنا

لطف سے کوئی شہِ عالی مقام | چن لیا اپنے غلاموں سے غلام
اجرت اس کی، پاتے تھے چالیس اسیر | قدر دس فیصد نہ دیکھے سو وزیر
تھا بلند اس کا ستارہ، اس کے بخت | وہ ایاز اور شاہ جوں محمودِ وقت
اصل سے جاں شہ کی اُس کی ایک تھی | متصل اک تن سے تھی اول سے ہی

جسم ابھی ناپید تھا پیدا وہ بات — چھوڑ ان باتوں کو ہیں یہ حادثات
چشم عارف ٹھیک ہے احول نہیں — ہے نظر میں اس کی کھیتی اولیں
بوئے گندم یا کہ جَو ان کی نظر — رہتی ہے اس پر جمی شام و سحر
رحم میں ہے جو وہی جنتی ہے رات — مکر حیلے کیا ہے اک بیکار بات
خام حیلوں سے کہاں خوش ہوگا وہ — پاتا ہے تدبیرِ حق کو سر پہ جو
دام میں رہ کر بچھائے دام جو — اے قسم تیری بچے گا یہ نہ وہ
گھاس اُگے صد ہا، اُگائیں بھی تو کیا — ہوگا حاصل حق کا ہی بویا ہوا
تخم ریزی اولیں اس پر دگر — دوسری فانی ہے پہلی با ثمر
تخمِ اوّل ہی ہے کامل و کامیاب — تخمِ ثانی ہوگا بوسیدہ خراب
رکھ دے تدبیر اپنی آگے یار کے — ہے یہ تدبیر اس کی ہی تدبیر سے
ہے اہم آخر وہی حق کا کیا — پس اُگے گا اولیں بویا ہوا
راہِ حق میں جو بھی کرنا ہو کرو — چاہیے یاری اسیرِ یار ہو
نفس ہے چور اس کے دھوکے میں نہ آ — ہیچ ہے سب کارِحق کے ماسوا
اس سے پہلے کہ قیامت ہو بپا — دزدِ شب وہ خوار ہے پیشِ خدا
جو چرایا ہے فن و تدبیر سے — عدل کے دن حلقۂ گردن بنے
ہوں گی باہم جہد میں عقلیں تمام — تا بچھائیں دام حق سے ہٹ کے دام
پائیں گے خود کو بدام سخت تر — کیا ہوا کا زور اور تنکا کدھر
بات کا میری نہ آئے گر یقیں — کیا نہیں ''واللہ خیرُ الماکرین''
پوچھے گر ہستی سے پھر کیا فائدہ؟ — پوچھنے میں کیا ہے تیرا فائدہ
گر نہیں ہے اس میں کوئی فائدہ — کیوں سنوں بیکار، کیا ہاتھ آئے گا
پوچھنے میں فائدہ ہے گر یقیں — تو جہاں بے فائدہ ہوگا کہیں
گر بہت ہے پوچھنے میں فائدہ — کیوں نہ چاہے فائدہ کوئی بتا
گر بہت ہیں پوچھنے میں فائدے — یہ جہاں بے فائدہ ہے کس لیے

ہے جہاں اک جہت سے بےسوداگر — فائدے کی ہیں کئی جہتیں دگر
فائدہ تیرا ہے گو میرا نہیں — فائدے کو ہاتھ سے دینا نہیں
سود تیرا گر نہیں مجھ کو مفید — چونکہ تیرا فائدہ ہے لے مرید
میں اگر اس فائدے سے ہوں بری — سود ہے تجھ کو نہ چھوڑ اس کو کبھی
حسنِ یوسف اک جہاں کو فائدہ — گو تھا ان کے بھائیوں کو زائدہ
نغمۂ داؤد بھی کیا خوب تھا — جو تھے مرحوم ان کو نامطلوب تھا
آبِ نیل از آبِ حیواں تھا فزوں — قبطیِ منکر کے حق میں تھا وہ خوں
ہے شہیدی مومنوں کو زندگی — اور منافق کو ہلاکت جان کی
کون نعمت ہے وہ دنیا میں بتا — جس سے ہر امت کو پہنچا فائدہ
گاؤ و خر کو کیا شکر سے فائدہ — ہے ہر اک جاندار کی دیگر غذا
عارضی ہوگی غذا جس کے لیے — اس کو سمجھانا سدھانا چاہیے
جب مرض سے کوئی مٹی کھائے گا — گو سمجھتا ہو کہ ہے مٹی غذا
وہ بھلا بیٹھا ہے گر اپنی غذا — لیتا ہے قوتِ مرض میں وہ مزا
شہد چھوڑا زہر کو کھانے لگا — اُس غذا سے گھٹ کے لکڑی ہوگیا
ہے غذا انسان کی نورِ خدا — قوتِ حیوانی ہے اس کو ناسزا
لیکن علت کے سبب مجبور دل — کھا رہا ہے روز و شب وہ آب و گِل
زرد چہرہ، سست پا، دل ناتواں — اے وہ قوت آسمانی ہے کہاں؟
وہ غذا ہے خاصگانِ یار کی — حلق کھانے چاہیے نا آلہ ہی
ہے غذا سورج کی نورِ عرش سے — حاسد اور شیطاں کی دودِ فرش سے
یرزقون بہر شہیداں بولا حق — اس غذا کو منہ ضروری نے طبق
دل کہ ہر محبوب سے کھائے غذا — دل کہ ہر اک علم سے پائے صفا
صورتِ ہر آدمی جوں کاسہ ہے — آنکھ اس کے بطن کی حساسہ[1] ہے

---

1- حساسہ=ادراک کرنے والی

تو ملے جس سے بھی کھائے کچھ نہ کچھ
جس کی بھی صحبت ہو پائے کچھ نہ کچھ

دو ستارے ہوں اگر اک برج میں
لائق ہر دو اثر پیدا کریں

مرد و زن کے میل سے پیدا بشر
اور قرانِ سنگ و آہن سے شرر

خاک کا اور بارشوں کا یہ ملن
سبزیاں، میوے بھی خوشبوئیں چمن

سبز نظاروں سے تازہ آدمی
خوش دلی و خرّمی و بے غمی

جان و دل کی شادمانی سے یہاں
خامیاں ہوں دور ابھریں خوبیاں

سیر اور تفریح سے خوش ہاضمہ
بھوک میں آئے گا کھانے کا مزا

تمتمائے چہرہ خوں کے جوش سے
اس کو خورشیدِ خوشی گلگوں کرے

سرخی ہے رنگوں میں سب سے خوب تر
وہ بھی سورج سے پہنچتی ہے ادھر

اور زحل کے پاس ہوگی جو زمیں
کھار ہوگی کاشت کے قابل نہیں

کام میں قوت کا باعث اتفاق
میل سے شیطاں کے جوں اہلِ نفاق

ہیں یہ معنی چرخِ اطلس کی عطا
شان وشوکت، شان وشوکت کے بنا

خلق کی سب شان شوکت عارضی
شان ذاتی عالمِ ارواح کی

دکھ اٹھانا شان و شوکت کے لیے
شاد بربادی میں عزّت کے لیے

عارضی عزت کی خاطر تنگ حال
غم سے گردن گھٹ کے تکلے کی مثال

کیوں نہیں آتے وہاں میں ہوں جہاں
مہرِ روشن ہوں، میں عزت کا نشاں

مشرقِ خورشید ہے برجِ سیاہ
مشرقوں سے دور ہے سورج مرا

اس کا مشرق نسبتِ ذرّات سے
کام ابھرنے ڈوبنے سے کیا اُسے

ہم کہ ذرّات اس کے ہی پس ماندہ ہیں
آفتابِ دو جہاں بے سایہ ہیں

گھومتا ہے آفتاب اطراف عجب
یہ بھی ہے خود اس کے رتبہ کے سبب

شمس کو سب علم ہے اسباب کا
کٹنا رسّی کا بھی ہے اس کا کیا

میں نے لاکھوں بار امیدیں چھوڑ دیں
شمس ہی سے جانئے کیجئے یقیں

کر نہ باور، میں ہوں خوش بے آفتاب
صبرِ ماہی ہے یہ جوں بیرونِ آب

ہوں اگر نومید نومیدی مری ہے اسی سورج کی کُل کاریگری
صنع صانع سے بھلا کیوں ہو جدا غیر ہستی کیوں ہو ہستی کی غذا
ہستیوں کی ہے غذا اس باغ سے ہو براق و اسپِ تازی یا گدھے
اندھا گھوڑا لیکن ان دیکھے چرے باغ یا ردّی وہ سب کھاتے چلے
جو نہ دیکھا گھومتے دریا کبھی قبلۂ نو پائے گا وہ ہر گھڑی
نہرِ شیریں سے وہ پی کر آبِ شور کھو دیا ہے اپنی آنکھوں کا وہ نور
بحر بولے پی تو دستِ راست سے تا کہ پانی سے نظر تجھ کو ملے
ہیں عقیدے راست ظنِ راست کے وہ کہ جانے نیک و بد کی اصل سے
نیزہ گرداں ہے کہ خود ہے نیزہ تو گھومئے سیدھا گاہے، گاہے ہو دوتو
عشق شمسِ دیں سے ہم مجبور ادھر کور کو ورنہ عطا کرتے نظر
اے ضیاء الحق حسام الدین تو زود کر علاج کوری چشمی حسود
وہ خدائی سرمہ تیرا زود اثر دے کہ ظلمت کو جو ڈھا دے کھود کر
دے دوا اندھوں کو حاسد کے سوا جانے پر حاسد ہے وہ منکر ہوا
اپنے حاسد کو اگرچہ میں سہی جاں نہ دے ہو بھی جو حالِ جانکنی
وہ جو سورج سے حسد کرنے لگے سامنے سورج کے اندھا ہو رہے
کورپن ہے آہ درد لادوا دیکھو وہ گہرے کنویں میں گر پڑا
چاہے وہ خورشید ہی باقی نہ ہو پائے گا بھی وہ مراد اپنی کہو
باز وہ ہوگا جو لوٹے سوئے شاہ باز اندھا ہے جو کھودے اپنی راہ

## ویرانے میں باز کا چغدوں میں پھنس جانا

باز چغدوں میں بہ ویرانہ گرا راہ بھولا اترا ویرانے میں جا
وہ رضائے حق سے گو پُرنور تھا کور سرہنگِ قضا نے کردیا
دھول آنکھوں میں گری گم رہ گیا چغدوں کھنڈروں کے حوالے کردیا

سر پہ اس کے چغد سب ٹھونگا کیے
اس کے نازک بال و پَر نوچا کیے

درمیاں چغدوں کے آیا ولولہ
باز آیا چھیننے ہم سے جگہ

جس طرح کتّے گلی کے سب مہیب
لگ گئے وہ نوچنے حلقِ غریب

بولا چغدوں سے مجھے کیا واسطہ
ایسے ویرانے بہت سے دے دیا

میں کبھی رہنا نہ چاہوں اس جگہ
لوٹ کر جانا ہے مجھ کو سؤئے شہ

خود کو مت مارو اے چغدو بس کرو
میں چلا اپنے وطن تم ہی رہو

تم کو آبادی لگے ہے یہ کھنڈر
ساعد شہ پر ہے جا مجھ کو اُدھر

چغد بولا باز یہ ہے حیلہ گر
تم سے خالی اب کرانے کو ہے گھر

قبضہ کرلے گا گھروں پر مکر سے
گھونسلے ڈھانے کو چالاکی کرے

سیر چشمی اس کی حیلہ ہے سبھی
ہے حریصوں میں یہ بدتر لالچی

جیسے شیرہ خاک اسے ہو چاٹنے
ریچھ کو یارو کوئی دنبہ نہ دے

شاہ سے قربت کا دعویٰ ہے اسے
سادہ لوحوں کو وہ تا گمرہ کرے

خود پرندہ اور جنسِ شاہ کدھر
مت سنو، ہے عقل تھوڑی بھی اگر

ہوگا وہ جنس وزیر و شاہ ہی
لائقِ حلوا رہا لہسن کبھی

مکر وفن ہے اس نے جو کچھ بھی کہا
یہ کہ ''ہے سلطان خودجو یا مرا''

کس کو بھائے یہ عجب دیوانگی
پھانسے شیخی باز اور بھولوں کو ہی

وہ ہے ابلہ جو کوئی باور کیا
شہ کے لائق مرغِ لاغر کیوں ہوا

ایک کمتر چغد ٹھونگے مغز اگر
شاہ سے پھر دوستی اس کی کدھر

باز بولا پر بھی اک توڑیں اگر
پھول کی پتی سے بھی ماریں اگر

سارا چغدستان کردے گا تباہ
گھونسلے سارے اجاڑے گا وہ شاہ

چغد کیا شے باز بھی کوئی مجھے
ظلم کہلائے جو دل کو رنج دے

شاہ سب پستی بلندی پر کدھر
ڈھیر کردے کاٹ کر بازوں کے سر

ہیں عنایات اس کی میری پاسباں
ہے مرے پیچھے جہاں بھی ہوں وہاں

شہ کے دل میں فکر میری ہے سدا ہوگا شہ کا دل دکھی میرے بنا
چھوڑتا ہے شہ جو اڑنے کے لیے جان خوش اوپر ہے پرچانے مجھے
مثلِ خورشید و قمر میری اڑان پھاڑتا ہوں پردہ ہائے آسمان
نوریوں کا نور میری فکر سے آسماں میں درز میرے واسطے
باز میں اور مجھ سے حیران خود ہُما راز اپنے کیا بساطِ چغد کیا
تھا وہ میری وجہ سے جو شاہ نے قیدیاں آزاد لاکھوں کردیے
کرکے دو دم چغد کو باز آشنا چغدوں کو بازوں کے ہمسر کردیا
شاد اُلّو جو مری پرواز سے ہوگیا آگاہ میرے راز سے
آؤ چغدو میرا دامن تھام لو چغد سے شہباز تا کہ بن سکو
جو بھی ایسے شاہ کا ہوگا حبیب وہ کہیں بھی ہو نہیں ہوگا غریب
جس کسی کے درد کی ہو شہ دوا گرچہ ہو نالاں نہیں وہ بے نوا
میں کوئی پٹھو نہیں ہوں شاہ ہوں طبلِ شاہی ہے کہ میں واپس چلوں
ہے ندائے طبل بہر واپسی حق گواہ ہے برخلافِ مدعی
میں نہیں ہوں جنسِ شاہنشہ سے دور ہے تجلّی میں مری اس کا ہی نور
یہ نہیں ہے جنسیت از روئے ذات جنسِ آب و خاک ہے جنسِ نبات
جنسِ آتش میں ہوا کا ہے قوام جنس شامل ہے طبیعت میں مدام
جنس اپنی جنسِ شہ سے ہے جدا اس کی ہستی میں ہے بود اپنی مٹا
ہم ہوئے جس دم خفا باقی وہ فرد ہم ہیں اس کے گھوڑے کے پاؤں کی گرد
جاں گئی اس کی نشانی بھی کہاں خاک پر ہے اس کے پاؤں کا نشاں
خاکِ پا بن تا کہ رہ جائے نشاں اور بنے تاجِ سرِ گردن کشاں
تا نہ دھوکے میں رہو تم شکل سے نُقل چکھ لو قبل میری موت کے
کتنے صورت پر گئے گمرہ ہوئے دیکھے صورت حملہ حق پر کردیے
جان ہے وابستہ گرچہ جسم سے جاں کوئی مانند ہوگی جسم کے

آنکھ کی چربی میں ہے نور آنکھ کا     خوں کے قطرہ میں ہے نورِ دل چھپا
شادی گردہ میں ہے غم اندر جگر     عقل جیسے شمع اندر مغزِ سر
ناک بو کو بات کرنے کو زبان     نفس میں لہو دل میں مردی ہے نہاں
یہ تعلق ہو نہیں سکتے بیاں     عقل ہے معذور کیفیت نہاں
جانِ کُل نے جزو پر ڈالا اثر     جان نے موتی سمیٹے جیب بھر
جیسے مریمؑ جیب کی تاثیر سے     حاملہ جاں طرفہ عیسیٰؑ کے لیے
خشک و تر کا وہ کوئی عیسیٰ نہیں     وہ کہ پیدائش میں جو آتا نہیں
جانِ جاں سے حاملہ جاں ہوگئی     ایسی جاں سے حاملہ عالم سبھی
ہوگا پیدا اس سے اک دیگر جہاں     وہ گروہ دکھلائے گا محشر عیاں
تا قیامت بھی اگر گنتا چلوں     شرح سے اس حشر کی قاصر رہوں
تا قیامت اس قیامت کی اگر     شرح کرکے عاجز آؤں اے پسر
ذکرِ حق ہی اصل میں ہے یہ کلام     حرف اس کے ہیں لبِ شیریں کے دام
کیوں کرے تقصیر پھر کیوں چپ رہے     چونکہ لبیک اپنے رب سے سن سکے
یہ جو ہے لبیّک سننے کی نہیں     اس کو چکھ سکتے ہیں سر تا پا یقیں
اک مثل بتلاؤں تا اُس پر چلے     ایسی لبیک اس کا پھل پنہاں چکھے

## پیاسے کا دیوار پر سے پانی کی نہر میں مٹی کے ڈلے پھینکنا

نہر کے بازو تھی دیوارِ بلند     پیاسا اک دیوار پر تھا دردمند
پیاسا، پانی کی طلب میں زار زار     مست عاشق، بے وطن اور بے قرار
پانی سے مانع ایسے دیوار تھی     اس کو جوں ماہی تھی شدت پیاس کی
بیچ میں حائل اسے دیوار تھی     تا بہ چرخ اس کی فغانِ زار تھی
ناگہاں اک اینٹ پھینکی اندر آب     کان میں آواز پہنچی جوں خطاب
جس طرح اک یارِ شیریں کا خطاب     مستی اس آواز کی گویا شراب

سن کے پانی کی صدا وہ مبتلا / اینٹ اکھیڑے جارہا تھا برملا
دے رہا تھا پانی آواز اے تجھے / فائدہ کیا مارنے میں اینٹوں سے
بولا پیاسا ہیں مجھے دو فائدے / میں نہ دوں یہ کام اپنے ہاتھ سے
پہلا سنتی ہے مجھے آوازِ آب / یہ تو پیاسوں کو ہے مانندِ سحاب
بانگ اسرافیل جیسی ہے صدا / زندگی ہوتی ہے مردوں کو عطا
یا گرج بادل کی ہنگام بہار / جس سے باغوں میں میسر ہے نگار
جیسے درویشوں کو آوازِ زکات / قیدیوں کو جیسے پیغامِ نجات
یا کلامِ حق کہ از سوئے یمن / آتا ہو سوئے محمدؐ بے دہن
جیسے بوئے احمدِ مرسلؐ چلے / ایک عاصی کی شفاعت کے لیے
یا وہ بوئے یوسفؑ خوب و لطیف / ہووے راحتِ جانِ یعقوبؑ ضعیف
یا نسیمِ روضۂ دارالسلام / آئے عاصی کی طرف بے انتقام
آئے تانبے کو پیامِ کیمیا / اے تو دیوانہ ہے میری سمت آ
یا کہ لیلیٰ سے سنے مجنوں کلام / یا کہ بھیجے ویس[1] رامیں[2] کو پیام
فائدہ دیگر یہ ہر ایک اینٹ سے / پانی کی قربت میسر ہے مجھے
ہوتی ہے دیوار اونچی پست تر / توڑتا ہوں اینٹ جوں جوں میں اِدھر
پستیِ دیوار قربت کا سبب / میں اسے ڈھا دوں تو ہوگا وصل تب
پستی لائے اینٹوں کا یوں توڑنا / سجدہ کرنا حق سے رشتہ جوڑنا
جب تلک گردن رہے دیوار کی / جھک نہیں پائے گا کوئی سر کبھی
سجدہ ناممکن ہے بر آبِ حیات / تا نہ ہو اس جسم خاکی سے نجات
ہو اگر پیاسی کوئی دیوار پر / توڑ کر رکھ دے گا اینٹیں زودتر
جو بھی ہو گرویدۂ آوازِ آب / توڑ ڈالے گا وہ اینٹوں کا حجاب
ہوگا سن کر غرقِ مے وہ تا بہ حلق / اجنبی جو بھی سنے آوازِ بُلق

---

1- ویس (عرب کی مشہور دوشیزہ 2- رامیں (ویس کا عاشق)

ہے غنیمت دورِ آئندہ جسے مرحبا! بے باق قرض اپنا کرے
ان دنوں وہ صاحبِ قدرت رہے تندرست اور دل بھی طاقت ور بنے
اور جوانی جیسے باغ سبز و تر ہو بلازحمت میسر بار و بر
قوت وشہوت کے چشمے ہوں رواں اور زمیں سر سبز تن کی بے گماں
خانہ آباد اور اس کی چھت بلند معتدل اس کے ستون، مضبوط بند
آنکھ روشن، جسم کی قوت بجا قصر محکم، خانہ روشن، پُرفضا
ہے غنیمت یہ جوانی اے پسر اینٹ، ڈھیلے توڑ، خم رکھ اپنا سر
دورِ پیری آئے، اس سے قبل ہی مونج کی رسی ہو گردن میں تری
زور شہوت ختم ہوجائے تری فائدہ خود کو نہ یاروں کو کوئی
ابرواں دُمچی کی صورت ہوں جھکی کور پن ہو، آنکھ میں آئے نمی
گوہ کے مانند منہ سب جھرّیاں دانت خالی، ذائقہ گم، بے زباں
پشت دوہری دل بھی سُست اور رعشہ دار تن ضعیف اور دست و پا گھٹ گھٹ کے تار
راہ پر کم چارا اور گھوڑا بھی سست غم قوی دل تنگ تن بھی نا درست
خانہ ویراں کام بے ساماں ہوا جیسے نَے نالوں سے دل زنبیل تھا
''عمر ضائع، سعی باطل راہ دور نفس کاہل، دل سیہ، جاں ناصبور''
بال اجلے سر کے خوفِ مرگ سے اعضا لرزاں جیسے پتے جھاڑ کے
بے محل دن ، لنگ خر اور راہ طول کارگہ ویراں عمل سارا فضول
ہوگئے مضبوط سب تخم بدی اور قوت کھودنے کی کھو گئی

## حاکم کا ایک شخص سے کہنا کہ کانٹوں کا جھاڑ جو تو نے بویا ہے لوگوں کے راستے سے اکھاڑ دے اور اس کا عذر کرنا

جیسے خوش گفتار وہ اک مردِ سخت جس نے بویا رہ میں کانٹوں کا درخت
چلنے والوں نے اُکھڑوانے کہا اَن سنا ان کے کہے کو کردیا

دمبدم وہ خار بن بڑھتا گیا
لوگوں کے پاؤں سے خوں بہنے لگا
جامہائے خلق کانٹوں سے پھٹے
پاؤں درویشوں کے بھی زخمی ہوئے
بات وہ حاکم کے کانوں تک گئی
فعل سے اس کے ہوئی جب آگہی
جب کہا حاکم اکھڑوانے اسے
بولا ہاں کرتا ہوں مہلت چاہیے
وعدے کل کل کے وہ کرتا ہی رہا
جھاڑ جڑ سے اور بھی محکم ہوا
بولا حاکم اک دن اے بدعہد آ
کام پورا کر مرے آگے، نہ جا
بولا دوری وقت کی ہے درمیاں
بولا ڈھیل اب دیں بھلا ممکن کہاں؟
کہہ رہا تو جو 'کل' یہ جان لے
دیر اگر ہر روز یوں بڑھنے لگے
وہ درختِ بد بنے مضبوط تر
کرنے والا بوڑھا و مجبور ادھر
جھاڑ وہ کانٹوں کا قوت سے اٹھے
کرنے والا سست اور گھٹنے لگے
وہ جواں تر ہوگا اور تو پیر تر
کر تو جلدی، وقت کو ضائع نہ کر
جھاڑ کانٹوں کا ہے ہر بدخو تری
چبھ گیا کانٹا ترے پاؤں میں ہی
کام میں ہر مرتبہ نادم رہا
اور ز خود تو راہِ حیرت پر چلا
اپنی بدخو سے تو خستہ بارہا
حِس نہیں تجھ کو، تو بے حِس ہے بڑا
دوسروں کو زخم گر تجھ سے لگے
تیری بدخُلقی کے باعث ہی تو تھے
زخمِ خود سے تو نہیں غافل کبھی
تو عذاب اک خود کو بھی اوروں کو بھی
لے کلہاڑا، مار دے جڑ سے یہ جھاڑ
جوں علیؓ خیبر کا دروازہ اکھاڑ
ورنہ جوں صدیقؓ اور فاروقؓ وار
کر طریقہ دوسروں کا اختیار
یا مُلا گُلبن سے تو اس خار کو
نار سے تو جوڑ نورِ یار کو
تاکہ مارے نور تیری نار کو
اور کرے گلزار تیرے خار کو
وہ ہے مومن دوزخی تیری مثال
سرد کرنا کب ہے مومن سے محال
مصطفیٰؐ فرمائے در بابِ جحیم
پیشِ مومن وہ سراپا عجز و بیم
بولے شاہا جلد تو اس پار جا
نور تیرا آگ ٹھنڈی کردیا

پس ہلاکِ نار ہے مومن کا نور ضد بلاضد کے نہیں ہووے گی دور
نار ضدِ نور ثابت روزِ عدل قہر سے اس میں ہلاکت اس میں فضل
دفع کرنا ہے تجھے گر شرِّ نار آبِ رحمت کو تو اُس آتش پہ مار
چشمۂ رحمت ہے خود مومن کی ذات اس کی روحِ پاک ہے آبِ حیات
بھاگے اس سے نفس تیرا کیوں کہ تو آتشی ہے اور وہ از آب جو
آگ پانی سے گریزاں اس لیے کہ تباہی اس کی ہوگی آب سے
فکر بھی حس بھی تری سب آتشی حس و فکرِ شیخ جملہ نور ہی
اُس کا آبِ نور جب اس پر پڑے کرکے بھڑ بھڑ آگ غائب ہو چلے
بول چک چک پر تو اس کو مرگ و درد تا کہ تیرے نفس کا دوزخ ہو سرد
تا نہ وہ گلشن کو تیرے پھونک دے عدل کو تیرے دبانے سے رہے
اک شرارے سے ہزاروں گلستاں نام باقی ان کا ہوگا نے نشاں
فائدہ دے بعد جو بھی بووگے لالہ و نسرین و سیسن سب اُگے
پھر کشادہ راستے پر ہم چلے ہم کدھر آئے جناب اب لوٹئے
تھا بیاں یہ اے خسارے میں پڑے لنگ ہے خر دور منزل سے رہے
بوجھ بھاری اور رستے میں ہے چاہ چل نہ ٹیڑھا لے تو سیدھی شاہراہ
ہے گلے کا خار سٹھیانا ترا راہِ دریا چل ہدایت پائے گا
جو بھی تھا عاقل وہ دریا میں چلا اور عذابِ دام و آتش سے بچا
ہاتھ سے موقع گیا بے گہ ہوا مردہ ہو جا، سوئے دریا چل ذرا
یا توے پر تُو تپایا جائے گا ایسا کرتا ہے کوئی خود سے بھلا!
ایک نہر اور مچھلیوں کا واقعہ صرف عبرت کے لیے لایا گیا
جاگ جا، عبرت پکڑ، ہوجا کھڑا لطفِ حق سے پائے محنت کا صلہ
کشت کاری ہو نہ پائی دن گئے رہ گئے دن روسیاہی کے لیے
کرم خوردہ بیخ و بن ہیں جسم کے بس اکھڑوا کر جلانا چاہیے

راہ رو! اب جو بھی ہے بیگاہ ہے　　آفتابِ عمر سوئے چاہ ہے
ہے دو روزہ زورِ تن یہ بے خبر　　جلد کارِ خیر جو کرنا ہو کر
تخم باقی ہاتھ میں ہیں جو ترے　　بو بھی دے پھل پھول تا کہ پا سکے
عمر اتنی ہے سو بازی میں لگا　　تا کہ ہو عمرِ دراز اس سے عطا
تا نہ ہو گُل یہ چراغ باگہر　　ڈال روغن میں فتیلہ زود تر

## اچھے کاموں کو کل پر چھوڑنے کی آفت

ہاں نہ کہہ کل، یوں بہت سے کل گئے　　ہو نہ جائیں ختم دن تا کاشت کے
پند میری سن ہے تن بندِ قوی　　کہنہ کو کر دور، اپنا لے نوی
بند کر بکواس، دولت کو لٹا　　بُخل کو کر ترک، دکھلا دے سخا
ترکِ لذت ترکِ شہوت ہے سخا　　غرقِ شہوت رہ کے کب کوئی اٹھا؟
سروِ جنت کی ہے ڈالی یہ سخا　　حیف یہ ڈالی جو چھوٹنے سے رہا
رسّی ہے مضبوط یہ ترکِ ہوا　　جاں کو لے جائے گی بالائے سما
تا سخاوت تیری اے خوش خو تجھے　　اونچے اونچے اصل تک لے جا سکے
تو حسیں یوسف ہے دنیا تجھ کو چاہ　　اور رسّی صبر بر امرِ الٰہ
تھام دونوں ہاتھ سے یوسف رسن　　وقت نکلا جائے ہے غافل نہ بن
حمدُ للّٰہ ہے رسن لٹکی ہوئی　　شامل اس کے فضل و رحمت ہیں سبھی
تھام لے رسّی کنویں سے باہر آ　　تا کہ دیکھے بارگاہِ بادشاہ
تا کہ دیکھے عالمِ جانِ جدید　　عالم ایسا آشکار و ناپدید
یہ جہانِ نیست ہے موجود سا　　وہ جہانِ ہست ہے پنہاں شدہ
گرد ہے رقصاں ہوا کے دوش پر　　راہزن ہے در لباسِ راہبر
خاک جیسے آلہ ہے در دستِ باد　　باد عالی اور ہے عالی نژاد
خاک پر ہے چشمِ خاکی کی نظر　　آنکھ، جو دیکھے ہوا کو ہے دگر

پوست ہے وقفِ عمل گو بے فراغ — اصل عامل ہے نہاں، وہ ہے دماغ
گھوڑا ہی گھوڑے کو جانے وہ ہے یار — جانے جوں حالت سواروں کی سوار
چشمِ حس گھوڑا ہے نورِ حق سوار — جب نہ ہو راکب بھلا کیوں راہوار
دور کر گھوڑے سے اس کی خوئے بد — ورنہ اس کو بادشہ کردے گا رد
چشمِ حق سے نورِ چشم راہوار — وہ نہ ہو تو آنکھ اس کی بے قرار
گھوڑا ڈھونڈے بس چراگاہ و گیاہ — جائے کیوں اس کے سوا کوئی جگہ
نورِ حس پر نورِ حق راکب بنے — سوئے حق پھر جان یہ راغب بنے
اسپ بے راکب نہ جانے رسم و راہ — چاہیے شہ تاکہ جانے شاہراہ
سوئے حس چل، نور اس کا ہے سوار — حس پہ اس کے نور کو ہے اختیار
نورِ حس کو حق سے حاصل روشنی — کہتے ہیں نورٌ علیٰ نور اس کو ہی
نورِ حسی کی کشش سوئے ثریٰ — نورِ حق کی ہے کشش سوئے علیٰ
عالمِ محسوس ہے گھٹیل بڑا — نورِ حق بحر، عالمِ حس اوس سا
پر نہیں ہے آشکار اس کا سوار — جز بگفتارِ نکو اور یادگار
نورِ حسی ہے کثیف اور ہے گراں — ہے سواد دیدہ کے اندر نہاں
نورِ حسی تو نہ دیکھے آنکھ سے — نورِ غیبی دیکھے کیسے آنکھ سے
باکثافت بھی ہے نورِ حس نہاں — ہوگا وہ نورِ صفی کیونکر عیاں
تنکا باد غیب کہ ہاتھوں جہاں — زیرِ حکمِ غیب بے تاب و تواں
وہ اٹھائے بھی گرائے بھی کبھی — وہ بنائے بھی بگاڑے بھی کبھی
دائیں بائیں وہ اڑائے بار بار — گہ بناتے اس کو گلشن گاہ خار
گاہے دریا گہ زمیں کو لے چلے — خشک کر ڈالے کبھی وہ تر کرے
ہے قلم جنباں، نہیں ہاتھ آشکار — دوڑ میں گھوڑا، نہیں پیدا سوار
تیر ہے پرواز میں پنہاں کماں — جانیں پیدا ہیں نہیں ہے جانِ جاں
تیر مت توڑو کہ ہے وہ شاہ کا — وہ نہیں اٹکل کا، ہے جانچا ہوا

تو نے پھینکا ہی نہیں پھینکا جسے
کارِ حق برتر ہے کارِ بندہ سے

ختم کر غصّہ ترا مت توڑ تیر
خوں دکھائے غصّہ تو دیکھے جو شیر

چوم کر تو تیر لے جا پیشِ شاہ
تیرِ خوں آلودہ پر ہے خوں ترا

ہے عیاں پُرعجز و پابند و نزار
اور نہاں ہے زور ور بااختیار

ہم ہیں کس کے دام کے پھانسے ہوئے
گیند ہیں ہم کون بلّے باز کے

پھاڑتا، سیتا ہے یہ خیّاط کون؟
ہے جلاتا پھونکتا نفّاط[1] کون؟

وہ کرے کافر کبھی صدیق کو
اور کرے زاہد کبھی زندیق کو

جو ہے مخلص وہ ہے خطرے میں مدام
تا نہ ہو خالی، خودی سے وہ تمام

وہ ہے راہرو، راہزن ہیں بے شمار
وہ بچے جس کو بچائے کردگار

ہے ابھی تک آئینہ زیرِ صفا
ہے شکاری صید گیری میں لگا

جب صفا کوشی سے مخلص ہوگیا
امن پایا بڑھ کے بازی لے گیا

پھر کوئی آئینہ آہن کیوں بنے
نان کیسے گندم خرمن بنے

ہوسکا انگور پھر کچا کوئی
پک کے پھل ہوتا نہیں کچا کبھی

پختہ بن ہو جا تغیر سے تو دور
ہوجا برہانِ محقق بن کے نور

تو خودی سے چھوٹ کر برہاں بنے
جب کہے تو بندہ ہوں سلطاں بنے

گر عیان چاہے صلاح الدیں بنے
چشم بینا ہو، بصیرت بھی ملے

نورِ حق سے دیکھنے والی نظر
ہوگی مسرور ان کا جلوہ دیکھ کر

شیخ بے آلت کرے سب مثلِ حق
وہ پڑھائے بے زبانی ہر سبق

موم ان کے ہاتھ میں قلبِ انام
گاہ ذلت دین ان کی گاہ نام

نقش مومی، پرتوِ انگشتری
اور انگوٹھی کا ہے خاکی اور ہی

دل کے کہساروں میں ہے کس کی صدا
گاہ ہے خاموش گہ پُرغلغلہ

ہو جہاں بھی ہوگا وہ دانا ضرور
یہ صدا ہرگز نہ چاہوں دل سے دور

---

1- نفّاط = مشعلچی

کوہ بعضے دیتے ہیں دوتا صدا — اور بعضوں کا ہے صد تا غلغلہ
جوش زن اس کُہ سے آواز و مقال — جوں ہزاراں چشمۂ آبِ زُلال
ہوگا جب اس کیفیت سے دل تہی — ہوگا ان چشموں کا پانی خوں تبھی
فیض تھا وہ شاہِ نیک اقدام کا — لعل گویا طورِ سینا ہوگیا
عقل و جاں سے شاد سب اجزائے کوہ — سنگ سے کمتر رہے ہم اے گروہ
جاں کا اک چشمہ نہیں آتا یہ جوش — اور نہ تن ہی ہوسکا پھر سبز پوش
اس میں اب آوازِ مشتاقی نہیں — اور صفائے جرعۂ ساقی نہیں
پھاوڑا، تیشہ نہ غیرت ہی رہی — تا پہاڑ ایسا اکھیڑیں جڑ سے ہی
سایہ افگن اس پہ ہوگا ماہتاب — جذب اس میں ہوتی تابِ آفتاب
جب قیامت ڈھا رہی ہو کوہسار — کب کرے گی وہ کرم کو اختیار
اُس قیامت سے قیامت کم ہے یہ؟ — زخم گر کہیئے اُسے مرہم ہے یہ
دیکھے مرہم جو وہ ایمن زخم سے — حسن دیکھے جو بھی وہ محسن بنے
بد وہ شاداں خوب ہو جس کا حریف — ہائے وہ گل جس کا ساتھی ہو خریف
مردہ روٹی جاں سے جب گھُل مل گئی — زندہ ہوکر ہوگئی خود جان ہی
تیرہ ایندھن بن کے ساتھی نار کی — کھو کے ظلمت سربسر انوار تھی
مردہ خر کانِ نمک میں جو گرا — وہ خری اور مردگی سے ہٹ گیا
ہے خدائی رنگ والا خُم ھو — کرتا ہے یکرنگ وہ مبروص کو
جو گرے خم میں کہیں گر اس کو قُم — بولے ’’مجھ کو بد نہ بولو‘‘ خود ہوں خُم
خود کو خم کہہ کر ’اناالحق‘ کہہ دیا — آگ کے ہمرنگ پر لوہا ہی تھا
آگ سے تھا رنگ لوہے کا فنا — خاصیت سے آگ پر لب بستہ تھا
جیسے سونا تھا وہ سرخی کے سبب — دعویٰ آتش تھا گو تھے بند لب
چونکہ رنگ اور خاصیت سے آگ تھا — آگ ہوں، میں آگ ہوں کہنے لگا
’آگ ہوں‘ پھر بھی ہے گر شک اور گماں — ہاتھ لا، چھو مجھ کو، کر لے امتحاں

'آگ ہوں' گر بات ہے کچھ شبہ کی        رکھ مرے چہرے پہ چہرہ جانچ ابھی
حق سے جب کرلے گا انساں کسبِ نور        ہوں گے نوری سجدہ ریز اس کے حضور
نیز وہ بھی ہوگا مانندِ ملک        دور اس کی جان سے ہوجائے شک
اے مُشبّہ، کیا ہے آ بن آگ کیا؟        دے گا تشبیہیں بنے گا مسخرا
ذکرِ دریا کر، نہ اس میں پاؤں دھر        از سرِ دریا بہ خاموشی گزر
مجھ سے صدہا میں کہاں ہے تابِ بحر؟        پھر بھی ہونا ہے مجھے غرقابِ بحر
میری عقل و جاں دریا پر فدا        خود یہ دے گا عقل و جاں کا خوں بہا
پاؤں جب تک ساتھ دیں اس میں چلوں        ورنہ پانی پر بطخ جیسے پھروں
بے ادب غائب سے حاضر خوب تر        حلقہ ٹیڑھا ہے، پہ ہے بر جائے در
گھوم گردِ حوض اے آلودہ تن        دُھل نہ پائے حوض سے باہر بدن
پاک بھی ہو حوض سے مہجور اگر        اپنی پاکی سے بھی ہوگا دور تر
حوض کی پاکی کی حد بھی ہے کوئی؟        جسم کی پاکی ہے کم میزان کی
کیوں کہ دل بھی حوض ہے جس کے یہاں        تا بہ دریا راہ ہے اس کو نہاں
تھوڑی پاکی کو تری لازم مدد        خرچ بڑھتا ہو تو گھٹتا ہے عدد

## پانی کا ناپاکوں کو پاکی کی طرف بلانے کی مثال

بولا آلودہ کو پانی مجھ میں آ        بولا شرماتا ہوں پانی سے سدا
شرم یہ کیوں جائے گی میرے بنا؟        گندگی کیوں جائے پانی نے کہا
پانی سے آلودہ گر چھپتا رہا        مانعِ ایماں بھی کہلائے حیا
حوضِ تن سے دل مکدر ہوگیا        حوض دل سے تن مطہّر ہوگیا
گھوم اطراف حوضِ دل کے اے پسر        ہاں مگر حوضِ بدن سے کر حذر
لگتے ہیں بحرِ تن و دل اک یہاں        پر وہ اَن دیکھا ہے ان کے درمیاں
خواہ سیدھا، خواہ تو ٹیڑھا سہی        تو کھسک آگے نہ جا واپس کبھی

ہوگا پیش بادشاہاں خوفِ جاں　　صبر کب کرتے ہیں عالی ہمّتاں
شاہ جب شکّر سے شیریں تر رہا　　جانِ شیریں اس پہ ہوجائے فدا
یہ سلامت خاص تجھ کو ناصحا　　اے بہت کمزور ہے دستہ ترا
جاں ہے آتش داں مری خوش آگ سے　　بس ہے آتش خانہ بھٹی کے لیے
عشق ہے بھٹّی جلانے کے لیے　　اس سے بیگانہ جو ہے احمق رہے
بے نوائی جب ترا ساماں بنے　　موت مرجائے و جاں باقی رہے
شادمانی غم میں جب بڑھنے لگے　　تیرے باغِ جاں میں گُل سوسن اُگے
ڈر جو اوروں کو سکوں تجھ کو وہی　　پالتو دریا میں بے بس بط قوی
ہوگیا دیوانہ پھر میں اے طبیب　　ہوگیا سودائی پھر میں اے حبیب
باہنر حلقے تری زنجیر کے　　اک جنوں دیگر عیاں ہر ایک سے
دین ہر حلقہ کی ہے دیگر فنوں　　پس مجھے ہر لحظہ ہے دیگر جنوں
پس جنوں ہیں مختلف اقسام کے　　خاص کر اللہ ذوالاکرام کے
اس قدر بے قید تھی دیوانگی　　ہوگئے ناصح مرے پاگل سبھی

## دوستوں کا شفاخانہ میں ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی مزاج پرسی کے لیے جانا

حال کچھ ذوالنون کا ایسا ہوا　　ان میں تازہ ولولہ پیدا ہوا
ان کی شورش آسمانوں تک گئی　　سب کے زخموں پر نمک پاشی ہوئی
بس کہاں یہ شور تیرا، تیرہ خاک　　اور کہاں شورِ خداوندانِ پاک
عشق کی برداشت لوگوں میں نہیں　　داڑھیاں اس آگ سے کتنی جلیں
داڑھیاں ہونے لگیں جس دم صفا　　قید خانے میں انھیں ڈالا گیا
کھینچنا ممکن نہ تھا پھر بھی لگام　　آ چکے تھے تنگ گرچہ سب عوام
شاہوں کے پیشِ نظر تھا خوفِ جاں　　وہ گروہ اندھا تھا، شاہاں بے نشاں
فیصلہ رندوں کے ہاتھوں میں جو تھا　　قید میں ذوالنون کو رہنا پڑا

اک اکیلا چل دیا شاہِ عظیم        ہاتھ میں بچوں کے جوں دُرِّ یتیم
کیسا موتی، بحر قطرے میں نہاں        یا ہے سورج ایک ذرّے میں نہاں
آفتاب اک خود کو ذرہ کر دکھائے        تھوڑا تھوڑا رخ سے پردے کو اٹھائے
ذرّے میں ذرّے ہوئے روپوش سب        مست عالم نے گنوائے ہوش سب
جب قلم ہو ہاتھ میں غدار کے        کیوں نہ ہو منصور لائق وار کے
موقع جب نااہل پائیں کام کا        کیوں نہ لازم آئے قتلِ انبیاء
انبیاء سے بولی قومِ راہ گم        ہو ہمارے درمیاں منحوس تم
اہلِ ترسا کو اماں کا واسطہ        آقا جو سولی پہ لٹکایا گیا
ہیں بقول ان کے ہی مصلوب یہود        پھر امیدِ امن انہی سے کوئی سود
جب کہ دل اس شہ کا اتنا خوں ہوا        ''انت فیھم'' کا تحفظ کیوں بھلا
زرِ خالص اور زرگر کو ہے ڈر        قُلب سازوں خائنوں سے بیشتر
رشکِ بدرویاں سے یوسف درحجاب        ان کا جینا دشمنوں میں ہے عذاب
چہ میں یوسف مکر سے اخوان کے        اور حسد میں بھیڑیوں کو دے گئے
یوسفِ مصری پہ کیا گزری نہیں        بھیڑیا ہے یہ حسد اندر کمیں
باب یوسف میں وہ یعقوب حلیم        تھے حسد سے مبتلائے خوف و بیم
تا بہ یوسف گرگ آیا ہی نہ تھا        گرگ سے بدتر حسد ثابت ہوا
کرکے زخمی گرگ لایا عذر بھی        یہ کہ شامل کھیل میں تھے ہم سبھی
گرگ مکار ایسا لاکھوں میں نہیں        اس کو رسوائی ہے آخر بالیقیں
کیوں کہ آخر حاسدوں کا حشر بھی        ہو رہے گا بے گماں جوں گرگ ہی
ہوگا انجامِ سگِ مردار خوار        خوک کے مانند ہی روزِ شمار
زانیوں کا گندہ اندامِ نہاں        اور بادہ خوار کا گندہ دہاں
دل تلک پہنچے گی جو بھی گندگی        ہوگی ظاہر حشر میں محسوس بھی
جیسے جنگل ہے وجودِ آدمی        اُس سے رہ محتاط اگر ہے آدمی

ظاہر و باطن کسی کے ہوں جو اک
اس کی بخشش میں نہیں ہے کوئی شک
خوک بھی ہم میں ہزاروں بھیڑیے
نیک ہیں بد بھی ہیں سب اچھے بُرے
وہ وہی ہے جس کی خو ہے بیشتر
مِس ہو کم اور زر زیادہ ہو تو زر
گرگ خو میں ہوتا ہے گاہے بشر
گاہے یوسف چہرہ مانند قمر
سینے سے سینے کو کرتے ہیں سفر
نیک و بد کو خفیہ ہے اک رہ گزر
بلکہ انسانوں سے خود در گاؤ و خر
منتقل ہوتے ہیں علم، عقل و ہنر
ست رو گھوڑا بنے رہوار و رام
ریچھ کھیلے اور کرے بکری سلام
سیکھتے ہیں حرص انساں سے سگاں
بنتے ہیں راعی، شکاری، پاسباں
سونے والوں کی گئی کتّے میں خوٗ
خوٗ میں پل کر ہوگیا اللہ جوٗ
ہر گہ ہے سینہ میں اک طُرفہ ظہور
گہ درندہ، دیو گاہے اہلِ نور
اے عجب ہر شیرِ دست آگاہ ہے
کہ بہام سینہ پنہاں راہ ہے
آ چرا لے موتی و مرجانِ جاں
اے کم از سگ از درونِ عارفاں
چور تو پاکیزہ موتی کو چُرا
بوجھ اٹھانا ہو تو اچھا بوجھ اٹھا

## مریدوں کا جان لینا کہ ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ دیوانہ نہ تھے عمداً انھوں نے یہ صورت اختیار کی

حضرتِ ذوالنون جب زنداں چلے
پا بجولاں رہ کے بھی شاداں چلے
ہر طرف سے دوست آئے پُر ہراس
پرسشِ احوال کرنے ان کے پاس
دوست سب ذوالنون کی بابت چلے
رائے اپنی اپنی سب دینے لگے
کام یہ قصداً ہے یا حکمت کوئی
یا من اللہ اس میں ہے آیت کوئی
عقل کے دریا جو ہیں ممکن نہیں
ان سے سرزد ہوگی کم عقلی کہیں
شر سے لوگوں کے وہ زنداں کو چلے
شرم سے عقلا کی دیوانہ بنے
ست تن پرور خرد کی عار سے
چل دیے قصداً وہ دیوانہ بنے

تا کہ باندھیں، پشت پر سانٹے چلائے
ہارے لیکن بات کی تہ کو نہ جائے

تا کہ اس کی مار سے پاؤں حیات
جوں از قتیل گاوِ موسیٰ اے ثقات

زخم لختِ گاؤ سے خوش ہوسکوں
جوں قتیل گاوِ موسیٰ جی اٹھوں

جی اٹھا مردہ ز زخمِ دہرِ گاؤ
جیسے تانبا کیمیا سے زر شاؤ

مردہ جی کر کردیا اسرار فاش
اور دکھایا زمرہ خونخوار فاش

کہہ دیا کشتہ کو مارا یہ گروہ
بیج اس فتنہ کا بویا یہ گروہ

چوں کہ کشتہ ہوگا جب جسم گراں
ہوگی زندہ ہستیِ اسرار داں

اس کی جاں دیکھے بہشت و نار کو
اور وہ جانے سبھی اسرار کو

فاش دکھلائے وہ ہر خونخوار کو
اور دکھائے دامِ ہر مکار کو

ذبح کرنا گائے کو ہے لازم یہاں
تا کہ زخمِ دُم سے واپس آئے جاں

نفس کو اپنے مٹانا ہے ہمیں
تا کہ ہو جاں زندہ ہوکر ہوش میں

حد و پایاں اس سخن کی ہے کہاں
با مریداں حالِ ذوالنوں کر بیاں

## مریدوں کے درمیان حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کا حال بیان کرنا

آئے جب نزدیک ان کے وہ نفر
دی صدا ''ہشیار مت آنا ادھر''

با ادب بولے کہ ہم ہیں دوستاں
بہرِ پرسش آئے ہیں اے جانِ جاں

خیر ہے اے بحرِ عقلِ دو فنوں!
عقل پر کیوں تیری ہے بہتانِ جنوں؟

پہنچے کب سورج میں بھٹّی کا دھواں؟
مات دے عنقا کو وہ کوّا کہاں؟

حال تیرا ہم سے کیوں چھپ کر رہے؟
بول، ہم ہیں چاہنے والے ترے

دور یاروں سے نہ ہونا چاہیے
ان سے مہجوری نہ دھوکا چاہیے

راز کو پیشِ محباں لائیے
بحرِ علم و عقل آگے آئیے

راز کو اب بیچ میں لے آشہا
مت چھپا بادل میں چہرے اے مہا!

چاہنے والے ترے دل خستہ ہیں
دو جہاں میں تجھ سے ہی وابستہ ہیں

دوستوں سے راز کو پنہاں نہ کر — درمیاں لے آ تو قصدِ جاں نہ کر
یہ سخن ذوالنون نے جس دم سنا — امتحاں سے کچھ دگر رستہ نہ تھا
فحش بکنے، گالیاں دینے لگے — بولے کیا مطلب ہے اس بکواس سے
اٹھ کے پتھر ان پہ برسانے لگے — اور وہ ڈر کر سب کے سب بھاگے چلے
قہقہہ مارا، ہلایا اپنا سر — بولے یہ ہیں مہرباں درویش پر
دوست ہیں یہ؟ دوستی کا کیا نشاں؟ — رنج دے جو دوست ہو وہ دوستِ جاں
دوست پر کیوں کر گراں ہو رنجِ دوست — رنج مغز اور دوستی ہے جیسے پوست
دوست ہو تو رنج خود برداشت کر — منہ نہ موڑ اپنا تو نیکو ہے اگر
ہے نشانِ دوستی گر ہو خوشی — ابتلا، آفات کے سہنے میں بھی
دوست ہے زر اور آتش ہے بلا — زرِّ خالص آگ میں بھی ہے بھلا

## حضرت لقمان علیہ السلام کے آقا کا لقمان علیہ السلام کی ذہانت کا امتحان کرنا

شک نہیں لقمانؑ بندۂ پاک تھے — بندگی میں روز و شب چالاک تھے
سب پہ سبقت اس کو خود آقا نے دی — خوش تھا اس سے بڑھ کے فرزندوں سے بھی
کیونکہ لقمانؑ گرچہ بندہ زاد تھا — خواجہ تھا پر حرص سے آزاد تھا
شہ نے باتوں میں کہا یہ شیخ سے — مانگ کر بخشش میں کچھ تو لیجئے
شرم کیا آتی نہیں تجھ کو شہا — مجھ سے کہتا ہے کہ تو بالاتر آ
میرے دو بندے ہیں وہ دونوں حقیر — تجھ پہ وہ دونوں ہیں حاکم اور امیر
پوچھا کیا ذلت ہے دونوں سے میری — بولے غصہ دوسری شہوت رہی
بے غرض شاہی سے جو ہو شہ وہی — مہر و مہ پر غالب اس کی روشنی
عار مخزن سے جسے مخزن اسے — ہستی بھی ہستی کے دشمن کے لیے
خواجۂ لقماں بظاہر خواجہ تھا — اصل میں لقمانؑ کا خود بندہ تھا
ہے بہت کچھ الٹی دنیا میں یونہی — مول میں کم اس کے موتی خس سے بھی

کامیابی نام صحرا کا ہوا
دام ننگ و نام ان کی عقل کا

جامہ دیتا ہے پتہ اک قوم کا
عامیں ہیں جو بھی پہنتے ہیں قبا

وہ کہ جن کا کام ہے دھوکا دہی
نام اُن کا ہوگیا ہے متقی

نور بے بغض جور بری تقلید سے
ہوگی پہچان اس کی بن بولے، کیے

پہنچے اس کے قلب میں از راہِ عقل
نقد خود دیکھیں نہ ہوں پابندِ نقل

بندگانِ خاص علاّم الغیوب
وہ جہانِ جاں میں جاسوس قلوب

دل میں داخل ہوتے ہیں جیسے خیال
فاش ان پر ہوتے ہیں پوشیدہ حال

جسم میں چڑیا کے کیا ہیں برگ و ساز
رہ سکیں پوشیدہ جو از عقلِ باز

وہ کہ جو ہے واقفِ اسرار ''ھوٗ''
کیوں نہ جانے رازِ مخلوقات کو

وہ کہ چل سکتا ہو جو افلاک پر
ہوگا دشوار اس کو چلنا خاک پر

ہاتھ میں داؤدؑ کے لوہا تھا موم
موم کیا ہے اس کے آگے اے ظلوم

شکل میں بندے کے لقمانؑ خواجہ تھے
دیکھنے کو وہ اگرچہ بندہ تھے

اُن کا انجانوں میں جب ہوتا گزر
پیرہن ہوتا تھا ان کا بندے پر

خود پہن لیتے تھے پوشاک غلام
اس کو کرلیتے تھے خود اپنا امام

اس کے پیچھے ہوتے نوکر کی مثال
تا نہ جانے کوئی ان کا اصل حال

صدر پر اے بندے چل کر بیٹھ جا
میں اٹھاکر لاؤں گا جوتا ترا

مجھ پہ سختی کر مجھے گالی سنا
کر نہ کوئی پاس تو توقیر کا

ترکِ خدمت ہو تری خدمت گری
یہ تری ہوگی سفر میں نوکری

اس طرح کی بندگی آقاؤں نے
تا گمانِ بندہ ان پر ہوسکے

سیر چشم آقائی سے اس درجہ تھے
کہ خوشی کے ساتھ کار آمادہ تھے

برخلاف ان کے غلامان ہوا
بھیس میں آقاؤں کے ہیں خود نما

انکساری ہے طریقۂ خواجگی
بندہ کیا جانے سوائے بندگی

اس جہاں سے اُس جہاں تک بس یونہی
الٹی پلٹی ہی سی ہیں باتیں سبھی

جانتا تھا آقا سب حال نہاں	دیکھا تھا لقمان میں اس کے نشاں
جان کر سب کام بھی لیتا رہا	مصلحت تھی اس میں جو اس نے کیا
پہلے ہی آزاد کردیتا اسے	پر رضا لقماں کی لازم تھی اُسے
قصد یہ تھا حضرتِ لقمانؑ کا	کوئی بھی پائے نہ راز اس کا ہے کیا
کیا عجب گر بد سے سر پنہاں کرے	ہے عجب جو خود سے سر پنہاں کرے
کام رکھ پوشیدہ اپنے آپ سے	نظرِ بد سے تا سلامت رہ سکے
تو رہِ تسلیم اپنا مزد لے	بیخودی میں کیا جو چوری بھی کرے
ہے دوا افیون زخمی کے لیے	تیر باہر کھینچنے کو جسم سے
مرتے دم کرتے ہیں ٹکڑے ٹکڑے تن	درد میں وہ، جان سے خالی بدن
جب توجہ کو تیری پھیرے کوئی	کوئی شے تجھ سے چرا لی جائے گی
شے وہ اپنی جیسے رکھو گے نظر	ہو طمانیت جدھر سے چور اُدھر
اس میں رہ مشغول جو بہتر لگے	چھوڑ اس کو جو تجھے کمتر لگے
مال تاجر کا جو پانی میں گرے	ہاتھ عمدہ مال پر اس کا پڑے
مال کی کشتی جو دریا میں پھنسے	چیز جو گھٹیا ہے پھینکا اسے
ڈوبنے والی ہو کوئی شے اگر	ترک کر کم تر کو دھر لے خوب تر
بندگی سے نقدِ ایماں کو بچا	تا نہ ہو شرمندہ تو پیشِ خدا
نقد کی چونکہ نگہداری کرے	دیو غفلت حرص کو لے کر چلے

## امتحان کرنے والوں کے سامنے حضرت لقمان علیہ السلام کی بزرگی وذہانت کا ظاہر ہونا

جان کر لقماں کو آقا آپ کا	بندہ ان کے عشق میں خود بن گیا
جب بھی کچھ آتا تھا کھانے کے لیے	بھیجتا لقمانؑ کو لانے کے لیے
ہاتھ ان کا اس میں تا پہلے پڑے	تا کہ خود پس خوردۂ خواجہ کھا سکے
کھا کے جھوٹا اور مچاتا غلغلہ	جو نہ کھاتے اس کو دیتا تھا گرا

کھائے بھی تو بیدلی سے کھائے گا
ہے یہی پیوستگی بے منتہا

تحفتاً لایا گیا اک خربزہ
ہوگئے اس وقت لقماں لاپتہ

اپنے اک نوکر سے خواجہ نے کہا
جلد جا لقمان کو لے آ بلا

جوں ہی لقمانؑ آ کے بیٹھے سامنے
ہاتھ میں خواجہ نے چاقو کو لیے

خود تراشا قاش پہلے ان کو دی
کھائے اس کو شہد و شکّر سی لگی

چونکہ کھائے دی خوشی سے دوسری
سترہ قاشیں ہوگئیں کھاتے یونہی

رہ گئی اک قاش، بولا کھاؤں گا
کتنا میٹھا ہے یہ پھل دیکھوں بھلا

اس نے اتنے ذوق سے کھایا اُسے
سب کا دل للچایا کھانے کے لیے

کھایا جب تلخی سے بھڑکی آگ سی
چھالہ منہ میں، جل گیا ہے حلق بھی

اک گھڑی تلخی سے بے تاب وتواں
پوچھا پھراس سے کہ اے جانِ جہاں

کیوں کیا تو نوش ایسے زہر کو؟
لطف جانا کیسے اُس نے قہر کو؟

صبر کیسا یہ صبوری ہے کوئی
کیا تھی تیری جان ہی دشمن تری

کوئی حیلے کی نہ سوجھی کیوں تجھے
کیوں نہ بولا عذر ہے بس کیجئے

بولا تیرے دستِ نعمت بخش سے
اتنا کھایا شرم آتی ہے مجھے

شرم تھی اک تلخ تیرے ہاتھ کی
میں نہ کھاؤں، آقا واقف ہے تو ہی

میرے سب اجزا ترے انعام سے
تیرے دام و دانہ پر پل کر بڑھے

تلخ اک لے کر کروں فریاد اگر
خاک سَو راہ کی پڑے ہر عضو پر

تیرے شکر بخش ہاتھوں کا دیا
خربزہ کیوں تلخ لگ سکتا بھلا

تلخیاں لگتی ہیں شیریں پیار میں
تانبے ہو جاتے ہیں زریں پیار میں

عشق میں تلچھٹ بھی صافی ہورہے
عشق میں خود درد شافی ہورہے

پیار میں کانٹے بھی بن جاتے ہیں گُل
پیار میں سرکہ بھی ہوجاتا ہے مُل

پیار میں جوں تخت ہوگا دار بھی
پیار میں نعمت لگے گا بار بھی

قید خانہ جیسے گلشن پیار سے
اور چمن بھٹّی بغیر اس پیار کے

عشق ہو تو نار بھی بن جائے نور — عشق ہو تو دیو بھی بن جائے حور
عشق ہو تو سنگ بھی روغن بنے — موم بھی اس کے بنا آہن بنے
عشق ہو تو رنج بھی شادی بنے — غول بھی ہوگا تو وہ ہادی بنے
عشق ہو تو ڈنک بھی مانندِ نوش — عشق ہو تو شیر بھی ہو مثلِ موش
عشق سے آزار بھی صحت لگے — عاشقی میں قہر بھی رحمت بنے
عاشقی میں خار بھی سوسن لگے — عاشقی میں گھر سبھی روشن رہے
عشق ہو تو مردہ بھی زندہ بنے — اور اسی سے شاہ بھی بندہ بنے
ہے نتیجہ عقل کا یہ عشق بھی — بیٹھے کیوں اس تخت پر احمق کوئی
عقلِ ناقص عشق کو دے گی جنم؟ — ہاں جو دے بھی تو جمادی ہو بھرم
رنگ مطلوبہ وہ پتھر پر چڑھائے — یار کی آواز سیٹی میں سمائے
دانشِ ناقص نہ جانے فرق کو — لامحالہ سمجھے سورج برق کو
لعنتی فرمائے ناقص کو رسولؐ — اس کی معنی میں ہے نقصانِ عقول
جب تنِ ناقص ہے قابل رحم کے — ہے بری مرحوم لعن و طعن سے
عقلِ ناقص جو کہ بد رنجوری ہے — موجبِ لعنت ہے لائقِ دوری ہے
عقل کی تکمیل ہوسکتی ہے پر — کیا ہے تکمیل بدن ممکن ادھر
کفر ہر سرکش کا اور فرعون کا — عقل ناقص کے سبب ہے رونما
یوں تو گنجائش ہے تن کے نقص پر — بے گنہ کہلائے محرومِ نظر
چھپنے والی چیز بجلی بے وفا — جانے کیا 'باقی' و 'فانی' ہے صفا
برقِ خنداں کس پہ ہنستی ہے بتا؟ — اس پہ جو اس کی چمک میں کھوگیا
ہیں بریدہ پاؤں نورِ برق کے — اس کو کیا نسبت بھلا بے جہت سے
برق وہ جو چھین لیتی ہے نظر — نور باقی ہے سبھی نورِ بصر
جھاگ پر دریا کے گھوڑا کو چلائے — برق کی تابش میں خط پڑھنے کو جائے
حرص اتنی! عاقبت بینی نہ بھائے — اپنی عقل و دل پہ ہی خود کو ہنسائے

سوچنا انجام کی خوئے خرد | عاقبت کو نفس کر دیتا ہے رَد
نفس سے جو دب گئی وہ عقل نفس | ہے زحل سے مشتری کی مات نحس
نحس کی حالت میں بھی پھیرو نظر | نحس پر قادر جدھر ہے تو ادھر
جزر و مد کو تاڑنے والی نظر | نحس سے ہٹ کر پڑے گی سعد پر
حالِ دیگر میں وہ لائے گا تجھے | ضد سے ضد تبدیلی سے پیدا کرے
تا کہ بداعمال سے تجھ کو ڈرائے | تا تجھے لذات نیکی کی چکھائے
تا کہ تنگی میں نہ ہو تجھ کو خطر | ہو سہولت کے مزے سے بہرہ ور
تا نہ دیکھے خوفِ اہلِ مشأمہ [1] | کیا سمجھ پائے گا لطف میمنہ [2]
یک پرہ سے تا دو پر والا بنے | یک پرہ قابل نہیں پرواز کے
چھوڑ فکرِ میمنہ و میسرہ | سابقوں کے گھر میں پا لے داخلہ
چھوڑ تا میں ختم کر ڈالوں کلام | یا اجازت دے کہ کہہ ڈالوں تمام
ورنہ یہ چاہے نہ وہ کر فیصلہ | کون جانے ہے تجھے منظور کیا
ہو خلیل اللہ تا دیکھے بہ نور | آگ کے اندر وہ فردوس و قصور
بالا بالا چاند سورج سے چلے | بند دروازہ نہ تا کنڈے بنے
جوں خلیلؑ از آسمانِ ہفت مین | گزرے کہتے لا اُحبُّ الآفلین
جسم کی دنیا غلط رہ پر چلائے | جز کہ شہوت سے جو کوئی باز آئے

## بادشاہ کے خاص غلام پر غلاموں کا حسد کرنا

قصّۂ شاہ و امیراں اور حسد | بر غلامِ خاص و سلطان خرد
روک دینا ہے وہ طولانی کلام | لوٹنا ہے قصہ کو کرنے تمام
باغبانِ ملک با اقبال و بخت | جب نہ جانے امتیازِ در درخت
وہ درختِ تلخ و رد ثابت جو تھا | وہ دگر اک سات سو جیسا لگا

1- مشأمہ (بائیں جانب والے) گنہگار۔ 2- میمنہ (دائیں جانب والے) نیک۔

ان کو رتبہ میں برابر کیوں رکھے　　دور بینی سے اگر وہ کام لے
کیا ہے پہچان ان درختوں کی ثمر　　گرچہ سب یکساں ہی آتے ہیں نظر
شیخ جو ینظُرُ بنوراللّٰہ ہے　　اول و آخر سے وہ آگاہ ہے
فکرِ دنیا کے عوض بہرِ خدا　　کی انھوں نے چشم آخر بیں کو وا
جو حسد والے ہیں وہ ہیں بد درخت　　اصلیت کڑوی تو وہ ہیں شور بخت
تھے حسد کے جوش میں کف جھاڑتے　　مکر بھی کرتے تھے خفیہ طور سے
تا غلامِ خاص کی گردن اُڑے　　کیوں کہیں نام و نشاں اس کا رہے
جاں سے کیوں جا تا کہ جاں خود شاہ تھا　　حفظِ بیخ و بُن کو خود اللہ تھا
شاہ ان کے بھید سے آگہ ہوا　　جیسے بوبکر ربابیؒ چپ رہا
شہ بھی ان کے جال سے واقف وہاں　　دیکھ کر ان کو بجاتا تالیاں
کررہی ہے مکر قومِ حیلہ جو　　تا کہ دھوکا دے سکے وہ شاہ کو
شاہ وہ عظمت تھی جس کی بے کراں　　کیسے دھوکا تم سے کھائے اے خزاں
بُن رہے تھے جال اک شہ کے لیے　　سیکھی وہ تدبیر بھی خود شاہ سے
شوم وہ شاگرد جو استاد سے　　سیکھ کر خود ہمسری اس کی کرے
کون وہ استاد، استادِ جہاں　　جس کو یکساں سب عیاں ہو یا نہاں
وہ جو دیکھے نور سے اللہ کے　　سب جہاں کے پردوں کو جو پھاڑ دے
دل وہ پُر سوراخ جوں کہنہ گلیم　　پردہ داری کے لئے پیشِ حکیم
پردہ خود ہنسنے لگے با صد دہاں　　ہر دہن گویا شگاف اس کے یہاں
اور کہے استاد اس شاگرد کو　　بے وفا کتّے سے بھی بدتر ہے تو
یہ نہ کہہ استاد ہوں آہن گُسل　　تجھ سا اک شاگرد ہوں تاریک دل
تجھ میں مجھ سے کیا نہیں جان ورواں؟　　بن مرے کیوں تجھ میں یہ آبِ رواں
کارگہ دولت کی تیری میرا دل　　توڑ دے گا کیا اسے اے مبتذل
کہتا ہے چقماق گھس دوں گا اسے　　کیا نہ ہوں گے دل سے دل کو راستے

روزنِ دل سے تو پالے گا خیال — دل گواہی دے گا تیرا ہے یہ حال
چپ رہا تھا لطف سے آگے ترے — ہاں کہا ہر بات پر ہنستے ہوئے
ذوقِ صیقل سے نہیں تھی وہ خوشی — سوچ کی تیری اڑاتا تھا ہنسی
دھوکا بازی دھوکہ بازی کی جزا — توڑ پیالی، پیالہ پی ہے یہ سزا
ہوتی گر اس کی رضا کی وہ ہنسی — تجھ میں لاکھوں گُل کھلا دیتا ہے وہی
جب کرے دل کی خوشی سے وہ عمل — جان لے سورج ہے در بُرجِ حمل
اس سے دن روشن رہے آئے بہار — اور بہم ہوں گے شگوفے و سبزہ زار
لاکھوں بلبل اور لاکھوں قمریاں — چہچہائیں گے تو گونجے گا جہاں
جب خزاں جانے نہ جانے تو بہار — پھل کے پکنے کو کرے گا کیوں شمار
برگِ جاں خود تیرا ہے زرد و سیاہ — یہ نہ جانا کیسے جانے خشم شاہ
شاہ کا سورج ہے در برجِ عتاب — منہ سیاہ کرتا ہے مانند کتاب
جان دفتر ہے عطارد کے لیے — ہے سپیدی اور سیاہی جانچنے
بعد ازاں فرمان اک رنگین لکھے — عجز و سودا سے رہائی تا ملے
جیسے سبز و سرخ تحریرِ بہار — جس طرح قوسِ قزح کا اعتبار
سن اسی معنی میں پھر اک قصہ تو — پالے گا معنی سے بھی کچھ حصّہ تو

## حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعظیم کا عکس بلقیس کے دل پر حقیر ہدہد کی صورت دیکھ کر

حق کی ہوں بلقیس پر سو رحمتیں — عقل سو مردوں کی بخشی تھی انھیں
لایا ہُدہُد ایک تحریر و نشاں — چند حروف ان میں سلیماں کا بیاں
پڑھ لیے سب نکتے و معنی مگر — کی نہیں ہدہد پہ خفت کی نظر
آنکھ ہدہد پائے جان عنقا اسے — جس کو کف دل کو مگر دریا دکھے
عقل و حس کی وجہ یہ عالم دورنگ — جوں محمدؐ با ابوجہلاں بجنگ
پائے ہیں کفار احمدؐ کو بشر — کیوں نہ دیکھے وہ سوئے شقِ قمر

اپنی چشم حس پہ مٹی ڈالئے　　عقل و مذہب سے عداوت ہے اسے
حق نے چشم حس کو اندھی کہہ دیا　　بت پرست اور اپنا دشمن بھی کہا
اس نے دیکھا جھاگ دریا کو نہیں　　دیکھا حاضر کو ہی فردا کو نہیں
ان کے آگے آقا حال و فردا کا　　گنج سے پائے نہ دمڑی کے سوا
ذرّہ اس سورج کا گر لائے پیام　　ہوگا اس اک ذرّہ کا سورج غلام
بحرِ وحدت کا ہو گر قطرہ سفیر　　ہوں گے اس کے سات دریا خود اسیر
ہو اطاعت کوش مٹھی خاک اگر　　اس کے آگے آسماں رکھ دیں گے سر
خاکِ آدم تیز رو تھی حق سے تب　　اس کے آگے سرنگوں مخلوق سب
آسماں وہ کس کی خاطر پھٹ گیا　　آنکھ خاکی کے لیے ہی تھی جو وا
تھی جو تلچھٹ خاک تہہ کو چھو رہی　　پاک تھی جو عرش سے آگے گئی
وہ لطافت تھی بھلا مٹی میں کب　　کچھ نہیں ہے وہ بجز انعامِ رب
گر کرے سفلی ہوا اور نار کو　　گر بڑھائے پھول سے وہ خار کو
وہ ہے حاکم اس کو جو بھایا کیا　　وہ جو چاہے درد کو کردے دوا
مٹی پانی کو اگر علوی کرے　　راہِ گردوں کی طنابیں کھینچ دے
کس کو یہ ہمت کہ پوچھے اس سے کیوں؟　　ہوگئے کتنے جگر کوشش میں خوں
تو جسے چاہے کرے عزت عطا　　حکم خاکی کو بھی دے پرواز کا
بولے ناری کو نہیں شیطان جا　　ساتویں عالم میں مکاری چلا
بولے اے مٹی سرِ افلاک جا　　جا بلیسِ آتشی تحت الثریٰ
چار عناصر پہلی علت میں نہیں　　با تصرف ہوں ابد تک بالیقیں
کام بے علت مرے سب ٹھیک ہیں　　اے غلط! پابندِ علت کب ہوں میں
اپنی عادت وقت پر بدلاؤں گا　　دھول آگے کی میں خود بٹھلاؤں گا
بحر کو بولوں کہ جا پُر نار ہو　　آگ کو بولوں کہ جا گلزار ہو
کوہ کو دوں حکم تا ہلکا بنے　　آسماں کو حکم دوں آگے جھکے

دونوں مہر و ماہ کو کردوں بہم　　کالے بادل میں کروں دونوں کو ضم
چاہوں کردوں چشمۂ خورشید خشک　　فن سے کردوں خون کے چشمہ کو مشک
ہوں دو کالے بیل سے خورشید و ماہ　　اور کرے زیرِ جُوا ان کو الٰہ

## ”اگر پانی نیچے اتر جائے“ آیت قرآنی ”اِن اَصبَحَ مَاءُ کُم غَوُرَاً“ سے فلسفی کا انکار

پڑھ رہا تھا قاری از روئے کتاب　　بند کردوں میں اگر چشمہ کا آب
پانی گہرائی میں کر پنہاں کروں　　چشمہ کو گر خشک خشکستاں کروں
کون چشمہ کو چلائے لوٹ کر　　بن مرے بے مثل بافضل و خطر
خوار و رسوا منطقی و فلسفی　　آ گیا مکتب کی جانب اس گھڑی
اس کو بے معنی لگی وہ بات جب　　بولا لیں گے پھاوڑے سے کام تب
بیلچہ ہے، دھاردار اپنا تبر　　لائیں گے پستی سے پانی کھود کر
شیر مرد اک اس نے دیکھا شب بخواب　　مار تھپڑ دونوں آنکھیں کیں خراب
بولا دو آنکھوں کے چشموں سے شقی!　　لے تبر، لا نور آنکھوں کا ابھی
دن ہوا آنکھوں کو پایا اپنی کور　　ہوگئی آنکھوں سے غائب جوئے نور
توبہ کرتا، نالہ وہ کرتا اگر　　لطفِ حق سے نور آتا لوٹ کر
توبہ پر بھی اختیار اس کا نہ تھا　　جانے کیوں ہر مست توبہ کا مزا
اس کی بدعملی و ذوقِ کفر سے　　راہِ توبہ بند تھی اس کے لیے
ہوگیا سختی میں جیسے سنگ دل　　توبہ سے پتھر کہیں ہوگا وہ گل
ہے کوئی ایسا ز تاثیر دعا　　کوہ کو کھیتی کے قابل کردیا
باعثِ عجز و یقیں اس یار کے　　کارِ مشکل وہ جو تھے ممکن ہوئے
تھی مقوقس کو وہ آقا کی عطا　　کاشت کے قابل جو سنگستان ہوا
یوں ہی کفر اس مرد کا الٹا پڑا　　آشتی جنگ اور زر تانبا ہوا
کہربائے مسخ ثابت وہ دعا　　کھیت جو اچھا تھا سنگستان بنا

سجدہ ہر دل کے لیے آئیں نہیں — مرد رحمت سب کا حصہ ہے کہیں؟
اس کے بل پر ہاں! نہ کر جرم و گناہ — پاؤں گا توبہ کے بعد اس کی پناہ
چاہیے ہے توبہ کو سب تاب و آب — شرط دونوں، توبہ کو برق و سحاب
چاہیے میوؤں کو آتش اور آب — چاہیے اس کام کو برق و سحاب
ہوں نہ جب تک برقِ دل آبِ دوچشم — کیوں بجھے گی آتشِ تہدید و خشم
گر نہ رؤے ابر اگر بارش نہ ہو — اے پسر گر برق کی تابش نہ ہو
کیسے پھولے سبزۂ ذوقِ وصال — کیوں ہو پیدا جوششِ آبِ زلال
کب گلستاں ہوگا ہمرازِ چمن — کب کرے یاری بنفشہ و یاسمن
کب دعا کو ہاتھ پھیلائے چنار — جھاڑ کب جھومے ہوا میں سر کو مار
کب شگوفہ آستین پر لیے — زر لٹائے گا بد ایامِ بہار
لالہ کب دمکائے رخ کو مثلِ خوں — لائے گا کیسہ سے گل کب زر بروں
آئے کب بلبل بکھیرے پھول بو — آئے گی کب فاختہ کہنے کو کؤ
خاک کب کھولے گی اسرار ضمیر — ہوگا کب جوں آسماں گلشن منیر
کیسے آئی ہیں یہ پوشاکیں تمام — اپنے مالک مہرباں کے ہیں یہ کام
وہ لطافت ہے نشانِ دلربا — یہ نشانات عابدوں کا آسرا
خوش نشاں سے جس نے دیکھا شاہ کو — جب نہ دیکھا آگہی کیوں اس کو ہو
روح اس کی جس نے ہنگامِ الست — دیکھا رب کو ہوگیا بے ہوش و مست
جس نے پی ہے مے کی بو جانے وہی — کیسے جانے بو نہ چکھا جو کبھی
عقل چونکہ اونٹنی ہے گم شدہ — جوں دلالہ ہے شہوں کی رہنما
خواب میں دیکھے تو ماہِ خوش لقا — وعدہ اور ہے اک نشاں اس کی عطا
کہ تو ہوگا بارور لے لے نشاں — سامنے تیرے کل آئے گا فلاں
اک نشانی یہ کہ وہ ہوگا سوار — یک نشانی تجھ سے ہوگا ہمکنار
یک نشانی وہ ہنسے گا سامنے — وہ رہے گا دست بستہ سامنے

اک نشانی یہ کہ یہ خواب ہوس
کل کسی سے کہہ نہیں پاؤ گے بس

یہ نشانی والدِ یحییٰ کو دی
تین دن کچھ کہہ نہ پاؤ گے تم ہی

تین دن تک ہے خموشی لازمی
یہ علامت ہے ترے مقصود کی

لا نہ لب پر اس نشاں کو ہوشیار
دل ترا ہو اس سخن کا پردہ دار

تین شب تک نیک و بد کچھ نا کہے
یہ نشانِ آمدِ یحییٰ رہے

یہ نشاں بتلائے مانندِ شکر
یہ نشاں کیا ہیں سوا صدہا دگر

یہ کہ تو روئے بہ شب ہائے دراز
اور سحر گہ تو ہے سوزاں در نماز

دن ترا اس کے بنا تاریک ہے
نکلا جوں گردن تری باریک ہے

دے گا تو خیرات میں سب کچھ لٹا
دیتے ہیں پاکاں تو صدقہ مال کا

تیرا صدقہ مال و خواب و رنگِ رو
سر کٹایا ہوگیا مانندِ مؤ

کب تک آخر آگ میں مانندِ عود
تیغ کے آگے چلے مانندِ خود

ایسی ہی ناداریاں ہیں صد ہزار
عاشقوں کی خو ہے اس کا کیا شمار

حالتیں دیکھیں وہ اندر خواب کے
کئی برس خواہاں تھا تو جن کے لیے

ہوگیا دن، شب جو دیکھا تو نے خواب
اس توقع سے ترا دن کامیاب

دیکھتا ہے دائیں بائیں تو یہاں
تا کہاں ہوویں گے پیدا وہ نشاں

تو ہے لرزاں ایک پتے کی مثال
دُھن نشاں کی دن گزرنے کا خیال

دیکھے، بھاگے، کوچہ، بازار اور سرائے
جوں پریشاں کوئی گوسالہ گنوائے

خیر ہے خواجہ یہ مشقّت کیوں تری؟
جس کو کھویا ہے وہ اپنا ہے کوئی؟

بولے ہاں ہاں خیر ہے بس میری خیر
نامناسب ہے کہ جانے کوئی غیر

گر بتاؤں اک نشاں ہوجائے فوت
ہو نشاں گر فوت آئے وقتِ موت

دیکھے چہرہ جب کوئی آیا سوار
بولے وہ مت دیکھ تو دیوانہ وار

بولے ساتھی اپنا اک کھویا ہوں میں
ٹوہ میں اس کی لگا رہتا ہوں میں

تیری دولت دائمی ہو اے سوار
عاشقاں ہیں معذرت کے خواستگار

ہو طلب کے ساتھ کوشش بھی اگر　　پھر نہیں ہوتی خطا ہے یوں خبر
آ گیا ناگہ سوار نیک بخت　　اور گلے مل کر دبوچا سخت سخت
طاق میں بے ہوش ہوکر گر پڑا　　دیکھنے والوں نے مکر اس کو کہا
اس کو کیا معلوم وہ کیا جذبہ تھا　　وہ نہ جانا ہے نشانِ وصل کیا
جس نے دیکھا ہے، اسی کو یہ نشاں　　جو نہ دیکھا ہو وہ سمجھے گا کہاں
جیسے جیسے اس میں پاتا ہے نشاں　　آتی ہے اس شخص میں اک تازہ جاں
ماہیِ بے چارہ کے در پیش آب　　یہ نشاں ہیں جملہ آیاتِ کتاب
جو نشاں ہیں در وجودِ انبیاء　　ہیں خصوصاً ان کو جو ہیں آشنا
یہ سخن اپنا ادھورا رہ گیا　　کیا کروں، بیدل ہوں، خواہاں عفو کا
کون کرسکتا ہے ذرّوں کا شمار　　خاص کر دل کا خرد پر ہو جو وار
باغ کے پتّوں کا کرتا ہوں شمار؟　　جان سکتا ہوں پرندوں کی پکار؟
گن نہیں سکتا، یہ گننا ہے مجھے　　مبتلا کی رہبری کے واسطے
زحل کے بد، مشتری کے خوش صلے　　تجزیہ ان کا کوئی کیسا کرے
ان کے ہیں اثرات کیا حالات پر　　مشتری سے نفع، کیواں سے ضرر
تاکہ ہو کچھ علمِ آثارِ قضا　　لوگ جانیں سعد کیا ہے نحس کیا
وہ کہ جس کا ہو ستارہ مشتری　　ہوگا خوش پاکر نشاط و سروری
زحل والا تار ہے ہر شر سے دور　　تارہے محتاط در جملہ امور
زحل والے کو نہ دوں گر انتباہ　　آگ بے چارے کو کردے گی تباہ
بس کر اے ناداں نہ بھڑکے آفتاب　　پھونک کر رکھ دے نہ انگاروں کی تاب
پُر ستاروں سے ہے چرخ بیکراں　　دم میں نور ان کا نہ ہی باقی نشاں
کارِ نافع میں تو بس مشغول رہ　　اور دگر باتوں سے جا معزول رہ
جنبش اختر ہے کیا غیر از مرض　　رب رحمت ہی سے رکھ اپنی غرض
حکم شہ نے ذکر کا ہم کو دیا　　نور حصہ نار کے بدلے کیا

پاک ہوں بولا تمھارے ذکر سے — اور تمثیلیں نہیں زیبا مجھے
پر وہ جو ہے خوگرِ شکل و خیال — ذات کا عرفاں نہ پائے بے مثال
ذکرِ جسمانی خیالِ ناقصاں — وصفِ شاہانہ بھلا اس میں کہاں
شاہ کو بولے کہ باقندہ نہیں — ہاں! مگر وہ مدح سے آگہ نہیں

## ایک چرواہے کی دعا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انکار

دیکھا موسیٰ نے گڈریا اک براہ — کہہ رہا تھا اے کریم والے الٰہ
تو کہاں ہے تا کہ میں نوکر بنوں — تیرا جوتا سی سکوں کنگھی کروں
تو کہاں ہے تا ترا خادم بنوں — جامہ بھی سی دوں ترا، بخیہ کروں
جامہ دھوکر دوں، جوئیں بھی مار دوں — تجھ کو پینے دودھ بھی میں لاسکوں
اور اگر کوئی مرض لاحق ہوا — خویش بن کر میں ترا غم کھاؤں گا
پاؤں دابوں ہاتھ تیرے چوم لوں — تیرے سونے کی جگہ بھی جھاڑ دوں
اے خدا صدقہ کروں میں تجھ پہ جان — میرے فرزنداں سبھی اور خان و مان
گر ملے گھر کا پتہ تو میں مدام — لاؤں تجھ کو دودھ، گھی ہر صبح شام
ہاں پنیر اور لاؤں گھی کی روٹیاں — ساتھ لادوں میں دہی کی مٹکیاں
میں بنا کر لاؤں گا ہر صبح و شام — ہو مرا لانا، ترا کھانا طعام
صدقے تجھ پر بکریاں ساری مری — اے کہ تیری یاد میں زاری مری
کررہا تھا گڈریا بیہودہ بات — پوچھے موسیٰ ہے مخاطب کس کے ساتھ
''ہاں وہی جس نے ہمیں پیدا کیا — جس کی ہیں مخلوق یہ ارض و سما''
بولے موسیٰ تو بڑا خودسر ہوا — تو مسلماں کب بنا، کافر ہوا
یہ تو ہے بیہودہ گوئی کافری — منہ میں روئی ٹھونس لے بہتر یہی
کفر کی بدبو نے جگ گندہ کیا — تجھ سے دیبا دین کا گودڑ بنا
جوتا، پاتابہ تجھے لائق بجا — ان سے سورج کو بھلا کیا واسطہ

گر نہ روکے تو زبان و حلق کو — پھونک دے گی آگ ساری خلق کو
گر نہیں موجود آتش، دود کیوں — جاں سیہ اور روح ہے مردود کیوں
حاکمیت پر ہے حق کی اعتبار — ژاژ خائی سے ہے تجھ کو کیوں یہ پیار
بے خرد کی دوستی بھی دشمنی — ایسی خدمت سے تو ہے اللہ غنی
کہہ رہا ہے کس کو یہ؟ باعم و خال؟ — ہے تن و حاجت صفاتِ ذوالجلال؟
دودھ اسی کو چاہیے جو نشوونما — پہنے جوتے وہ جو ہے محتاجِ پا
گر یہ ہے بندے سے تیری گفتگو — قولِ حق ہے جس کی بابت میں ہے وہ
سقم میں تو نے مجھے پوچھا نہیں — میں جو تھا بیمار وہ تنہا نہیں
دیکھے جو میرے ذریعہ، جو سنے — ویسے کے حق میں بھی بیہودہ رہے
یہ غلط ہے پیشِ خاصانِ خدا — دل کو مارے اور عمل نامہ سیہ
مرد کو گر فاطمہ کہہ دے کبھی — گرچہ ہیں اک جنس مرد و زن سبھی
قتل و خوں پر بھی اتر آجائے وہ — صابر و خوش خو بھی گو کہلائے وہ
فاطمہ اک مدح ہے بہرِ زناں — مرد کے حق میں وہی زخمِ سناں
دست و پا ہے اپنے حق میں جب ثنا — ہے مگر ناپاکی وہ در بابِ خدا
''**لم یلد و لم یولد**'' اس کو ہے سزا — وہ ہے خالق والد و مولود کا
جسم والوں کو ولادت ایک راہ — اور جو مولود وہ ہیں جسم خواہ
جو بگڑتا، بنتا ہے وہ ہے نہیں — چاہیے حادث کو خالق بالیقیں
بند کی تم نے زباں موسیٰ مری — کر کے شرمندہ مری جاں پھونک دی
آہ کھینچی جامہ ٹکڑے کردیا — رخ بیاباں کا کیا اور چل دیا

## چرواہے کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی خفگی

وحی آئی سوئے موسیٰ از خدا — میرے بندے کو کیا مجھ سے جدا
تو تو آیا تھا ملانے کے لیے — کب روا تھا یہ جدا کرنا تجھے

ہو سکے جب تک نہ جا سوئے فراق　　بدتریں سب سے ہے میرے ہاں طلاق
ہر کسی کو اک طبیعت ہم نے دی　　ہر کسی کو اصطلاح اک وضع کی
اس کے حق میں مدح تیرے حق میں ذم　　اس کے حق میں شہد تیرے حق میں سم
اس کے حق میں نور تیرے حق میں نار　　اس کے حق میں پھول تیرے حق میں خار
اس کے حق میں نیک تیرے حق میں بد　　خوب اس کے حق میں تیرے حق میں رد
پاکی ناپاکی سبھی سے ہم بری　　سستی چستی سے سبھی سے ہم بری
کچھ غرض مجھ کو نہیں ہے سود سے　　ہے مجھے کیا کام سب پر جود سے
ہندیوں کو اصطلاحِ ہند مدح　　سندیوں کو اصطلاحِ سند مدح
ان سے پاکی مجھ کو ملتی ہے کہاں　　پاک خود ہوتے ہیں وہ اور دُرفشاں
جو ہے ظاہر ہم نہ دیکھیں گے نہ قال　　کام ہے باطن سے ہم دیکھیں گے حال
دیکھتے ہیں قلب کے اندر خشوع　　ہو نہ ہو الفاظ کے اندر خضوع
کیونکہ ہے جوہر دل اور باتیں عرض　　ہے عرض ضمنی مگر جوہر غرض
کب تلک رنگیں بیانی اور مجاز　　چاہیے ہے سوز سے ہو جائے ساز
موسیٰ وہ، آداب داناں اور ہیں　　سوختہ روحاں و جاناں اور ہیں
عاشقوں کا ہر گھڑی جلنا اصول　　باج کھنڈروں کا نہیں کرتے وصول
گر غلط بولے، غلط گو مت کہو　　خون میں تر ہو شہید، اس کو نہ دھو
خوں شہیدوں کے لیے بہتر ز آب　　مات اس غلطی کے آگے سو صواب
کعبہ میں تعینِ قبلہ ہے کہیں　　کیا ہو گر غواص کے جوتا نہیں
رہنمائی مست لوگوں کی نہ لو　　جامہ چاکوں کو رفو کی مت کہو
ملتوں سے عشق کی ملت جدا　　عاشقوں کا مذہب و ملت خدا
لعل کو ٹھپہ نہ ہو تو غم نہیں　　غم سے عاشق ہوگا کب اندوہ گیں

## حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آنا اس گڈریہ سے معذرت کے سلسلہ میں

پھر کھلے موسیٰ پہ اسرارِ نہاں — ایسے ایسے جن کا مشکل ہے بیاں
پھر دلِ موسیٰ پہ پیدا تھا سبھی — دیدن و گفتن کا عالم ایک ہی
بارہا بے ہوش اور گہ گہ بخود — اور یونہی پرواز ازل سے تا ابد
پھر بیاں اس کا کروں تو ابلہی — شرح اس کی ہے ورائے آگہی
گر کہوں میں عقل کی بنیاد ڈھائے — اور جو لکھنے جاؤں خامہ ٹوٹ جائے
گر کہوں گا شرح ہائے معتبر — تا قیامت ہے یہ بالکل مختصر
میں نے مجبوراً زباں کوتاہ کی — تو جو چاہے دل میں پڑھ لے آپ ہی
موسیٰ سن کر یہ عتاب اللہ سے — گڈریے کو ڈھونڈتے صحرا چلے
نقشِ پا کو دیکھتے دیوانے کے — خاک صحرا کی اڑاتے چل دیے
ہوتی ہے دیوانوں کی رفتار اور — چال اوروں کی الگ اطوار اور
نیچے اوپر جیسے ''رخ'' اک گام اگر — ٹیڑھا ہاتھی کی طرح گام دگر
موج کے مانند کہ اونچا علم — اور کبھی مچھلی کی صورت بر شکم
حال لکھے خاک کو تختی بنائے — اور کبھی رمّال جوں نقطے لگائے
گاہ حیراں ہو کے رُکنا گہ دواں — گیند جوں چوگاں میں غلطاں اور رواں
جاتے جاتے آخر اس کو پا لیا — بولا خوشخبری کہ آئین آگیا
کوئی آداب اور ترتیب اب کہاں — تیرے دل میں جو بھی آئے کر بیاں
کفر تیرا دین ہے، دیں نورِ جاں — امن میں تو، تجھ سے دنیا کی اماں
اے تو بخشش یافتہ اللہ سے — جا بلا کھٹکے زباں کو کھول دے
بولا اے موسیٰ میں آگے چل دیا — اب تو خونِ دل میں ہوں ڈوبا ہوا
میں تو سدرہ پار کرکے چل دیا — اور ہزاروں سال آگے چل دیا
تم نے کوڑا مارا گھوڑا مڑ گیا — پھاند کر افلاک کے اوپر چلا
اپنا ناسوتی بھی لاہوتی بنے — واہ وا یہ دست و بازو آپ کے

اپنا حال اب بھی بتا سکتا نہیں
جو بھی بولوں حال وہ اپنا نہیں

نقش آئینہ میں آتا ہے نظر
ہے تمھارا ہی نہیں نقش دگر

بجتی ہے نے نائی کی ہی پھونک سے
پھونک نے کو ہے نہیں اپنے لیے

گر کرے تو حمد حق کی ہوشیار
گڈریہ کم بخت کی سی کر شمار

حمد بہتر اپنی نسبت سے تری
حق کی نسبت سے وہ ابتر ہی رہی

حمدِ بہتر کاش بہتر نہ لگے
درد بھی وہ سوز بھی جاری رہے

کیا کہے گا؟ پردہ جب اٹھ جائے گا
''اور ہے یہ، لوں اسے سمجھا نہ تھا''

ذکر کی تسلیم کو رحمت جواز
جیسے رخصت مستحاضہ کو نماز

اس کی طاعت خون آلودہ رہی
اور تشبیہات سے پُر ذکر بھی

خون ہے ناپاک پانی سے دُھلے
اندروں لیکن نجاست ہی رہے

چاہیے آبِ لطف و فضل کردگار
دُھل نہ پائے ورنہ بطنِ مردِ کار

کاش رخ سجدوں کی جانب ہو ترا
معنی ''سُبحَان رَبّی'' جانتا

جیسے میں خود میرے سجدے ناسزا
تو برائی کی بھلائی دے جزا

حلمِ حق کا اس زمیں میں ہے اثر
لے نجاست، پھول دے اس کا ثمر

اپنے اندر وہ پلیدی کو چھپائے
اس کے بدلے میں وہ غنچے خود اگائے

دیکھے کافر میں جہاں وہ داد وجود
پست تر مٹی سے بھی جس کا وجود

اس سے پھول اور میوہ کچھ اگتا نہ تھا
جز فساد اس میں نہیں تھا کچھ صفا

بولے الٹی چال میں نے کیوں چلی
کاش ہوجاتا میں خود مٹی تبھی

خاک سے اوپر نہ اٹھنا تھا مجھے
دانہ خود مٹی میں حاصل تھا مجھے

آزمایا راہ نے وقتِ سفر
اس سفر سے میں نے کیا پایا ادھر

خاک کی جانب کشش اس کی جو تھی
کچھ نہ دیکھی آگے اپنے بہتری

پس روی لیکن تھی وجہِ حرص و آز
اس میں سچائی نہ ہی عجز و نیاز

رخ ہے بالائی کی جانب گھاس کا
ذوق افزونی، حیات و ارتقا

چوں کہ رخ اس کا زمیں کی سمت تھا　　نقص و خشکی اور خسارے میں پڑا
رخ سوئے بالا ہے تیری روح کا　　تو ترقی میں رہے گا اس جگہ
عجز سے سر ہے تیرا سوئے زمیں　　ڈوبنے والے مجھے بھاتے نہیں

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظالموں کے غلبہ کا راز پوچھنا

بولے موسیٰؑ اے کریم اے کار ساز　　عمر تیرے ذکرِ اِک دم سے دراز
آڑے ترچھے نقش اندر آب و گل　　جوں ملائک معترض ہے میرا دل
نقش ایسے پھر بنانا کس لیے　　پیڑ فتنوں کے لگانا کس لیے
ظلم کے شعلے اٹھانا کس لیے　　ساجد و مسجد جلانا کس لیے
کیوں ذخیرہ خون کا اور پیپ کا　　جوش میں لانا اسے ہے کھیل کیا؟
اس میں کچھ حکمت ہے تیری بالیقیں　　جاننے سے بڑھ کے کچھ مقصد نہیں
وہ یقیں کہتا ہے چپ رہنا بھلا　　ہے تماشے کی ہوس شورش مچا
راز فاش اپنے فرشتوں پر کیے　　شہد ایسا ڈنک کے ہمسر رہے
نور آدمؑ پر کیا تونے عیاں　　نوریوں کی مشکلیں بھی کیں بیاں
حشر یہ پوچھے ہے کیا وہ سرِّ مرگ　　اور پھل پوچھے ہے کیا وہ سرِّ برگ
سرِّ خون و نطفہ حسنِ آدمی　　پہلے ہر بیشی کے ہوتی ہے کمی
پہلے دھو دیتا ہے تختی بے وقوف　　بعد اس کے اس پہ لکھتا ہے حروف
خوں کرے دل کو وفورِ اشک سے　　بھید دل کے بعد میں اس پر لکھے
دھونے سے پہلے تو تختی دیکھ لے　　پھر اسے دفتر بنانا ہے تجھے
گھر کی جب بنیاد رکھتا ہے کوئی　　پایہ پہلے کا اکھاڑے گا وہی
کھودے لائے خاک از قعرِ زمیں　　تا کہ لائے کھینچ کر ماء معیں
پچھنے سے روتے ہیں بچے زار زار　　ان کو کیا معلوم کیا ہے سرِّ کار
مرد خود دیتا ہے زر حجام کو　　اور نوازے نوکِ خون آشام کو

ڈھوتا ہے حمال خود بارِ گراں
چھینتا ہے بار اوروں سے وہاں

بوجھ کو لڑتے ہیں جوں باہم قلی
جہد مردِ دین کی ہے ایسی ہی

جوں ہیں رحمت کا سبب مہنگائیاں
پیش رو ہیں نعمتوں کی تلخیاں

گھر کے جنت ہے جو مکروہات سے
اور دوزخ بیچ مرغوبات کے

شاخ تر ہے آگ کی جیسے اساس
سوختہ جاں کو ہے جا کوثر کے پاس

ہے مشقت میں وہ جو قیدی پڑا
لذت و شہوات کی ہے وہ جزا

ہے میسر جس کو محلوں کی فضا
وہ ہے محنت، بازیِ جاں کا صلہ

چاندی سونے میں جو یکتا ہوگیا
کسب کے دوران صبر اس نے کیا

وہ ہے جس کی جاں طبیعت سے ورے
منصبِ خرقِ سبب زیبا اسے

گھاس پانی بے سبب دیکھا ہے کیا
چشمے چشمے معجزاتِ انبیاء

یہ سبب جیسے طبیب ادراک علیل
یہ سبب کیا شمع کو جیسے فتیل

چشمِ روشن کو سبب سے کیا ہے کار
بندۂ حس تو سبب سے کر نہ عار

بیچ دے بتّی کو بہر شب چراغ
پاک سورج کو ہے ان سب سے فراغ

جا تو چھت کے واسطے گارا بنا
سقفِ گردوں کو یہ گارا کیوں بھلا

مرحبا یار اپنا خود غم سوز ہے
کٹ گئی رات اور نمایاں روز ہے

جز بہ شب چہرہ نہ دیکھے چاند کا
دردِ دل بھی جستجوئے یار کیا

ترکِ عیسیٰ کرکے خر پالا ہے تو
ہاں برونِ خیمہ سر ڈالا ہے تو

علم و عرفاں حصہ عیسیٰؑ کا رہا
جیسے عیسیٰؑ ہے کہاں، تو ہے گدھا

نالۂ خر سن تجھے رحم آئے گا
خر خری ہی تجھ سے آخر چاہے گا

رحم کر عیسیٰؑ پہ تو خر پر نہ کر
کر نہ تو خصلت کو حاوی عقل پر

چھوڑ تاکہ نفس روئے زار زار
قرض اپنی جاں کا اس سے اتار

سالہا تھا خر کا بندہ بس ہوا
خر کا بندہ اب جو واپس آگیا

''چھوڑ انھیں''، یعنی کہ بچ تو نفس سے
بعدۂ وہ عقل پہلے چاہیے

پست عقلی بھی مزاجِ خر رہی	فکر چارے کی ہے اس کو ہر کبھی
وہ خرِ عیسیٰؑ مقامِ دل لیا	خود کو داخل عقل والوں میں کیا
کیوں کہ غالب عقل تھی اور خر ضعیف	فربہ راکب سے ہوا ہے خر نحیف
اپنے ضعفِ عقل سے تو خر بہا	اور پژمردہ گدھا ہے اژدہا
گر ہے رنجیدہ تو عیسیٰؑ کے سبب	اس سے ساتھی پائے گا مت چھوڑ اب
اے مسیحِ خوش نفس اچھا ہے رنج	مار سے خالی نہیں دنیا میں گنج
کیوں ہے عیسیٰؑ تم کو دیدارِ یہود	کیوں ہو یوسفؑ تم ز اخوانِ حسود
رہ کے صبح و شام گمراہوں کے ساتھ	کرتے ہو ان کو عطا طولِ حیات
ہائے صفرائی مزاج بے ہنر	کیا ہنر سے ہوگا افزوں دردِ سر
تو وہی کر جو کرے خورشیدِ شرق	چور یا مکار کر ان میں نہ فرق
شہدِ تو ہم سر کہ در دنیا و دیں	دفعِ صفرا تا کرے سر کنگ بیں
سرکہ کرتا ہے فزوں پیچش زدہ	شہد کی مقدار اس میں تو بڑھا
ہم کو جو تھا راس وہ ہم نے کیا	ریگِ چشم آخر بڑھائے گی عُمی
تجھ کو بس سرمہ ہے زیبا اے عزیز	تجھ سے ہر ناچیز کو حاصل ہے چیز
دل ترا ان ظالموں سے جوں کباب	''اِہدِ قومی'' ہی رہا تیرا خطاب
عود کی تو کان گر ہم دیں جلا	عطر و ریحاں سے جہاں بھر جائے گا
تو نہیں وہ عود جو ہوجائے کم	جان کو تیری نہیں کھائے گا غم
عود جل جائے، یہ کانِ عود دور	باد کے حملہ سے ہے مامون نور
اے! کہ تجھ سے آسمانوں کو صفا	اے! وفا سے تیری بہتر ہے جفا
ہو جفا بھی ایک عاقل سے اگر	ہے وفائے جاہلاں سے خوب تر
لائے عاقل معرفت کو درمیاں	جاہلوں کو معرفت ہے برزباں
بولے پیغمبر عداوت عقل کی	جاہلوں کے پیار سے بھی ہے بھلی
دوستی ناداں کی کیسی دوستی	اس سے بہتر دشمنی ذی عقل کی

## امیر کا اس سونے والے کو دکھ دینا جس کے منہ میں سانپ گھس گیا

آیا، دیکھا، عاقل اک گھوڑا سوار
منہ میں سونے والے کے گھستا تھا مار

اس کی جانب دوڑتے فوری چلا
تا بچائے، ہاتھ سے موقع گیا

تھی مدد اس کو فراواں عقل کی
زور سے کوڑے لگائے ہیں کئی

خفتہ جب خوابِ گراں سے جاگ اٹھا
ساتھ کوڑے کے تھا اک راکب کھڑا

ترک نے کوڑے لگائے تھے اسے
بھاگ نکلا ہے اسی دم آپ سے

خفتہ دردِ زخم سے جلدی اٹھا
غرقِ حیرت، بولا یہ کیا ہوگیا

چوٹ گہری چوں کہ تھی اس کو لگی
اٹھ کے چھاؤں میں گیا اک جھاڑ کی

سیب بوسیدہ بہت سے تھے پڑے
بولا اے رنجور کھالے شوق سے

سیب اتنے کھالیے اس شخص نے
باہر اس کے منہ سے خود آنے لگے

چیخ اٹھا، ان دیکھے آقا کیوں بھلا؟
قصد میری جان لینے کا کیا؟

میری جاں سے تجھ کو ہے گر دشمنی
تیغ لے لے خوں بہا میرا ابھی

بد گھڑی میں میں نظر آیا تجھے
مرحبا جس نے نہیں دیکھا تجھے

بے خطا اور بے گنہ، ہے بیش و کم
ملحداں بھی یوں نہیں کرتے ستم

بات کرتا ہوں تو بہتا ہے لہو
اس کا بدلہ لے خدایا اس سے تو

وہ ملامت کررہا تھا نو بہ نو
مارتے وہ کہہ رہا تھا دوڑ تو

کوڑے کی مار اور ہوا جیسا سوار
دوڑتے گرتا تھا اوندھے بار بار

نیند، موٹا پیٹ، وہ مارا تھکا
جسم سارا اس کا زخمی ہوگیا

کھینچا تانی رات تک ہوتی رہی
پھر اسے صفراوی قے ہونے لگی

کھایا سب اچھا برا باہر پڑا
قے کے ہمرہ سانپ بھی ظاہر ہوا

اس نے دیکھا خود سے باہر مار کو
کردیا سجدہ بھی خوش کردار کو

بھدّا، موٹا سانپ کیا ظاہر ہوا
ہوگیا سب درد دکھ اس کا ہَوا

بولا تو جبریلِؑ رحمت ہے مجھے
یا خدا و صاحبِ نعمت مجھے

اے مبارک وقت! میں دیکھا تجھے
مرگیا تھا جان دی تونے مجھے

میرا متلاشی تو مثلِ مادران
میں گریزاں تجھ سے مانند خراں

بھاگے خر آقا سے از خوئے خری
آقا در پے اس کے نیکو اختری

وہ نہیں نگراں پئے سود و زیاں
تھا درندوں سے بچانا اس کی جاں

جو تجھے دیکھے مبارک دید اسے
یا اچانک آئے کوچہ میں ترے

کتنے پاکاں کرتے ہیں تیری ثنا
کس قدر بیہودہ میں نے کہہ دیا

اے شہنشاہ و امیر، آقا مرے
میں نے بولا ، جہل بولا چھوڑیے

شمہ بھر یہ حال اگر میں جانتا
باتیں بیہودہ جو کیں کرتا نہ تھا

کرتا میں بے حد ثنا اے خوش خصال
اک اشارہ بھی جو کردیتا زحال

اپنی خاموشی سے تڑپایا مجھے
چوٹیں خاموشا نہ دیں سر پر مرے

سر مرا پاگل، ہوئی گم عقل بھی
خاص یہ سرکم ہے اس میں مغز بھی

عفو کر اے خوبرو، اے خوب کار
تو کہا میرا جنوں میں کر شمار

گر ذرا بھی اس سے کہہ دیتا کہیں
پِتّا تیرا پانی ہوجاتا وہیں

مار کے اوصاف بتلاتا اگر
جاں کو تیری مار دیتا اس کا ڈر

مصطفیٰؐ بولے اگر کہہ دوں ابھی
شرح دشمن جان میں جو ہے تری

پِتّا پھٹ جائے دلیروں کا تبھی
نہ چلے رہ، ہو نہ فکر کار بھی

تاب کچھ بھی عجز کی دل میں نہ ہو
اور نہ قوت ہی صلوٰۃ و صوم کو

چوہا جوں بلی کے آگے مررہے
بھاگے بکری بھیڑیے کو دیکھ کے

حیلہ و رفتار کو میں جا نہ دوں
بن کہے خود پرورش کرتا چلوں

جیسے بو بکرِ ربابی چپ رہوں
کام جوں داؤدؑ لوہے کا کروں

تا کہ نا ممکن بھی آگے آسکے
بال و پر تا مرغ بے پر لاسکے

ہاتھ پر جب ہاتھ تھا اللہ کا
"مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ" حق نے کہا

ہاتھ لمبا ہاتھ تھا میرا یقیں
چھوڑ نکلا آسماں ہفتم

ہاتھ اوپر میرا دکھلایا ہنر
پڑھ ذرا قاری! تو "انشق القمر"

وجہ ضعفِ عقل ہی ہے یہ بیاں
شرح قدرت ہوگی ضعفا سے کہاں

جانے خود جب سر اٹھائے تو زخواب
ختم شد واللہ اعلم بالصّواب

تجھ سے کہہ دیتا اگر یہ ماجرا
جاں اسی دم تیری ہوجاتی جدا

تجھ میں کھانے کی سکت ہوتی نہ تھی
نہ ہی کوئی راہ قے کرنے کی بھی

فحش سنتا ، کام بھی کرتا رہا
"رَبِّیْ یَسِّرْ" زیر لب پڑھتا رہا

وجہ بتلانا میری عادت نہیں
چھوڑ دوں تجھ کو مجھے طاقت نہیں

کہہ رہا ہوں ہر گھڑی دردِ دروں
"اِھدِ قومی اِنّھم لا یعلمون"

سجدے کرتا وہ دکھی ہوکر رہا
اے سعادت، اے مری دولت کہا

اچھے بدلے تو خدا سے پائے گا
شکر کی طاقت کہاں سے لاؤں گا

شکر تیرا حق کو ہے آقا سزا
بے نوا میں یہ سکت مجھ میں کجا

عاقلوں کی دشمنی ہے ایسی ہی
زہر سے ان کے ہے جانوں کی خوشی

ابلہوں کی دوستی رنج و ضلال
یہ حکایت سن تو از روئے مثال

## ایک شخص کا ریچھ کی چاپلوسی اور وفا پر بھروسہ کرنا

کھینچتا تھا ریچھ کو اک اژدہا
اک جری امداد کو اس کی گیا

ہیں بہادر ہی مدد کے واسطے
جب کبھی مظلوم اک آواز دے

بانگ مظلوماں سنی جائے جہاں
رحمت حق بن کے وہ دوڑے وہاں

ہیں ستوں وہ روکنے پر اک خلل
چارہ گر وہ بہر نا دیدہ عِلل

عدل و رحمت ان میں اور وہ جملہ پیار
بے غرض مانند حق کرتے ہیں کار

کیسی یہ امداد تو فوراً کہے
ہاں غم بیچارگی کو دیکھ کے

مہربانی ہے بہادر کا شکار
درد بس دارو سے کیا ہے اس کو کار

درد جس جا ہو وہاں جائے دوا — ہے جہاں تنگی وہاں جائے نوا
ہے جدھر ڈھلوان ادھر پانی بہے — ہے جدھر مشکل ادھر ہی رَو چلے
پانی کم پی تشنگی اپنی بڑھا — نیچے اوپر سے ہوتا پانی عطا
تا کیا سیراب رب آئے خطاب — تشنہ رہ اللہ اعلم باالصواب
آب رحمت کے لیے جا پست بن — خمرِ رحمت جا کے پی اور مست بن
رحمت اندر رحمت آئے تا بسر — ایک ہی رحمت پر نہ کر بس اے پسر
زیرِ پا لے آ فلک کو اے شجاع — سن ز بالائے فلک بانگِ سماع
وسوسوں کی روئی کانوں سے ہٹا — آئے تا گردوں سے شورش کی صدا
پاک دونوں آنکھ سے کر موئے عیب — تا کہ دیکھے باغ و سروستانِ غیب
دور کر تو مغز و بینی سے زکام — تا کہ ریح اللہ ہو داخل در مشام
صفروی تپ کا نہ ہو کوئی اثر — تا کہ دنیا سے ملے رزقِ شکر
مرد ہو جا دفع نامردی کو کر — خوبرو بچے ہوں تا پیشِ نظر
تن کا کندہ جاں کے پاؤں سے ہو دور — تا کرے سیرِ چمن تو پر سرور
بخل کا طوق اپنی گردن سے اتار — بختِ نو تا چرخ سے ہو جلوہ بار
بے بسی میں لطفِ رب ہو در نظر — عجز اپنا چارہ گر کو پیش کر
زاری وہ گریہ بڑا سرمایہ ہے — رحمت کلی قوی تر دایہ ہے
دایہ و مادر بہانہ جو بڑے — دیکھیں تا کب بچہ وہ رونے لگے
حق کے آگے کارگر ہے یہ دعا — جوش شیرِ مہر اس کا پائے گا
ہاؤ ہُو لائیں گے ابرِ شیر بار — غم میں اک ساعت جو ہر صبر وقرار
آسماں میں رزق ہے، تم نے سنا — پھر چمٹنا خاک سے کب ہے روا
ترس و نومیدی چھلاوے کی صدا — عالمِ بالا سے آئی وہ صدا
ہر صدا جس سے ہو غلبہ حرص کا — بھیڑیے درندہ کی ہے وہ صدا
اس بلندی میں نہیں رفعِ مکاں — اس بلندی میں ہے رفع عقل و جاں

ہے اثر سے یہ سبب ہی اوج پر سنگ و آہن بر تر از اوجِ شرر
اک جو ہے سرکش سے بازی لے گیا دیکھنے میں یوں تو ہم پہلو لگا
ہے شرف کی وجہ بالا وہ جگہ صدر سے دوری ہے بے وقعت بجا
سنگ و آہن ہیں جو اول کس لیے ہیں عمل میں دونوں فائق اس لیے
ہیں شرارے اپنے مقصد کے لیے لو ہے پتھر سے بھی آگے چل پڑے
سنگ و آہن اول و آخر شرر تن یہ دونوں جان چوں اندر شرر
اعتبارِ وقت سے آخر شرر وصف میں دونوں سے ہے برتر شرر
شاخ پہلے بعد میں ہے گو ثمر شاخ سے ارفع رہا اس کا ثمر
جھاڑ سے مقصود ہے چوں کہ ثمر اس لیے پہلے ثمر بعد از شجر
قصہ پھر لو اژدہے اور ریچھ کا ذکر معنی و مجازی طول تھا
اژدہے سے ریچھ فریادی جو تھا مرد نے اس سے رہا اس کو کیا
تھا سہارا مردی و تدبیر کا مار ڈالا مرد نے وہ اژدہا
اژدہے کو باندھا ہے تدبیر سے ریچھ تا بچ کر ہلاکت سے رہے
اژدہے میں حیلہ گم بس زور تھا حیلہ پر حیلہ ادھر تھا دوسرا
مکر کے عادی بہت سے درمکیں مکر میں افضل وہ خیرالماکرین
دیکھ لی تدبیر بس چل لوٹ کر آیا ہے جس سمت سے چل پھر ادھر
پستیوں میں سب ہے اوپر کی عطا رکھ بلندی پر نظر، ہشیار جا
ہے بلندی سے نظر کی روشنی پہلے بہرِ امتحاں ہے تیرگی
روشنی سے چشم کو عادی بنا گر نہیں خفاش جا آنکھیں ملا
دیکھے آخر خود نشانِ نور ہے شہوت حاضر حجابِ سور ہے
کھیل دیکھے عاقبت بیں نے کئی وہ نہیں ویسا سنا جو ایک ہی
دیکھا اک کھیل اس نے مغرور اس قدر ماہروں سے بھی رہا وہ دور تر
خود کو پایا باہنر جوں سامری اس نے کی موسیٰ سے کبر و سرکشی

سیکھ کر موسیٰ سے خود اپنا ہنر
پھیر لی اپنے معلم سے نظر
موسیٰ نے بازی دکھائی دوسری
پس اسی بازی سے اس کی جاں گئی
کتنی عقلیں دوڑتی ہیں تازہ تر
سروری ملتی نہیں جاتا ہے سر
پاؤں بن جاتا سلامت سر رہے
شیخ کی مرضی پہ چلنا ہے تجھے
شاہ ہوگا اس سے پر اوپر نہ جا
شہد ہو بھی قند اس کی چن کے کھا
فکر تیری نقش اس کی فکرِ جاں
نقد تیرا کھوٹا اس کا نقد کاں
اس کی ہستی میں تلاش اپنی تو کر
فاختہ جا اپنی کو کو کر ادھر
سر نہیں گر خدمتِ ہم جنس کا
ریچھ بن، جا در دہانِ اژدہا
ناگوارا ہو اگر قندِ رضا
ریچھ بن، جا در دہانِ اژدہا
شیخ کوئی تا کرے تجھ کو رہا
سر سے شاید ٹال دے خطرہ ترا
تجھ میں گر قوت نہیں کر عاجزی
کور ہے تو چھوڑ اپنی سرکشی
ریچھ سے بد تر تو نالہ کیا کرے
ریچھ نالہ کرکے چھوٹا درد سے
اے خدا اس سنگ دل کو موم کر
دکھ سے اس کو شاد اور مرحوم کر

## اندھے بھکاری کا لوگوں سے کہنا کہ میں دو طرح کور ہوں

اندھا تھا اک کہتا تھا جو الاماں
کور ہوں دو طرح اے اہلِ جہاں
ہوں دوگنا رحم کا طالب یہاں
کیوں کہ ہوں دو کوریوں کے درمیاں
لوگ کہتے تھے تعجب سے مگر
بات ان دوکوریوں کی صاف کر
کیوں کہ اک کوری ہے ہم پر فاش تر
بول کیا ہے وہ تری کوری دگر
بھدی ہے آواز اور میں بدنوا
بھدی آواز اور کوری ہے دونا
میری بھدی بانگ خود ہے وجہِ غم
رحم کو لوگوں کے کر ڈالی ہے کم
میری زشت آواز جاتی ہے جہاں
وجہِ کینہ و عفو اور غم ہے وہاں
رحم دہرا اپنا دو کوری پہ ہو
ناقبولے گو سمائی کچھ تو دو

زشتیِ آواز اس سے گھٹ گئی رحم پر خلقت ہوئی یک دل سبھی
بات کرتے ہوگئی اچھی صدا پس صلہ آوازِ دل کا پالیا
جس کی آوازِ دل بھی بد رہی تہری محرومی سدا کی ہوگئی
دینے والے وہ جو بے علت بھی دیں اس کے سر پر ہاتھ ممکن ہے رکھیں
ہوگئی مرحوم جب اس کی صدا موم جیسا سنگدل کا دل ہوا
نالۂ کافر ہے مانندِ شہیق وہ نہیں راہِ اجابت کی رفیق
انتباہ آواز بد کو دور جا! مستِ خونِ خلقِ جوں کتّا پڑا
ریچھ کا نالہ تھا رحمت کو بجا نالہ نا خوش تھا مگر ویسا نہ تھا
بھیڑیا پن ساتھ یوسفؑ کے کیا بے گنہ کا خون پھر تونے پیا
کرنا ہے تے تو بہ کرنا ہے تجھے زخم کہنہ ہوگیا جا داغ دے
بھیڑیا پن چھوڑ اے روباہِ پیر لے مدد حق کی وہ ہے نعم النصیر

## ریچھ اور اس بے وقوف کی حکایت جس نے ریچھ کی وفا کا بھروسہ کیا

ریچھ زد سے اژدہے کی بچ گیا مرد کی مردانگی دیکھا بجا
جو سگِ اصحابِ کہف وہ ریچھ زار ہوگیا اس مرد کا خود یارِ غار
تھک کے لیٹا جب زمیں پر آدمی بن گیا اس کا نگہباں ریچھ بھی
جانے والا خیریت پوچھا کوئی پوچھا ہے تیرا کوئی یہ ریچھ بھی
اژدہے کا قصہ سن کر وہ کہا بولا ناداں ریچھ سے مت دل لگا
دوستی نادان سے بدتر دشمنی دور کرنے اس کو کر حیلہ کوئی
سوچا واللہ بغض سے اس نے کہا ریچھ میں ورنہ ہے عالم پیار کا!
پیار نادانوں کا دھوکا ہے بڑا پیار سے اس کے حسد میرا بھلا
ریچھ کو کر ترک میرے ساتھ آ ساتھ بہتر ہر طرح ہم جنس کا
بولا اے حاسد تو جا کام اپنا کر یہ مری قسمت تو پائے گا کدھر

میں نہ ہوں گا ریچھ سے کم اے شریف / چھوڑ اسے تو تا بنوں تیرا حریف
فکر سے تیری ہے دل لرزاں مرا / ریچھ کے ساتھ ایسے جنگل میں نہ جا
خواہ مخواہ لرزاں نہیں ہے دل مرا / شوق واللہ کب ہے مجھ کو ڈینگ کا
میں ہوں مومن ہے نظر نورِ الٰہ / بچ کے رہ اس سے یہ ہے آتش کدہ
کب مری بات اس کے کانوں میں گئی / بد ظنی دیوار سی حائل رہی
ہاتھ پکڑا اس نے کھینچا اس نے ہاتھ / میں چلا بولا، نہیں دیتا جو ساتھ
بولا جا، ہرگز تو میرا غم نہ کھا / غیب دانی تیری ہے بکواس جا !
میں ترا دشمن نہیں پھر سے کہا / لطف دیکھے پیچھے گر تو آئے گا
بولا، مجھ پر نیند کا غلبہ ہے جا / مان لے کہنا تو اپنے یار کا
تا کہ دانا کی پناہ میں سو سکے / تا ہو بازو دوست صاحب دل ترے
ہوگیا شک مرد کے اصرار پر / غصہ ہوکر پھیرا رخ سمتِ دگر
جان کا دشمن ہے خونی ہے کوئی / یا بھکاری، لالچی، بھنگی کوئی
شرط باندھی ہوگی یاروں میں کہیں / تا کہ چھوڑوں ڈر کے اپنا ہم نشیں
ہوگا مہرِ یار پر اس کو حسد / یوں جو میرے باب میں کرتا ہے ضِد
بد دماغی سے نہیں آیا کبھی / اس کے دل میں ہے خیالِ نیک بھی
ریچھ پر ہی سب گمانِ نیک تھا / وہ بھی تھا ہم جنس شاید ریچھ کا
بدگماں، نادان تھا نا اہل تھا / بدنصیبی سے مطیع جہل تھا
بد سرشت و خود سر و خوارِ ابد / گمراہ و مغرور و کور و خوار و بد
ریچھ کو ترجیح بر صاحب کمال / روسیہ، لاحاصل و فاسد خیال
کی سگی تہمت جو عاقل پر دھرا / ریچھ اسے تھا لائقِ مہر و وفا

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بچھڑے کو پوجنے والے سے فرمانا کہ تیری وہ سمجھ اور پختگی کدھر گئی

ایک وہمی سے یہ موسیٰؑ نے کہا / ایسی بدبختی سے تو گمرہ ہوا
سو گماں تجھ کو نبوت پر مری / تھیں دلیلیں اور حسنِ خلق بھی

تو نے لاکھوں معجزے دیکھے یہاں — بڑھ گئے دل میں ترے شک و گماں
وہم اور وسواس مجبوری تری — طعنہ زن ہے تو نبوت پر مری
گرد دریا سے اڑائی میں نے ہاں — تم سے رد ہو تا شرِ فرعونیاں
آسمانی خواں چلا چالیس سال — پانی پتھر سے بہا دیکھا وہ حال
لکڑی میرے ہاتھ کی نر اژدہا — آب عدو کے واسطے خوں ہوگیا
مار عصا، میری ہتھیلی آفتاب — عکس سے میرے ہوا سورج شہاب
کیسے کیسے معجزے دیکھا کیا — پر نہ کم تیرا توہم ہوسکا
جادو سے بچھڑے نے دی ہے جب صدا — تو خدا کہہ کر اسے سجدہ کیا
وہم تیرے ہوگئے سیلاب برد — تیری ٹھنڈی زیرکی بھی خواب برد
تھا نہ بدظن باپ میں کیوں اس کے تو — سجدہ اس کو کیوں کیا اے زشت رو
اس کی مکاری کو تو جانا نہیں — پھانسے ناداں اس نے پر دیکھا نہیں
سامری ناکارہ کی ہستی کہاں! — تا کرے پیدا خدا اندر جہاں
اس کی مکاری میں سب یک دل ہوئے — اور سب اشکال سے عاطل ہوئے
جب بنے ہے لاف میں بچھڑا خدا — کیوں رسالت پر مری جھگڑا کیا
تو خری سے سجدہ بچھڑے کو کیا — عقل سحرِ سامری میں کھودیا
بند کیں آنکھیں زنورِ ذوالجلال — جہل وافر ہے یہی عینِ ضلال
عقل پُرتف، اس پہ بھی جس کو چنا — قتل کانِ جہل کو موزوں سزا
بولا بچھڑا سونے کا تو کیا کہا — ہے صلہ یہ احمقوں کے ذوق کا
کئی عجوبے میں نے دکھلائے تجھے — حق وہ، پر ناکارے کیوں مانیں اسے
بات بے ہودوں میں بے ہودہ چلے — عاطلوں کو لغو ہی اچھا لگے
جنس اپنی جنس کو لے جائے گا — گائے کو ایک شیرِ نر کیوں بھائے گا
بھیڑیا یوسفؑ کا عاشق کیوں بنے — مکر سے ہاں! تا کہ اُن کو کھا سکے
گرگی چھوڑے گرگ کیوں محرم بنے — جوں سگِ کہف انس سے آدم بنے

جس طرح آقاؐ کو صدیقؓ نکو — دیکھتے ہی کہہ دیے سچے ہیں وہ
جس طرح آقاؐ کا چہرہ دیکھ کے — بولے جھوٹا کہہ نہیں سکتے اسے
ہاں نہ تھا بوجہل اہلِ درد سے — چاند شفق دیکھا یہ باور کیوں کرے
اک دکھی کا راز ظاہر ہوگیا — گو چھپایا اس سے برحق کب چھپا
اک وہ جاہل اپنے دکھ سے دور تھا — وہ نہ دیکھا گو دکھائے بارہا
شیشۂ دل کی صفائی چاہیے — تا کہ نیک و بد نمایاں ہوسکے

## نصیحت کرنے والے کا بار بار نصیحت کے بعد ریچھ کے دھوکے میں پڑنے والے کو چھوڑنا

وہ مسلماں ترکِ ابلہ کو کیا — زیرِ لب لاحول کہتے چل دیا
چونکہ بحث و پند سے اصرار سے — اس کے دل میں کئی شکوک آنے لگے
بند رہ پند و نصیحت کی ہوئی — چھوڑ انھیں کا آگا پھر حکم بھی
درد بڑھ جائے دوائی سے اگر — چھوڑ اسے اور ذکر تو طالب کا کر
چوں کہ اندھا طالبِ حق آگیا — تنگ دل کیوں ہوں کہ وہ ہے بےنوا
حرص امرا کو ہدایت کی تجھے — تا بنیں ہادی وہ اوروں کے لیے
احمدا ! دیکھا شہوں کی قوم سے — لوگ کچھ سننے لگے، تم خوش ہوئے
کہ وہ ہوں گے حامیِ دیں شاد و خوش — ق — سر عرب کے اور ہیں سردارِ حبش
دیں کا شہرہ ہوگا ہوتا بصرہ و شام — کیوں کہ دینِ شاہ ہے دینِ عوام
اندھے طالب دین سے تم اس واسطے — تنگ آکر منہ دگر رخ کرلیے
مختصر بیٹھک ہے فرصت کی کمی — تم صحابہ سے، تمھیں فرصت ہے بڑی
وقت کم اور اس پہ تیرا ازدحام — غصہ کیسا ہے نصیحت کا مقام
یا نبیؐ نزدِ خدا یہ اک ضریر — ہیچ اس کے آگے سو قیصر، وزیر
ہاں تو لوگوں کو ذخیرے کر شمار — کم ہیں اک معدن سے یہ معدن ہزار

یہ عقیق و لعل کی کانیں چھپی　　خوب تر ہیں لاکھوں کانِ مس سے بھی
اے محمدؐ مال کا ہے کو یہاں　　عشق کا ہو درد دل میں اور دھواں
بادلِ روشن ضریرِ درد مند　　پند کا خواہاں ہے دیجے اس کو پند
اک دو احمق تیرے منکر ہوں اگر　　تیرا کیا بگڑے گا اے کانِ شکر
اک دو احمق تجھ پہ تہمت بھی دھرے　　حق گواہی تیرے حق میں دے گا لے
لوگ مانیں یا نہ مانیں کیا تجھے　　غم نہیں حق ہے گواہی کے لیے
پائے چمگادڑ جو سورج سے غذا　　پھر تو سورج ہی نہیں ہے برملا
نفرتِ خفاش ہے مجھ کو دلیل　　یعنی ہوں خورشید تابان جلیل
جائے گبرنڈا اگر سوئے گلاب　　صاف ہے وہ ہو نہیں سکتے گلاب
کھوٹ والا بھی اگر لائے مہک　　جانچ میں اس کی ضرور آئے گا شک
چاہیے شب چور کو دن کس لیے　　دن ہوں چمکانا ہے دنیا کو مجھے
میں ہوں فاراق چھاؤں چھلنی کی مثال　　کوئی بچ کر جائے مجھ سے ہے محال
آٹے کو کرتا ہوں بھوسی سے جدا　　نقش ہے یا نفس میرا فیصلہ
جیسے میزانِ خدا ہوں در جہاں　　میں دکھاؤں کیا ہے ہلکا کیا گراں
بیل کو بچھڑا ہی جانے گا خدا　　دانہ دُنکا نقد میں لائے گدھا
بچھڑا کیوں مولوں؟ نہیں میں خام کار　　اونٹ کھا جائے جسے، کیا ہوں میں خار؟
وہ سمجھتا ہے، بگاڑا کچھ مرا　　بلکہ صاف اس نے مرا شیشہ کیا

## ایک دیوانے کا جالینوس کی خوشامد کرنا اور جالینوس کا گھبرانا

بولا جالینوس یوں اصحاب سے　　جا ابھی دارو فلاں لادے مجھے
بولا اس شاگرد نے، اے ذو فنون　　ہے حقیقت میں یہ داروئے جنوں
یوں خدا نا کردہ تم بس کیجیے　　بولا اک دیوانے نے دیکھا مجھے
دیکھا مجھ کو اک دو ساعت غور سے　　بانہہ پھاڑی، آنکھ مٹکاتے ہوئے

جنسیت اس کی نہ ہوتی مجھ میں گر — ڈالتا منحوس کیوں مجھ پر نظر
گر نہ پاتا غیر جنس آتا نہ تھا — بھڑنا غیرِ جنس سے بھاتا نہ تھا
باہمی یوں اک دگر سے غیرِ شک — ہوگی ان میں کوئی قدر مشترک
ہر پرندے کو گوارا جنس خود — صحبتِ ناجنس آغوشِ لحد

## ایک پرند کے غیر جنس پرند کے ساتھ اڑنے اور چرنے کا سبب!

ایک دانا نے کہا دیکھا بہم — پھر رہے تھے زاغ ولقلق ہم قدم
جستجو میری یہی تھی اس زماں — کیا ہے قدرِ مشترک دونوں کے ہاں
جب گیا پاس ان کے تھا حیران ودنگ — میں نے دیکھا مشترک دونوں میں لنگ
خاص کر شہباز کہ عرشی ہے جو — یارِ جانی چغد کا فرشی ہے جو
ایک تھا خورشید علیین کا — اور چمگادڑ دگر سجین کا
ایک وہ جس میں نہ کوئی عیب تھا — دوسرا اندھا تھا در در کا گدا
چاند وہ اک جس کا پرویں پر تھا دام — دوسرا کیڑا کہ گوبر تھا مقام
ایک یوسف چہرہ، عیسیٰ دم جو تھا — دوسرا بھالو، گدھا یا بھیڑیا
پر کشا وہ ایک اندر لامکاں — وہ دگر کوڑے میں مانندِ سگاں
ایک وہ سلطانِ عالی مرتبت — وہ دگر بھٹی میں وقفِ تعزیت
ایک جس کے لطف سے خلقت خجل — بینوائی سے دگر از خود منفعل
ایک وہ ہے آپ سردارِ زماں — دوسرا ذلت میں خواری میں نہاں
بلبلوں کے واسطے زیبا چمن — گندگی گبرونڈے کے لائق وطن
چوں زبانِ معنوی گبرونڈے کو — پھول کہتا ہے کہ تو اے گندہ بو
تو اگر بھاگے چمن سے بے گماں — ہوگی وہ نصرت کمالِ گلستاں
میری غیرت ہے تجھے نیزے کی مار — دور ہو اس در سے تو اے نابکار
تو جو میرے ساتھ گھل مل کر رہے — یہ گماں ہوگا ہے میری جنس سے

تو جو گھل مل جائے نقصاں ہے مرا
کیوں کہ تو مجھ سے ہی سمجھا جائے گا

گندگی سے پاک جب حق نے رکھا
میں پلیدی میں رہوں کب ہے روا

میری اک رگ ان سے تھی جو کٹ گئی
وہ بری رگ پھر کہاں سے آئے گی

ہے ازل سے یہ نشانِ آدمی
کہ تھے مسجودِ ملک آدمؑ تبھی

اک نشانی دوسری یہ ہے بلیس
ہو کے سرکش کہہ دیا ''میں ہوں رئیس''

سجدہ کردیتا اگر ابلیس بھی
وہ نہ آدمؑ ہوتے، ہوتے اور ہی

سجدہ ہر فرشتہ کی میزان ہے
اور انکارِ عدو برہان ہے

حد نہیں اس بات کی تو لوٹ آ
دیکھیں ریچھ اس مرد سے کیا کچھ کیا

## باقی قصہ اس ریچھ کی چاپلوسی پر بھروسہ کرنے کا

سوئے وہ اور ریچھ اڑائے مکھیاں
مکھیاں پھر لوٹ کر آئیں وہاں

مرد کے رخ سے اڑائیں مکھیاں
بارہا پھر لوٹ کر آئیں وہاں

ریچھ غصہ مکھیوں سے ہوچلا
کوہ سے اک موٹا پتھر لے لیا

لایا پتھر دیکھا منہ پر مکھیاں
اک ٹھکانہ کرچکیں جیسے وہاں

مارا پتھر مکھیوں کے جھنڈ پر
تاکہ جائیں اڑ کے برجائے دگر

سوتے کا منہ ریزہ ریزہ کردیا
جو مثل تھی فاش اسے عملاً کیا

ریچھ کا وہ پیار تھا ناداں کا پیار
دوستی وہ دشمنی، کیسا تھا پیار

عہد کمزور اس کا ویران و ضعیف
باتیں پرزور اور وفا اس کی نحیف

وہ قسم بھی کھائے تو باور نہ کر
کان اس کی بات پر ہرگز نہ دھر

جھوٹ ہے جب بات بے سوگند بھی
چھاچھ ہے اس میں نہیں موجود گھی

نفس سردار اس کا قیدی ہے خرد
کھائے گا لاکھوں قسم کردے گا رد

عہد جو توڑے بلا سوگند بھی
توڑ دے گا عہد باسوگند بھی

دل پریشاں ہوگا بے سوگند ہی
قید ہے سوگند کی اس پر کڑی

قیدی حاکم پر اگر بندش لگائے — توڑ کر عالم اسے آزاد جائے
مارے اس کے سر پہ وہ اس بند کو — پھینک مارے منہ پہ اس سوگند کو
دھولو ہاتھ اس کی وفائے عہد سے — مت کہو پاسِ قسم بھی تا کرے
جو بھی جانے عہد ہے کس سے کیا — تار بن کر اس پہ خود تن جائے گا

## حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیمار صحابی کی مزاج پرسی کو جانا اور عیادت کا فائدہ

اک صحابی خواجہ کے بیمار تھے — اور مرض میں گھٹ کے جیسے تار تھے
آ گئے بہرِ عیادت مصطفیٰؐ — آپ کی عادت سبھی لطف و عطا
ہے عیادت میں ترا ہی فائدہ — فائدہ تیری طرف لوٹ آئے گا
فائدہ پہلا کہ وہ شخص علیل — قطب ہوگا یا کوئی شاہِ جلیل
دل کی دو آنکھیں نہیں حاصل تجھے — فرق کیا ہے عود و ہیزم میں تجھے
قصد ہر درویش کرنا از گزاف — جب پتہ مل جائے کرتے جا طواف
چشمِ باطن بھی نہیں حاصل تجھے — گنج ہر ہستی میں ہونا چاہیے
گر نہیں وہ قطب، ہوگا کوئی یار — شہ نہیں، ممکن ہے وہ ہوگا سوار
دوستی ہمراہوں میں لازم شمار — کوئی بھی ہو یا پیادہ یا سوار
ہو بھی گر دشمن تو احساں ہے بھلا — تو عدو بھی دوست بن جائے ترا
گر نہ ہوگا دوست کینہ کم کرے — کینے پر احساں ترا مرہم بنے
ہیں بہت سے فائدے اس کے سوا — پر طوالت سے ہوں میں خائف ذرا
ساتھ اپنے اک جماعت چاہیے — پتھروں سے بت بنانے ہیں تجھے
کیوں کہ ہو کثرت جماعت کی جہاں — ٹوٹ جائے ان سے پشت رہزناں

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی آنا کہ تو میری عیادت کو کیوں نہ آیا

آئی تنبیہ حق سے موسیٰؑ کے لیے — اے! طلوع ماہ دیکھا جیب سے
تم کو نورِ حق سے میں مشرق کیا — تم نہ آئے جب کہ میں بیمار تھا

بولا یارب پاک ہے تو از زیاں
بھید کیا ہے اس میں کر مجھ پر عیاں
پھر کہا میں درد میں ہوں مبتلا
کیوں نہ پوچھا لطف سے مجھ کو بتا!
بولا جب کچھ بھی نہیں نقصاں ترا
کیوں پریشاں ، کھول مجھ پر یہ گرہ
خاص اک بندہ پسندیدہ تھا جو
ہوگیا بیمار جو میں ہی تھا وہ
اس کی رنجوری ہے رنجوری مری
اس کی معذوری ہے معذوری مری
جو بھی چاہے ہم نشینی باخدا
کہیے بیٹھے در حضورِ اولیاؑ
اولیا سے دور اگر تو ہوگیا
چوں کہ ناقص ہے تو خود مٹ جائے گا
دیو اچھوں سے کرے تجھ کو جدا
بے سہارا کرکے سر کھا جائے گا
جتھے سے دوری گھڑی بھر کے لیے
مکرِ شیطاں ہے یہ اچھا جان لے

## باغبان کا صوفی اور فقیہ کو جدا کرنا ایک دوسرے سے اور سزا دینا

باغباں نے باغ پر ڈالی نظر
چوروں سے تین آدمی دیکھے ادھر
ایک صوفی ایک سیّد مولوی
بے حیا، جھوٹے بھی بکواسی سبھی
گو خلاف اِن کے دلیلیں ہیں کئی
رحمت ان پر اک جماعت ہیں سبھی
میں اکیلا جیت مشکل تین پر
چاہیے کرلوں جدا اک سے دگر
دور کرلوں ان سے ایک ایک کو اگر
چھوڑ کر رکھوں وہاں ہر اک کا سر
پھر کیا حیلے سے صوفی کو جدا
تا کرے یاروں کا اس کے خاتمہ
بولا صوفی کو تو اپنے گھر کو جا
دوستوں کو اپنے کملی لا بچھا
چل دیا صوفی رہی خلوت و یار
مولوی تم، یہ شریفِ نامدار
روٹی کھانے کو بھی فتویٰ چاہیے
آپ کی دانش پہ ہم اڑتے رہے
وہ دگر شہزادہ و سلطاں رہا
وہ دگر سید تبارِ مصطفیٰؐ
کون صوفی ہے وہی پیٹو، خسیس؟
آپ شاہوں میں رہے کیوں کر جلیس؟
جب وہ آئے گا پریشاں کیجیو
باغ یہ میرا ہے ہفتہ بھر رہو

باغ کیا میرا، تمھارا مال ہے
میری چشم راست تم ہو، یہ ہے طے

ان میں ڈالا وسوسہ دھوکا دیا
دوستوں میں صبر یوں کب تک بھلا؟

اس طرح صوفی کو جب رخصت کیا
پیچھے لاٹھی لے کے دشمن چل دیا

بولا صوفی کتّے! کتنا ڈھیٹ تو
آیا دھنس گھس کر جو میرے باغ کو

شیخ تیرے ہیں جنیدؒ و با یزید
یا ہے کوئی پیر جس نے دی رسید

پیٹا صوفی کو وہ جب تنہا ملا
نیم کشتہ وہ رہا اور سر پھٹا

وقت میرا ٹل گیا ہے دوستو
بولا تم اب احتیاط اپنی کرو

غیر تم نے کرلیا مجھ کو یقیں
غیر تر اس گلستاں سے میں نہیں

میں نے کھایا ہے جو کچھ تم کھاؤ گے
یہ سزائے ہردنی تم پاؤ گے

مجھ پہ گزرا، تم پہ گزرے گا وہی
جو پیا ہے، تم کو ہے پینا وہی

ہے جہاں جوں کوہ، تیری گفتگو
لوٹ کر آئے گی آخر سوئے تو

باغباں صوفی سے جب فارغ ہوا
اک بہانہ اس نے ویسا ہی کیا

بولا سید جاؤ تم میرے مکاں
میں نے رکھی ہیں پکا کر روٹیاں

جاکے کہنا گھر پہ نوکر سے ذرا
روٹیاں اور قاز وہ لے آئے تا

چل دیا جس دم تو بولا تیز بیں
تو فقیہہ ظاہر میں بھی ہے یہ یقیں

سیدی کا دعویٰ کرنا ہے بجا
کون جانے اس کی ماں نے کیا کیا

دیکھی عورت کو بھی عورت کے شعار
ناقص عقل ان کا بھلا کیا اعتبار

جوڑتے ہیں اپنی نسبت یہ نبی
یا رسول اللہؐ اور حضرت علیؓ

اصل جس کی ہے زنا و زانیاں
بدظنی ہے در حقِ ربّانیاں

گھومنے سے جس کا چکراتا ہے سر
وہ سمجھتا ہے کہ چکراتا ہے گھر

کہنے والا باغباں کو بوالفضول
وہ پریشاں، دور ز اولادِ رسولؐ

گر نہ ہوتا وہ زنسلِ مرتداں
کیوں بدی کرتا برائے خانداں

پھونکے منتر اور سنا ان کو فقیہ
اس کے پیچھے ہی چلا ظالم سفیہ

بولا اے خرکس نے باغ آنے کہا　　کیا نبی سے ورثہ چوری کا ملا
شیر کا بچہ بھی ہوگا شیر سا　　کیا نشاں تجھ میں نبی کا ہے بتا
اس نے کی ہے ساتھ سید کے کجی　　جوکرے آلِ نبیؐ سے خارجی
دیکھو کتنے کینہ ور ہیں دیو و غول　　جوں یزید و شمر با آلِ رسولؐ
مار سے ظالم کے تھا سید خراب　　مولوی سے بولا با چشمِ پُر آب
ٹھہر جا اب تو جو تنہا رہ گیا　　ڈھول بن کر پیٹھ پر لے مار کھا
گر شریف اور لائق اور ہمدم نہیں　　باغباں ظالم سے لیکن کم نہیں
تو سپرد اس مطلبی کے کردیا　　احمقی کی ہے بُرا بدلہ ترا
اس سے نبٹا آیا پھر تو اے فقیہ　　در حقیقت تو ہے ننگِ ہر سفیہ
ہے ترا فتویٰ یہی اے مت کٹے؟　　اندر آجائے اجازت تک نہ لے
کیا اجازت یہ ہے ازروئے بسیط　　یا کہیں پایا گیا اندر محیط
ہاتھ اٹھایا اس پہ بس کہتے یہی　　ہاتھ نے کینے کی اچھی داد دی
بولا حق تیرا، ترا قابو ہے مار　　یہ سزا اس کی کہ کاٹے اپنے یار
سو سزائیں ایسی ہی مجھ کو سزا　　کیوں ہوا کینے میں یاروں سے جدا
سرزنش میں نے بہت تیری سنی　　پیٹتا ہوں سر تری عزت گئی
مارا پیٹا اس کو زخمی کردیا　　کر کے باہر بند دروازہ کیا
جو بھی اپنے ساتھیوں سے کٹ گیا　　آخر انجام اس کا ایسا ہی ہوا
ہے عیادت دوستی کے واسطے　　دوستی خود پیار کی حامل بنے

## مریض اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج پرسی کو جانے کی طرف رجوع

پہنچے پرسش کو رسولِؐ بے مثال　　نزع کا اس دم صحابی کا تھا حال
اولیا سے ہوگئے جس دم جدا　　در حقیقت ہوگئے دور از خدا
ہے جدائی ساتھیوں سے وجہِ غم　　ہے کہیں شاہوں سے دوری اس سے کم

سایہ شاہوں کا طلب کر زود تر  تا بنے سورج سے بھی تو خوب تر
ڈھونڈ جا سایہ کسی مقبول کا  تا رہے آزادِ ہر خوفِ بلا
اس غرض سے گر سفر کرنا ہے کر  رہ نہ غافل ان سے در حالِ حضر
در بہ در کر گشت اور جا کو بہ کو  جستجو کر جستجو کر جستجو
کچھ بھی ہو تو اولیا سے منہ نہ موڑ  جہد کر اللہ پر خیر و شر کو چھوڑ

## ایک شیخ کا بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے کہنا کہ میں ہوں کعبہ میرے گرد گھوم

بایزیدؒ شیخ مکہ کو چلے  جا رہے تھے حج و عمرہ کے لیے
راہ پر جس شہر سے ہوتا گزر  پہلے اہل اللہ پر جاتی نظر
دیکھتے تھے شہر بھر میں گھوم کر  کیا کوئی اہلِ بصیرت ہے ادھر
حق نے فرمایا کہ دورانِ سفر  تو تلاشِ مردِ حق آگاہ کو
کر تلاشِ گنج، یہ سود و زیاں  واجبی حاصل کی وقعت ہے یہاں
بونے والے کی تو بس گندم ہے آس  واجبی ہے اس کو جو ملتی ہے گھاس
جو اگر بووے تو گندم کیوں ملے  کوئی اہل اللہ تجھ کو چاہیے
حج کے دن ہیں قصد بیت اللہ کر  دیکھ لے گا مکہ بھی جائے ادھر
مقصدِ معراج دیدارِ خدا  فرع میں دیدار عرش، افرشتہ تھا
نیتوں پر ہے عمل بولے نبیؐ  دے گی اچھے پھل بھلی نیت تری
نیتِ مومن عمل سے خوبتر  اس طرح فرمائے شاہِ بحر و بر

## ایک مرید کا گھر بنانا اور پیر کا مرید کے امتحان کا قصہ

گھر بنایا اک ارادت مند نے  پیر آئے اس کے گھر کو دیکھنے
اس نئے حیلے سے مرشد نے کہا  امتحاں تھا اس نکو اندیش کا
پوچھا کھڑکی کیوں بنایا تو یہاں  بولا تا نور آسکے اندر مکاں

فرع ہے نور اصل طاعت ہے یہاں
آئے تا روزن سے آوازِ اذاں

ہوگا آئے روشنی پائے تجھے
نیت اس کی کر جو تجھ کو چاہیے

با یزیدؒ اس ٹوہ میں چلتے رہے
تا کہ خضرِ وقت کو خود پا سکے

بوڑھا دیکھا قد تھا مانندِ ہلال
اس میں سب اندازِ گفتارِ رجال

ایک اندھا دل مثالِ آفتاب
جیسے ہاتھی اور ہندستاں بخواب

سوتے آنکھیں بند دیکھے سو طرب
آنکھ کھلتے ہی نہ تھا کچھ اے عجب

اے عجب سب خواب میں روشن جو تھا
خواب کے عالم میں دل روزن رہا

خواب خود جو دیکھتا ہو جاگتے
وہ ہے عارف سرمہ خاک اس کی بنے

پائے اس کو بایزیدؒ اخطاب سے
انکساری کرتے خدمت کو چلے

پاس بیٹھے اور پوچھا ان کا حال
پائے اک درویش با اہل و عیال

بایزید آخر چلے ہو تم کدھر
ختم ہونے ہے کہاں جا کر سفر

بولا کعبہ کو پہنچنا ہے مجھے
پوچھا زادِ رہ بھی ہے جانے تجھے

بولا دو سو تک درم ہوں میں لیے
گانٹھ میں چادر کے کونے میں بندھے

بولا گھوم اب گرد میرے سات بار
طوفِ کعبہ سے اسے بہتر شمار

وہ درم رکھ میرے آگے اے جواد
پھر سمجھ حج ہوچکا، پائی مراد

عمرہ کرکے عمر باقی پالیا
سعی بھی کی پاک بھی تو ہوچلا

حق کی سوگند تو نے دیکھا جان سے
دی فضیلت اس نے کعبہ پر مجھے

کعبہ تو طاعات کا گھر ہے بجا
ہے وجود اپنا گھر اس کے راز کا

گھر بنا وہ، خود کبھی اندر گیا؟
کون اس گھر میں گیا اس کے سوا

دیکھا اللہ کو جہاں دیکھا مجھے
پھیرے بھی خود سچے کعبے کے کیے

میری خدمت طاعت و حمدِ خدا
نہ سمجھ یہ ہے خدا مجھ سے جدا

کھول آنکھ اور دیکھ مجھ میں جھانک کر
تا کہ دیکھے نورِ حق اندر بشر

تو نے کعبہ پالیا اے بایزیدؒ
سو بہار اعزاز بھی پائے مزید

کعبہ کو ''بیتی'' کہا اِک بار یار — مجھ کو ''یا عبدی'' کہا ہفتاد بار
بایزیدؒ ان باتوں کو بھولے نہیں — بالیاں جوں ان کے کانوں کی بنیں
بایزیدؒ اس میں مزید اندر چلے — کاملیت کا وہ درجہ پاگئے

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جان لینا کہ اس شخص کی بیماری کا سبب دعا میں گستاخی تھی

دیکھا پیغمبر نے اس بیمار کو — اور نوازا خوب یارِ غار کو
جی اٹھا پاکر نبیؐ کو پاس ہی — سمجھا پائی زندگی حق سے تبھی
بولا خوش بختی تھی بیماری مری — صبح دم حاصل ہے دیدارِ نبیؐ
میں نے پائی تندرستی و عافیت — یہ ہے فیضِ حضرت پُرخاصیت
اے مبارک رنج، بیماری و تعب — اے مبارک درد و بیداریٔ شب
چاہ کر پیری میں اپنے لطف سے — دینِ حق کی درد و بیماری مجھے
مجھ کو بخشا اس قدر درد کمر — نیم شب اٹھ بیٹھتا ہوں کود کر
تانہ سووں بیل بکری کی مثال — درد بخشا مجھ کو ربِ ذوالجلال
یوں جو ٹوٹا شاہ کو رحم آ گیا — خوف دوزخ سے رہا مجھ کو کیا
رنج گنج اور درد رحمت ہو رہا — چھلکا چھیلا مغز تازہ ہوگیا
اے برادر در مقام تار و سرد — صبر کر وقتِ غم و سستی و درد
آبِ خضر و جامِ مستی ہے یہی — پستیوں میں ہر بلندی ہے چھپی
وہ بہاریں ہیں خزاؤں میں نہاں — رد نہ کرنا پُر بہاراں ہے خزاں
ساتھ غم کا دے بسر وحشت میں کر — کر طلب تو موت میں عمرِ خضرؑ
نفس بولے بھی اگر یہ ہے بدی — سن نہ اس کی باتیں الٹی ہیں سبھی
کر خلاف اس کے کہے پیغمبراں — ہے یہی ان کی وصیت بے گماں

مشورت ہر کام میں ہے واجبی
تا نہ ہو وقتِ پشیمانی کبھی

انبیا نے کی ہیں تدبیریں کئی
تب کہیں اس پاٹ پر چکی چلی

چاہتا ہے نفس تا ویراں کرے
خلق کو گمراہ و سرگرداں کرے

پوچھا امت مشورت کس سے کرے
بولے پیغمبرؐ امامِ قوم سے

پوچھا بچہ آئے یا عورت کوئی
ہو نہ قابل عقل و رائے خوب کی

ہاں ان ہی سے کر مگر جو بھی کہیں
اس کا الٹا کرکے چھوڑیں اور چلیں

نفس کو زن جان یا اس سے بتر
جز وزن تو نفس ہے من جملہ شر

نفسِ خود سے مشورت کرنی ہے گر
وہ کہے جو بھی خلاف اس کے تو کر

ہاں نماز و روزہ کی گر وہ کہے
اس میں اس کا مکر ہے کچھ جان لے

مشورت گر نفس سے کرنی پڑے
کام سب بالعکس کرنے ہیں تجھے

گر لڑائی میں تو اس سے ہاردے
ساتھ جا کر بیٹھ اپنے یار کے

وجہِ قوت عقل کو عقل دگر
دے مہارت پیشہ ور کو پیشہ ور

میں نے دیکھے نفس کے دھوکے کئی
اس سے زائل نیک و بد کا فرق بھی

تازہ تازہ وعدے دیتا ہے تجھے
توڑا صدہا کب وفا اس نے کیے

عمر اگر سو سال کی مہلت بھی دے
نوع بہ نوع حیلے سکھائے گا تجھے

وعدہ ہائے خام کو صادق کہے
سحر سے مردوں کی مردی چھین لے

آ حسام الدین دکھادے کوئی راہ
بن ترے پھوٹے نہ شورہ سے گیاہ

پردہ ہے لٹکا ہوا افلاک سے
درد مندوں کی علامت کے لیے

کون جانے ردِ قضا کا جز قضا
عقل کور عاجز ہے مخلوقِ خدا

بن گیا ہے اژدہا مارِ سیاہ
وہ جو اک کیڑا تھا رستے میں پڑا

ہاتھ میں جب تک ہیں مار و اژدہا
جانِ موسیٰ مست انھیں پاکر عصا

ہاں پکڑ، مت ڈر، ہوا حکمِ خدا
تاکہ تیرے ہاتھ ہوجائے عصا

ہاں یدِ بیضا دکھا اے بادشاہ
صبح پیدا کر زشبہائے سیاہ

آگ بھڑکائی ہے پھونک اس پرفسوں     ہے دمِ دریا سے تیرا دم فزوں
جھاگ سا لگتا ہے یہ مکار بحر     جوں حرارت ہے عیاں دوزخ کا قہر
مختصر وہ تیری آنکھوں کو لگے     تازبوں پاکر تو غصہ ہو اٹھے
جیسے وہ اک لشکرِ جرار تھا     چشمِ پیغمبرؐ کو جو تھوڑا لگا
تاکریں حملہ پیمبر بے خطر     ان کو گر پاتے فزوں کرتے حذر
یہ دکھاوا کیا تھا فضلِ ایزدی     ورنہ بد دل ہوتے اے احمدؐ تم ہی
ساتھیوں اور اس کو کم دکھلادیا     ظاہر و باطن کی یورش میں خدا
یوں میسر کیں انھیں آسانیاں     تا نہ پھیریں سختیوں سے منہ وہاں
فتح مندی کم دکھانے میں جو تھی     اور اسی سے عید تھی نو روز کی
کم دکھانے کا وہ دن اے مرحبا     کم دکھانا راز تھا اللہ کا
جس کا حامی حق نہ ہو اندر ظفر     جانے خرگوش اس کو ہو جوں شیر نر
وائے سو کو ایک اگر پائے زدور     حملہ دھوکے میں کرے وجہِ غرور
ذوالفقار اس کو لگی گویا چھرا     شیر نر بلی کی صورت میں لگا
تادلیرانہ چلے احمق بجنگ     اور وہ کرلے اس کو حیلے سے بچنگ
تا وہ بیہودے خود اپنے آپ سے     جانبِ آتشکدہ آئیں چلے
گھاس کا تنکا تو پائے تاکہ زود     ختم کردے پھونک سے اس کا وجود
وہ تو کہساروں کو جڑ سے ڈھائے گا     روئے دنیا وہ رہے ہنستا ہوا
جُو میں پانی ٹخنے تک بہتا دکھے     غرق عوج بن عنق صدہا کرے
موج خوں ہو جس طرح اک تودہ مشک     بحر کی گہرائی جیسے خاکِ خشک
خشک دیکھا بحر کو فرعونِ کور     اس میں در آیا بہ سرمستی و زور
گھس پڑا تو غرقِ دریا ہوگیا     دیدۂ فرعون کب بینا ہوا
آنکھ کو روشن لقائے حق کرے     رازداں کیوں حق کا ہر احمق بنے
دیکھا شکر، زہرِ قاتل بن گیا     رستہ دیکھا تھی چھلاوے کی صدا

گھومتا ہے تیز تو اے آسماں
اس زمانِ آخری میں دے اماں

اپنے درپے تیز تیرا دشنہ ہے
اور ترا نشتر بھی زہر آلودہ ہے

رحمِ حق سے اے فلک تو سیکھ رحم
چیونٹیوں کے دل پہ کیوں جوں مار زخم

بہر حق جس نے تجھے چرخہ کیا
گھومنے سر پر سرا کے رکھ دیا

ہاں دگر گوں گھوم ہم پر رحم کر
قبل اس کے، ہم کو ڈھائے سربسر

پرورش کی جس نے اس کے واسطے
تا اگائے اپنا پودا خاک سے

نام پر اس کے جو ہے خالق ترا
کردیا جس نے تجھے تاروں بھرا

اس قدر آباد و باقی کردیا
دہریوں نے تجھ کو ازلی کہہ دیا

شکر ہم آغاز تیرا پاگئے
آگہی دی انبیا نے راز سے

آدمی جانے کہ حادث ہے مکاں
وہ نہیں جالے میں مکڑی کے سماں

پتّہ کیا جانے ہے کب سے گلستاں
جینا مرنا اک بسنت اس کا وہاں

کیڑا لکڑی جنم لے سست حال
جانے کیوں لکڑی تھی جب تھی نہال

کیڑا گر اس کی حقیقت جان لے
عقل ہے وہ کرم کی صورت لیے

عقل سو رنگوں میں کرتی ہے ظہور
جوں پری، کوسوں مگر پریوں سے دور

چرخ سے بھی وہ ہے بالا کیا پری
تو مگس پر، جہد پستی میں تری

عقل تیری گو بلندی پر اڑے
تیرا پیر و مرغ پستی میں چرے

علم تقلیدی، ہمیں جاں کا وبال
اپنا سمجھے گو کہ ہے مانگے کا مال

اس خرد سے ہاتھ دھولینا بھلا
چھین کر دیوانگی لینا بھلا

جس کو سمجھے سود اس سے ہٹ کے جا
زہر پی لے، آبِ حیواں دے بہا

جو کرے تعریف اسے گالی سنا
مفلسوں میں سود و سرمایہ لٹا

اس کو کر ترک جائے خوف آ
چھوڑ عزت، خود کو تو رسوا بنا

عقلِ دور اندیش کو جانچا ہوں بس
جی میں ہے دیوانہ میں ہو جاوں بس

## ایک ڈوم کا اپنے آقا سے عذر کرنا کہ فاحشہ سے نکاح کیوں کیا

ڈوم سے آقا نے اک شب یہ کہا
جلدی رنڈی کو تو زوجہ کرلیا
مجھ سے کھل کر بات یہ کہتا ذرا
بیاہ پردہ پوش سے کرتا ترا
بولا بیاہ تو پردہ پوشوں سے کیا
بن گئیں وہ قحبہ میں غم میں گھلا
جان کر رنڈی، نکاح اس سے کیا
تا نتیجہ اس کا دیکھوں ہوگا کیا
آزما دیکھا بہت میں عقل کو
پھر کروں باغِ جنوں کی جستجو

## سائل کا ایک حیلے سے ان بزرگ کو باتوں پر آمادہ کر لینا جنھوں نے اپنے آپ کو دیوانہ کرلیا

وہ کوئی کہتا تھا عاقل چاہیے
تا کروں در وقتِ مشکل مشورے
شہر میں اپنے، وہ دیگر نے کہا
کہ نہیں عاقل بجز مجنوں نما
بانس پر کرتے سواری یہ فلاں
دوڑتا ہے کود کوں کے درمیاں
کھیلتا ہے گیند روز و شب وہاں
گنج پنہانی ہے وہ جانِ جہاں
وہ ہے اہل الرائے اور از خود شرار
آسماں قدر اور ہے اختر سوار
جاں فرشتوں کی ہے وہ ذی مرتبہ
اپنے ہی دیوانہ پن میں ہے چھپا
جاں ہر مجنوں کو مت سمجھو کبھی
سجدہ بچھڑے کو نہ ہو جوں سامری
جب ولی نے آشکارا کردیے
صد ہزار اسرار جو بھی تھے چھپے
تجھ کو فہم اور علم اس کا کچھ نہ تھا
تو نہ جانے کیا ہے گوبر، عود کیا
کرلیا پردہ جنوں کو جب ولی
کور اسے پہچان پائے گا کبھی
ہے اگر چشمِ یقیں حاصل تجھے
زیرِ ہر سنگ اک سپاہی دیکھ لے
آنکھ وا ہے راہ دکھلانے جہاں
کوئی موسیٰ بھی ہے کمبل ہے جہاں
جب ولی ظاہر ولایت کو کرے
جس کو چاہے کامیابی دے اسے

عقل سے کب اس کو پہچانے کوئی　　خاص کر اپنائے جب دیوانگی
چور بینا جب چرائے مالِ کور　　چور سے کیا پائے اندھا بزور
کون ہے چور اندھا پہچانے نہ پائے　　چور سرکش سامنے بھی گرچہ آئے
گدڑی پوش اندھے کو کتّا کاٹ لے　　کتّے کی پہچان اندھا کیوں کرے

## اندھے فقیر پر کتے کا حملہ

اک گدائے کور کوچہ میں چلا　　کتّا مثلِ شیر اس پر جاگرا
بھونک درویشوں پہ کتّے کی بخشم　　چاند ان کی خاک سے سرمہ بچشم
بھونک سے کتّے کی کور عاجز بنا　　اس کی خود تکریم بھی کرنے لگا
بولا میرِ صید شیر اعلیٰ صفات　　صاحبِ قدرت تو، رکھ دور اپنا ہاتھ
وجہِ حاجت خر کی دُم کو وہ حکیم　　نام تعظیماً اسے بخشا ادیم[1]
اے اسد وہ بھی ہے حاجت کے سبب　　مجھ سا لاغر صید تو پائے گا کب
بن میں پکڑیں گور خر کو تیرے یار　　تو کرے اندھے کو کوچہ میں شکار
گور چاہیں صید کو یاراں ترے　　کوچہ میں تو کور چاہے مکر سے
مشق دادہ سگ شکاری گور کے　　یہ سگِ بے مایہ پیچھے کور کے
سیکھے فن، کتّا ہو آزادِ ضلال　　بن میں کرنا صید سو اس کو حلال
علم سیکھے کتّا ہو چالاک و زہف　　ہو کے عارف جائے با اصحابِ کہف
کتّا دیتا ہے شکاری کا نشاں　　وہ شناسا نور کا یارب کہاں
کور پن پہچان سے مانع ہے کب　　بلکہ غرق جہل ہونا ہے سبب
اس زمیں سے کور تر کوئی نہیں　　فضلِ حق سے دیکھے دشمن کو زمیں
نورِ موسیٰ دیکھا کی نشو نما　　دیکھا قاروں کو نوالے کرلیا
ہل گئی بہر ہلاک ہر ''دعی''　　پی گئی طوفان سن کر ''اِبلعی''

---

1- ادیم=خوشبودار چمڑا

'' خاک و باد و آب و نارِ با شرر''  بے خبر ہم سے خدا سے باخبر
برخلاف ہم غیرِ حق سے ہیں خبیر  بے خبر ہم آئے پر کتنے نذیر
بے گماں اس بوجھ سے ہم ڈر گئے  وصف حیوانی کے باعث ہوگئے
بولے ہم ناخوش ہیں کیا جینا بھلا  مردہ باحق، زندہ با خلق خدا
ہو جدا جب خلق سے ہونا یتیم  انس حق کو چاہیے قلبِ سلیم
چور مالِ کور، چوری گر کرے  کور بے بس آہ و نالہ ہی کرے
چور چوری جب تک اپنے سر نہ لے  چور پُر فن میں نے لوٹا ہے تجھے
کیسے اپنے چور کو پہچانے کور  چشمِ روشن اس کی قسمت ہے نہ نور
کس طرح بولے کہ باندھو اس کو سخت  تا بتائے وہ علامت ہائے رخت
ہے جہاد اکبر اس کا بھینچنا  تا نہ بتلائے چرایا اس نے کیا
اولیں لوٹی نظر کی روشنی  لوٹ لائے گر نظر تجھ کو ملی
دل سے دانائی کی دولت کھوگئی  اہلِ دل کو ہے یقیں مل جائے گی
کور دل با چشم و گوش و خوب جاں  کچھ نہ جانے چور شیطاں کا نشاں
ڈھونڈ اہلِ دل میں بے حس میں کہاں  خلق ہے گویا جماد ان کے یہاں
لوٹتے ہیں ہم بسوئے راز جو  تا کہ ہوں ہم مشورہ باراز گو
مشورت جو پاس اس کے آ گیا  پوچھا بوڑھے بول کیوں بچہ بنا
بولا، ہٹ زنجیر سے در وا نہیں  آج کا دن راز کہنے کا نہیں
گر مکانی پاتا رہ در لامکاں  مثل مرشد ہوتی اپنی بھی دکاں

## محتسب کا بدمست کو قید خانے کی طرف بلانا

نیم شب جب محتسب اس جا گیا  پاس تھا دیوار کے مست اک پڑا
پوچھا اے بدمست تو نے کیا پیا  بولا اندر اس سبو کے جو بھی تھا
کیا ہے اس میں کھل کے بتلا بھی کہیں  بولا جو بھی ہے بتانے کی نہیں

پوچھا تونے خود پیا ہے کیا بتا　　بولا اندر جو سبو کے ہے چھپا
دیر تک یہ سلسلہ چلتا رہا　　محتسب جوں خر تھا دلدل میں پھنسا
بولا آخر، آہ کر ہوگا خراب　　مست ھو ھو کر رہا تھا در جواب
بولا آہ کرنے کو تو ھو ھو کیا؟　　بولا میں ہوں شاد تو ہے غمزدہ
وجہِ آہ و درد و غم بیدادی ہے　　ھو ھو میخواروں کی وجہ شادی ہے
محتسب اٹھ اٹھ، نہیں مجھ کو پتہ　　معرفت بس، ختم کر جھگڑا ترا
بولا جا جا میں کہاں اور تو کہاں　　بولا چل اے مست زنداں ہے وہاں
مست بولا محتسب بس چھوڑ جا　　رہن میں ننگے سے کیا لے گا بھلا
طاقتِ رفتن اگر ہوتی مجھے　　جاتا گھر، ہوتا یہاں میں کس لیے
خود پہ قابو، ہوش میں رکھتا اگر　　ہوتا جیسے شیخ تکیہ گاہ پر
ہوتا قابل رائے و تدبیر کے　　رتبہ و عزت میں ہوتا شیخ کے
بھیک کو جھولی بھی ہوتی گر مجھے　　پاتا نذریں ہوتے پھیرے بھی مرے
چھوڑ مجھ کو تونے گم کردی ہے راہ　　ڈھونڈ صاحب ریش مردِ خانقاہ

## سائل کا شیخ سے دوبارہ بات کرنا تا کہ باقی حال معلوم ہو سکے

بولا وہ سائل ادھر بھی اک ذرا　　بانس کے گھوڑے کو اپنے موڑ لا
موڑ لایا اور کہا جلدی بتا　　سرکش و بد خو بڑا گھوڑا مرا
تیرے دولتی نہ مارے جلد کر　　پوچھ جو کچھ پوچھنا ہے فاش تر
رازِ دل کہنے کا جو موقع نہ تھا　　اس کو چھوڑا اور تمسخر میں لگا
بولا اس کوچہ سے اک زن چاہیے　　کون ہے لائق مجھ ایسے کے لیے
تین ہیں اس دہر میں نوعِ زناں　　دو وبال اور ایک ہے گنجِ رواں
اک تو چاہے تو ہے تیرا سبھی　　وہ دگر آدھی جدا آدھی تری
تیسری میں کچھ نہیں تیرے لیے　　ہے سنا تو بھاگ جا، لے ہم چلے

تا نہ یہ گھوڑا دولتّی جھاڑ دے — تو گرے ایسا کہ اٹھنے سے رہے
لے چلا گھوڑا میانِ کودکاں — اور پکارا بارِ دیگر وہ جواں
بولا آ تفصیل سے کر بہرہ یاب — تین سے اک زن کوئی کر انتخاب
لوٹ کر آیا کہا وہ باکرہ — خاص تیری رنج اور غم سے رہا
آدھی تیری وہ جو ہے اک بیوہ ہے — ہیچ وہ اک بیوہ اس کے بچہ ہے
پہلے شوہر سے اسے اک بچہ ہے — پیار سارا بچے ہی کا حصہ ہے
ہٹ کہ دولتّی نہ گھوڑا جھاڑ دے — گھر نہ سرکش کا کہیں تجھ کو لگے
ہائے و ہو کرتے وہ گھوڑا لے چلے — پاس پھر بچوں کو آجانے کہے
دی صدا سائل نے پھر آپ آیئے — رہ گئی اک بات بس بتلایئے
آئے پھر بولا ذرا جلدی بتا! — گیند میداں سے وہ بچہ لے چلا
بولا صاحب ایسی عقل ایسا ادب — سوانگ یہ اور کام ایسا اے عجب
عقل کل سے بھی تو آگے درمیاں — ہوتے سورج کیوں جنوں میں ہے نہاں
بولا ہاں کیوں سوچتے ہیں یہ عوام — میں قبولوں شہر کے قاضی کا کام
ٹالتا ہوں میں تو کہتے ہیں نہیں — تجھ سا عالم تجھ سا پُرفن ہے کہیں؟
تیرے ہوتے ناروا ہے اور برا — تم سے کمتر کو ملے کارِ قضا
شرع میں کوئی نہیں ہے قاعدہ — تا کسی کمتر کو کرلیں پیشوا
اس ضرورت سے میں دیوانہ ہوا — اور ان لوگوں سے بے گانہ ہوا
ظاہراً دیوانہ ہوں شیدا ہوں میں — ایک باطن میں جو کچھ بھی تھا ہوں میں
عقل ہے گنجینہ میں ویرانہ ہوں — گنج اگر ظاہر کروں دیوانہ ہوں
دیوانہ وہ جو نہ دیوانہ بنا — محتسب دیکھا پہ چھپنے سے رہا
عقل میری دیرپا نا جوں عرض — قیمتی اتنی بنے کیوں ہر عرض
کانِ شکر کھیت شکر کا ہوں میں — کھیتی خود کرتا ہوں اور کھاتا ہوں میں
علم تقلیدی و کسبی بے گماں — سننے والوں سے اگر ہو دل گراں

زرق ہو مقصد نہ ہو گر روشنی — جیسے طالب علم دنیائے دنی
وہ ہے طالب دوسروں کے واسطے — اور نہیں دنیا سے بچنے کے لیے
جیسے چوہا چھید وہ ہرجا کرے — مرغ کیا جو بچ رہے سوراخ سے
کام میداں سے اجالے سے نہیں — جہد اس کی سب اندھیروں میں کہیں
پر اگر پائے خدا سے عقل کے — چوہے پن کو چھوڑ کے اڑتا پھرے
گر نہ چاہے پر رہے زیرِ زمیں — جوں ستارہ آسماں میں جا نہیں
وہ زبانی علم کیا، بے جان سا — چاہے دیدارِ خریداراں سدا
بحث کو گو وقت پورا بھی رہے — گر خریداراں نہ ہوں تو مر چلے
مشتری میرے لیے اللہ مرا — لے چلے بالا کہ اللہ اشتریٰ
خوں بہا میرا جمالِ ذوالجلال — خوں بہا کھاؤں کہ ہے کسبِ حلال
گاہکاں مفلس انھیں چل چھوڑ کر — کیا خریدیں گے یہ مٹی مشت بھر
لے نہ مٹی، کھا نہ مٹی، بھول جا — زرد ہے چہرہ سدا گلخوار کا
مول دل تا تو رہے دائم جواں — پُر تجلی چہرہ ہو جوں ارغواں
طالبِ دل رہ بنے تا جیسے گل — تا رہے شاداں و خنداں مثلِ مُل
دل نہ جائے جس کو ہو مطلوبِ گل — رو سخن کا ہے بہ سمتِ اہلِ دل
بس میں اپنے یہ نہیں یارب عطا — ہے ترے لطفِ خفی ہی کو سزا
مہرباں لے ہم کو ہم سے مول کر — رکھ ہمارا پردہ پردہ کھول کر
نفسِ بد سے مول کر ہم کو چھڑا — ہڈیوں سے جا لگا اس کا چھرا
ہم سے بے چاروں پہ ہے یہ بندِ سخت — کون کھولے اے شہِ تاج و تخت
جز ترے افضال کے قفل گراں — کھول سکتا ہے کوئی اے مہرباں؟
ہم اٹھائے ہیں تری جانب نظر — ہم سے بھی تو ہم سے ہے نزدیک تر
باوجود اس قرب کے ہم دور دور — بھیج ان تاریکیوں میں ہم کو نور
یہ دعا سیکھی تری تعلیم سے — ورنہ بھٹی میں چمن کیسے اُگے

پیچ آنت اور خوں کے یہ فہم اور عقل
جز ترے افضال کے کرتے نہ نقل
چربی کے ٹکڑے دو نور ان سے رواں
موج نور اس کی چلے تا آسماں
گوشت کا اک لوتھڑا ہے یہ زباں
جو بجو سیلابِ حکمت ہے رواں
وہ جو دو روزن ہیں جن کا نام گوش
جاں کو حاصل ان سے ہے سب عقل و ہوش
شاہ راہِ زندگی ہے اس کی شرع
بوستان و باغِ عالم اس کی فرع
ہے خوشی کا اصل سرچشمہ وہی
تہ میں اس کی بہتی ہیں ندیاں سبھی
قصۂ بیمار آقاؐ کو سنا
کیوں کہ ہے لطفِ خدا بے انتہا
شکر نعمت کیا کرے گا جب وہی
خود ہے تیرے حق میں اک نعمت بڑی
شکر تیرا عجز ہے شکرِ تمام
فہم کر پورا ہوا اس پر کلام

## پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیمار کو نصیحت کرنے کا بقیہ قصہ

بولے پیغمبرؐ خود اس بیمار سے
جب گئے اس کی عیادت کے لیے
تم نے شاید کی کوئی دیگر دعا
شوربے میں زہر انجانے پیا
یاد کر تب تو نے کی تھی کیا دعا
جب پریشاں نفس کے دھوکے میں تھا
بھول بیٹھا ہوں توجہ کیجیے
یاد آجائے گا وہ بھولا مجھے
مصطفیٰؐ کی نور بخشی کا صلہ
فاش دل پر ہوگئی اس کی دعا
باعثِ پیغمبرِؐ روشن نسب
آگیا بھولا ہوا وہ یاد سب
دل سے دل کو پہنچی فارق روشنی
حق و باطل کی حقیقت کھل گئی
بولا دیکھو آگئی یاد اے رسولؐ
وہ دعا مانگا تھا جو یہ بوالفضول
جب کہ غرقاب گنہ میں ہوگیا
جھاڑنے میں لگ گیا میں دست و پا
پُرگنہ ٹھوکے گا تب بابِ نجات
ڈوبتا تنکے پہ مارے اپنا ہاتھ
تجھ سے آئے ہیں ڈراوے بے حساب
واسطے مجرم کے ہیں سنگیں عذاب
ہوگیا بے کل کوئی چارا نہ تھا
بند مضبوط اس پہ تھا تالہ لگا

''نہ مقامِ صبر و نا راہِ گریز نا امید توبہ نہ جائے ستیز''
حق تعالیٰ کے سوا نا کوئی یار پھنس گیا یوں مشکلوں میں میرا کار
دکھ تھا بابل کے فرشتوں سا مجھے کی فغاں میں نے کہ اے خالق مرے

## عذاب آخرت کی دشواری اور اس کی سختی

خوف سے ہاروت ماروت آشکار کرلیے بابل کا فرماں اختیار
تا عذابِ آخرت پالیں اِدھر عاقل و چالاک جوں ساحر ہیں گر
جو کیا اچھا کیا تھا حسبِ حال دو دو آتش سے لگا کم یہ وبال
اے مبارک جو بھی کرتا ہو جہاد جو کرے تن پیش وقتِ زجر و داد
اس جہاں کے رنج سے تا ہو رہا خود پہ یہ رنجِ عبادت لے لیا
میں بھی کہتا ہوں خدایا وہ سزا تو اسی عالم میں مجھ پر کر روا
تا فراغت سے رہوں میں اس جگہ اور دمِ درخواست سنکل دی بجا
مجھ میں یہ بیماری ظاہر ہوگئی اس مرض سے میری جاں بےکل رہی
عاجز آیا ذکر سے اوراد سے یاد نیک و بد نہ تھی، خود کی مجھے
گر نہ دیکھا ہوتا میں صورت تری اے مبارک، خود ہے عادت تری
اپنے ہاتھوں خود گیا ہوتا کبھی تم نے غمخواری مری شاہانہ کی
اور کہا دیگر نہ کر ایسی دعا کر نہ دے بنیاد سے خود کو فنا
چیونٹی بے بس تیری قوت کیا بھلا کوہ تجھ سے کوئی کیوں اٹھوائے گا
بولا اے سلطان میں نے توبہ کی کام عجلت سے نہیں لیتا کبھی
یہ جہاں تیہ آپ موسیٰ ہم بجا اپنی پاداشِ گنہ میں مبتلا
راہ طے برسوں کیے پھر بھی اخیر منزلِ اول میں ہی ٹھہرے اسیر

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم اوران کی شرمندگی

قومِ موسیٰ راہ طے کرتی رہی
گامِ اول میں ہی پھنس کے رہ گئی

ہم سے دل موسیٰ کا خوش ہوتا اگر
تیہ رستہ بھی حد آتی نظر

ہم سے ناخوش ہوتے گر موسیٰ بجاں
یوں من و سلویٰ نہ دیتا آسماں

کیا ابلتے سنگ سے چشمے کبھی
دشت میں پاتے اماں ہم جان کی

بلکہ آتی آگ بدلے خوان کے
ہم کو لے لیتی لپٹ میں آپ سے

دو دلی موسیٰ کی ہے یوں آشکار
تھی ابھی دشمن، ابھی ہے اپنی یار

کل اثاثہ خاک اس کے قہر سے
حلم سے تیرِ بلا کو رد کرے

مہر میں تبدیل کب ہوگا غضب
مہرباں! یوں ہو تو ہے کوئی عجب؟

مدح منہ پر ہے غلط اس واسطے
نامِ موسیٰ لینا تھا قصداً مجھے

کب گوارا کرتے خود موسیٰ اسے
غیر کا لیں نام تیرے سامنے

عہد توڑا ہم نے صدہا مرتبہ
کوہ جیسا عہد ثابت تھا مرا

ہے ہمارا عہد اک تنکا زبوں
تیرا جوں کہ کوہساروں سے فزوں

ہے تری قدرت کا تجھ کو واسطہ
رحم کر حالات پر قابو ترا

دیکھا خود کو، دیکھ لی رسوائی بھی
آزمائش بس، نہ کر اس پر ابھی

تا کرے رسوائیاں دیگر نہاں
اے مددگار، اے تو سب پر مہرباں

حد سے بے حد حسن تیرا اور کمال
اور حد نادیدہ ہم اندر ضلال

کر مسلط بے حدی اپنی کریم!
اور کجی بے حد و مٹھی ہم لئیم

باقی اپنے جامہ سے اک تار ہے
ہم تھے شہر، اب بچ کے اک دیوار ہے

شاہ! باقی کچھ جو ہے باقی رہے
تاخوشی پوری نہ شیطاں کو ملے

اپنی خاطر، نا برائے لطفِ تو
جس نے لایا ڈھونڈ کر گمراہوں کو

جب دکھایا زور دکھلا رحم بھی
گوشت چربی میں سمویا رحم بھی

اس دعا سے قہر ہوگا گر سوا
اے خدا ہم کو دعا دیگر سکھا

ویسے ہی جنت سے آدمؑ جب چلے
توبہ وہ، شیطاں سے بچنے کے لیے

دیو کیا آدمؑ سے کیسے بڑھ سکے
ایسی جا پر اُس سے بازی لے سکے

درحقیقت نفع آدمؑ کو ہوا
مکرِ بد وہ لعنتِ حاسد بنا

ایک ہی بازی تھی وہ دو سو نہ تھی
اپنے خیمے کا ستوں کاٹا خود ہی

آگ کشتِ غیر کو اس نے جو دی
باد اسی کے کھیت کو خود لے چلی

دیو جب دھتکار سے اندھا ہوا
مکر میں نقصان دشمن کا ہی تھا

دشمن اس کی جان کا مکر اس کا ہوا
گویا آدمؑ اس کے حق میں دیو تھا

ہے وہی لعنت جو کج بیں کر سکے
حاسد و مغرور و کینہ ور کرے

فاش تا ہوجائے جو بھی بد کرے
وہ خود آخر اس کے اوپر آ پڑے

چال فرزیں بند کی الٹی ہوئی
مات، نقصاں، دیکھا، رسوائی ہوئی

کیوں کہ خود بینی سے رہتا دور اگر
اور سمجھتا زخم کو ناسور اگر

اس سے دل میں درد کی ہوتی نمود
درد خود لے آتا باہر اس کو زود

درد زہ ماؤں کو جب تک نہ ستائے
بچہ باہر رحمِ مادر سے نہ آئے

اس امانت سے دل و جاں حاملہ
یہ نصائح ہیں مثالِ قابلہ

دایہ بولے درد زن کو چاہیے
دفعِ دردِ طفل کا رستہ ہے یہ

وہ جو ہے، ہے درد، رہزن ہے بڑا
کہ ''اناالحق'' دعویٰ ہے بے درد کا

وجہِ لعنت وہ انا، بے وقت کی
اور 'انا' بروقت کے رحمت سبھی

وہ 'انا' منصور کی رحمت تمام
یہ 'انا' فرعون کی لعنت تمام

بے گماں ہر مرغِ بے ہنگام کا
بہرِ عبرت سر قلم ہونا روا

کاٹنا سر، زیر کرنا نفس کو
یعنی کرنا ترک حظِّ لمس کو

چھوڑ دینا نیش کژدم توڑ کر
تا سلامت رہ سکے وہ بے ضرر

توڑتا زہریلے وہ دندانِ مار
بچ سکے تا از بلائے سنگسار

پیر بن مارے نہ کوئی نفس کو — تھام مضبوطی سے دستِ پیر تو
تھامنا سختی سے توفیقِ الٰہ — تیری ہر قوت ہے قدرت کی عطا
تو نہیں پھینکا جو پھینکا، ہے بجا — جان امرِ حق جو کچھ جاں سے ہوا
بس وہی ہے دست گیر و بردبار — اس سے رہتا ہے سدا امیدوار
دور مدّت سے جو تھا بھی غم نہ کھا — دیر گیر و سخت گیر اس کو پڑھا
دیر ہو بھی اس کی رحمت میں ہے زور — تجھ کو وہ پائے سدا اپنے حضور
گر تو چاہے شرحِ افضال و وِلا — غور سے قرآن میں پڑھ تو والضحیٰ
گر کہے تو ہے بدی بھی اس سے ہی — پر کہاں ہے فضل میں اس سے کمی
وہ برائی بھی تو ہے اس کا کمال — صاحبو! اس کے لیے ہے اک مثال

## مثال در بیان معنی نؤمِنُ بِالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَ شَرِّہٖ

نقش دوگونہ بنایا نقش گر — ان میں ہے اک صاف اور گدلا دگر
نقش یوسفؑ کو بنایا خوش سرشت — دیو و ابلیسوں کو دے دی شکل زشت
دو طرح نقاشی ہے اس کا کمال — سب بدی دانائی اس کی بے مثال
خوب کو کرتا چلے وہ خوب تر — تا کہ ہو محظوظ دنیا کی نظر
زشت کو کرتا چلے وہ زشت تر — پرتیں زشتی کو مڑھے اک پر دِگر
صنع کامل اس سے تا ہو آشکار — اس کی استادی کا منکر تا ہو خوار
کر نہ پائے زشت تو ناقص ہوا — پس وہ خالق کافر و مومن بنا
شاہد اس پر مومن و کافر بجا — ان کا سر اس کی عبادت میں جھکا
بندگی مومن کی با جذب و خوشی — چاہیے اس کو رضا اللہ کی
پوجتا ہے گبر یزداں کو ولے — اور شے ہے اس کو پانے کے لیے
قلعہ سلطاں کو بناتا ہے کوئی — پر بباطن ہے وہ باغی مدعی
وہ ہے باغی چاہے ملک اس کا بنے — ہوگا آخر قلعہ سلطاں کے لیے

قلعۂ مومن ہے بہرِ بادشاہ ‏ ‏ وہ نہیں تعمیر کرتا بہرِ جاہ
زشت بولے، خالقِ زشت آفریں ‏ ‏ سب ترے ہیں خوب یا زشتِ مہیں
خوب بولے اے شہِ حسن و صفا ‏ ‏ پاک تونے مجھ کو عیبوں سے کیا
ہے ثنا و شکر کے لائق توہی ‏ ‏ حاضر و ناظر تو حالت پر مری
بس خلاصہ تو نے جو چاہا کیا ‏ ‏ خوب گل، خار کو بد کردیا
ہے وہی اک بادشاہوں کا جو شہ ‏ ‏ کرنے والا وہ جو چاہا کردیا

## آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیمار کو نصیحت کرنا اور دعا سکھانا

بولے پیغمبر پھر اس بیمار کو ‏ ‏ یہ کہ آساں کر ذرا دشوار کو
ہم کو دنیا میں بھلائی کر نصیب ‏ ‏ اور عقبیٰ میں بھلائی کر نصیب
راہ سیدھی جیسے گلشن کر لطیف ‏ ‏ ہے توہی خود اپنی منزل اے شریف
حشر میں پوچھیں گے مومن اے ملک ‏ ‏ کیا نہیں تھی راہِ دوزخ مشترک
مومن و کافر کی یہ اک رہگزار ‏ ‏ کیوں نہیں اس راہ میں وہ دود و نار
یہ ہے جنت بارگاہِ ایمنی! ‏ ‏ ہے کہاں پروہ گزرگاہِ دنی
پس فرشتے بولیں گے وہ اک سبزہ زار ‏ ‏ جو نظر آیا تھا اندر رہ گزار
تھا وہی دوزخ سیاست گاہِ سخت ‏ ‏ تم نے پایا باغ و بستان و درخت
کیوں کہ تم نے نفسِ دوزخ رنگ کو ‏ ‏ یعنی کافر، آتشی و فتنہ جو
جہد کرتے کردیا تم نے صفا ‏ ‏ اور بجھائی آگ از بہرِ خدا
آتشِ شہوت جو شعلہ زار تھی ‏ ‏ تقوے سے نورِ ہدایت بن گئی
آگ غصہ کی تھی جو اب حلم ہے ‏ ‏ جہل کی ظلمت جو تھی وہ علم ہے
تم سے آتش حرص کی، ایثار ہے ‏ ‏ اور وہ خارِ حسد گلزار ہے
آتشیں جو بھی تھیں تم نے آپ ہی ‏ ‏ گامِ اول میں بجھا کر چھوڑ دی
باغ تم نے نفسِ ناری کو کیا ‏ ‏ پھر وفا کا بیج اس میں بودیا

ذکر میں مشغول اندر بلبلاں / نہر کے بازو چمن میں نغمہ خواں
داعیانِ حق کی لی تم نے دعا / اور جحیمِ نفس سے پانی لیا
پس تمھارے واسطے دوزخ جو تھا / بن گیا خود سبزہ و باغ و نوا
بدلہ کیا ہوتا ہے نیکی کا پسر؟ / ''لطف و احسان و ثوابِ معتبر''
تم نہ کہتے تھے فدائی ہیں سبھی؟ / ہم تمھارے آگے ہیں فانی سبھی
خواہ مفلس، خواہ ہم دیوانے ہیں / مست اسی ساقی کے سب پیمانے ہیں
اس کا ہر فرماں ہمیں تسلیمِ جاں / رہن اپنی جان بھی اس کے یہاں
جب تلک دل میں خیالِ یار ہے / جاں نثاری، خدمت، اپنا کار ہے
ہر کہیں شمع بلا روشن ملے / جانِ صدہا عاشقاں جلتی رہے
عاشق اس کے جو درونِ خانہ ہیں / شمعِ روئے یار کے پروانہ ہیں
جا اے دل اس جا ہیں روشن دل جہاں / جوں ذرہ پائے تو ان کے ساتھ اماں
تیری جاں میں ظرف تا پیدا کریں / اس میں پھرتا بادۂ الفت بھریں
ان کے دل میں تو بنالے اپنا گھر / ہو مہِ روشن ترا گھر چرخ پر
جوں عطارد دفترِ دل کھول دیں / سرِّ پنہاں فاش تجھ پر تا کریں
پیشِ خویشاں کیوں ہے یوں آوارہ تو / چاند سے جڑ جا ہے گر مہ پارہ تو
کُل سے ملتے جزو کو یہ عار کیوں / اور مخالف سے بھلا یہ پیار کیوں
نوع پیدا جنس سے بڑھتے ہوئے / غیب بھی بنتے ہوئے حاضر بنے
دھوکہ مثلِ زن نہ کھا اے پُر خرد / جھوٹ، دھوکے سے نہیں ملتی مدد
لفظ میٹھے ہیں خوشامد اور فریب / تو قبولے مثلِ زن ڈالے بہ جیب
سرزنش، شاہوں کے چانٹے ہی بھلے / ہیں تجھے گمراہوں کی تعریف سے
چانٹا کھا، شہ کا نہ کھانا شہدِ خس / تا ہو اقبالِ کساں سے تو بھی کس
ان سے خلعت، ان سے دولت بھی ملے / اور بفیضِ روح تن جاں بن سکے
جس جگہ دیکھے برہنہ ، بے نوا / جان ہے استاد سے بھاگا ہوا

تا کہ جوں دل چاہے ویسا بن سکے — کور دل، ناکام اور ناخوب سے
چاہے جوں استاد گر تو ہوگیا — خود کو خلقت کو کرے آراستہ
بھاگے جو استاد سے اندر جہاں — وہ کرے گا اپنی دولت کا زیاں
کسبِ تن کا پیشہ سیکھا ہے بجا — پنجہ زن ہو کسب دیں پر بھی ذرا
چھپ رہا دنیا میں تو نامرد تھا — کیا کرے گا جب تو باہر آئے گا
سیکھ وہ پیشہ بھی اندر آخرت — نفع دے اور پائے اس سے مغفرت
شہر و بازار و کمائی کیا نہیں؟ — یہ نہیں لیکن کہ سب کچھ ہے یہیں
حق نے فرمایا کہ یہ کسبِ جہاں — اس کے آگے جیسے شغلِ کو دکاں
جس طرح بچہ پہ اک بچہ چڑھے — چمٹے رگڑے جس طرح صحبت کرے
کھیل بچوں کا لگاتے ہیں دکاں — وقت ضائع صرف، سود اس میں کہاں
آیا شب کو بھوک کا مارا ہوا — چل دیے بچے وہ تنہا رہ گیا
ہے تماشا گہ جہاں اور موت شب — جیب خالی، لوٹے گھر کو پُر تعب
قبر کو چلتے تو تنہا رہ گیا — نالہ و واحسرتا کہتا چلا
کسبِ دیں کیا؟ عشقِ حق، جذب و سرور — قابلیت؟ نورِ حق، اے پرغرور
کسب فانی چاہتا ہے نفسِ خس — یہ کمینہ کسب کب تک چھوڑ بس
نفسِ خِس چاہے جو کسبِ پاک بھی — اس کے پیچھے مکر و حیلہ ہے کوئی

## شیطان کا حضرت امیر المومنین معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیدار کرنا کہ اٹھیے نماز کا وقت ہے

ہے خبر میں مومنوں کے خال جب — تھے محل میں اپنے خفتہ ایک شب
بند اندر سے کیے تھے اپنا در — مل کے ملنے والوں سے تھے خستہ تر
ناگہاں مرد اک دیا ان کو جگا — آنکھ جب کھولے وہیں وہ چھپ گیا
راہ اندر قصر کے کوئی نہ تھی — کون خاطی ہے یہ جرأت کس نے کی
گرد پھر کر جستجو کی اس زماں — تا لگائیں چھپنے والے کا نشاں

در کے پیچھے ایک مدبر تھا وہاں    پیچھے پردے کے تھا منہ اس کا نہاں
پوچھا تو ہے کون تیرا نام کیا    نام ابلیسِ شقی اس نے کہا

## حضرت امیر المومنین معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب دینا

پوچھا تو مجھ کو جگانے کیوں چلا    الٹی باتیں چھوڑ سب سچ سچ بتا
بولا ہنگامِ نماز آخر ہوا    سوئے مسجد دوڑ کر جانا پڑا
فوت سے پہلے عبادت ہو ادا    ہے یہی معنیِ قولِ مصطفیؐ
نہ نہ یہ مقصد نہیں ہوگا ترا    ہو براہِ خیر تو رہبر مرا
چور آئے چھپ کے مسکن میں مرے    بولے آیا پاسبانی کے لیے
کیسے میں باور کروں گا دزد کو    دزد کیا جانے ثواب و مزد کو
خاص تجھ سا چور، تجھ سا راہ مار    ہو نہیں سکتا کسی صورت وہ یار

## شیطان کا دوسری بار حضرت امیر المومنین معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جواب دینا

بولا وہ پہلے ملائک سے تھے ہم    راہِ طاعت دل سے طے کرتے تھے ہم
سالکانِ راہ کے محرم تھے ہم    ساکنانِ عرش کے ہمدم تھے ہم
پیشہ پہلا کب بھلایا جائے گا    پیار دل سے کیوں مٹایا جائے گا
روم کو جاؤ کہ تم جاؤ ختن    دل سے مٹ سکتی ہے کب حبِّ وطن
ہیں اسی مے کے شرابی ہم سبھی    اس کی درگہ کے فدائی ہم سبھی
نال اپنی اس کی الفت میں کٹی    اس کی الفت جان میں بوئی گئی
اچھے دن دیکھے ہیں اندر روزگار    آبِ رحمت بھی پیے اندر بہار
دستِ فضل اس کا ہمیں بویا نہیں    بود و عدم سے ہم کو کیا بخشا نہیں؟
ہم نے دیکھا ہے کرم کئی طرح کا    ہاں تھے ہم بھی سائرِ باغِ رضا
دستِ رحمت اس کا تھا بالائے سر    ہم پہ بھی تھی اس کی شفقت کی نظر

شیرخواری، اس مری طفلی میں بھی
مجھ کو جھولے میں جھلاتا تھا وہی

دودھ کس سے میں بجز اس کے پیا
کس نے پالا ہے مجھے اس کے سوا

دودھ کے ہمرہ جو خو تن میں گئی
کیوں جدا انساں سے کر پائے کوئی

گر کرے غصہ وہ دریائے کرم
بند بھی ہوں گے وہ درہائے کرم

بس کہ اس کی بخشش و لطف و عطا
قہر گویا جھول ہے اس پر چڑھا

اس نے دنیا کو بنایا مہر سے
اس پہ ذرّوں کو نوازا مہر سے

ہجر اگر مملو ہے اس کے قہر سے
وہ ہے قدرِ وصل کو پہچانیئے

دے گی جب جاں کو جدائی گوش مال
ہوگی جاں کو قدرِ ایامِ وصال

بولے پیغمبرؐ کہا حق نے یہی
خلق سے مقصود ہے احسان ہی

تا اٹھائیں فائدہ پیدا کیا
تا کہ میرے شہد کا چکھیں مزا

فائدہ مطلب نہیں اس سے مجھے
کیوں اتاروں جامہ ننگے جسم سے

چند دن وہ دور ہے درگاہ سے
چہرہ اس کا خوش نظر آیا مجھے

ایسا چہرہ اور قہر اس پر عجب
ہر کوئی مشغول ہے اندر سبب

میں نہ ڈھونڈوں گا سبب حادث ہے وہ
یعنی حادث کے لیے باعث ہے وہ

لطفِ اول کا نظارہ کرتا ہوں
جو بھی حادث ہے دوبالا کرتا ہوں

ترکِ سجدہ ہے حسد کی وجہ سے
کافری کیا وہ ہے باعث عشق کے

دوستی سے ہے حسد پیدا یقیں
غیر ہوگا دوست جس دم ہم نشیں

ہوتی ہے یاری میں غیرت لازمی
چھینک پر کہتے ہیں جوں ''تادیر جی''

جب دگر بازی نہ تھی اس کے سوا
کھیل بولا، بڑھ کے کیا جانوں بھلا

کھیلی بازی میں نے جو تھی ایک ہی
کیا مصیبت میری جاں پر آپڑی

ہوں بلا میں قائلِ لذات میں
مات ہوں میں، مات ہوں میں، مات میں

کوئی خود کو کیوں چھڑائے پاک جاں
چھ جہت چھ درّے ہیں گڈ مڈ یہاں

کل شش سے جزوِ شش کیوں کر بچے
خاص کر بے مثل جب ٹیڑھا کرے

چھ جہت کی آگ میں ہے جو کوئی　　اس کا ناجی خالق شش جہت ہی
کفر ہے وہ یا کہ وہ ایمان ہے　　اس کی ہی مخلوق اس کی آن ہے

## امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ابلیس کے سامنے دوبارہ تقریر کرنا

بولے پھر اس سے امیرالمومنین　　لیکن اس میں تیرا کچھ حصہ نہیں
مجھ سے لاکھوں کو تو بے راہ کردیا　　نقب کرکے تو خزینہ میں چلا
آگ تو، میں نہ جلوں، چارہ نہیں　　کس کا جامہ، تجھ سے جو پارہ نہیں
آگ تو تجھ میں جلانے کی ہے خو　　گر جلانے سے رہے کیا چیز تو
خوئے بد سب کچھ جلانے کی تجھے　　تو معلّم جملہ چوروں کے لیے
کہنا ، سننا تیرا رب کے روبرو!　　مکر تیرا کیا، کہاں میں، اے عدو!
معرفت تیری ہے سیٹی کی مثال　　مرغ کی بولی نہیں، ہے تیری چال
لاکھوں طائر کے لیے تو راہ مار　　مرغ اس دھوکے میں تن جاتا ہے یار
آتی ہے کانوں میں آوازِ صفیر　　مرغ اتر آتا ہے ہوتا ہے اسیر
حالِ قوم نوحؑ تجھ سے درد ناک　　دل کباب اور سینہ ان کا چاک چاک
عاد کو برباد دنیا میں کیا　　کرکے ان کو رنج وغم میں مبتلا
تجھ سے آلِ لوط پر اترا عذاب　　ہوگئے سب غرق اندر گندہ آب
تجھ سے بھیجا بہہ گیا نمرود کا　　تونے فتنے کردیے صدہا بپا
فلسفی فرعون گرچہ تھا ذکی　　ہوگیا کور، عقل بھی ماری گئی
بو لہب نا اہل تجھ سے ہوگیا　　بوالحکم بوجہل تجھ سے ہوگیا
اے کہ بازی میں زبہرِ یاد تو　　مات کر ڈالا ہزار استاد کو
اے کہ فرزیں چال مشکل ہے تری　　دل جلائے، ہے سیہ دل آپ ہی
خلق قطرہ، تو ہے دریا مکر کا　　ہے سلیماںؑ ذرّہ، تو کہسار سا
اے لڑاکو کون تجھ سے بچ سکے　　غرق سب جز اس کے حق جس کو رکھے

فق ستارے نیک تیری وجہ سے ۔۔۔ اور سپاہی فوج کے بکھرے ہوئے
دیں سلیمانؑ تجھ سے کیسے کھوچکے ۔۔۔ سر جھکائے قعرِ دوزخ میں چلے
یاس سے بڑھ کر ملا بلعم کو کیا ۔۔۔ تجھ سے برصیصا بھی کافر ہوگیا

## پھر سے ابلیس لعین کا حضرت امیر المومنین معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بار سموم

بولا شیطاں کھولیے گانٹھیں ذرا ۔۔۔ جانتا ہوں کیا ہے کھوٹا کیا کھرا
حق نے کلب و شیر کی دی ہے تمیز ۔۔۔ مجھ کو قلب و نقد کی بھی ہے تمیز
قلب کا منہ میں نے کب کالا کیا ۔۔۔ صیرفی ہوں اس کی قیمت دی لگا
رہنمائی ٹھیک لوگوں کی کروں ۔۔۔ اور بدوں کی پیشوائی بھی کروں
نیکوں کا مامن، میں ان کا رہنما ۔۔۔ یاری بدکاروں سے میرا مشغلہ
باغباں ہوں شاخِ تر پالوں گا میں ۔۔۔ خشک شاخیں کاٹ کر رکھوں گا میں
ڈالتا ہوں میں یہ چارا کس لیے ۔۔۔ جنسِ حیواں تاکہ ظاہر ہوسکے
کُتیا جب آہو بچہ دے گی جنم ۔۔۔ کتا ہے یا ہے ہرن اس شک میں ہم
گھاس ، ہڈی دونوں اس کو پیش کر ۔۔۔ دیکھ جاتا ہے وہ پھرتی سے کدھر
کتّا ہے ہڈی گر اس کو چاہیے ۔۔۔ گھاس گر چاہے ہرن ہے نسل سے
جب کہ قہر و مہر ہیں باہم دگر ۔۔۔ ان سے پیدا ہے جہانِ خیروشر
گھاس ہڈی دونوں کو تو پیش کر ۔۔۔ قوتِ نفس و قوتِ جاں کو پیش کر
گر غدائے نفس چاہے ہے برا ۔۔۔ روح کی چاہے غذا تو ہے بڑا
تن کی خدمت گر کرے وہ ہے گدھا ۔۔۔ بحرِ جاں میں جائے موتی پائے گا
گرچہ دونوں مختلف ہیں خیروشر ۔۔۔ مشغلہ دونوں کا ہے ایک ہی مگر
انبیاء کو ذوق ہے طاعات کا ۔۔۔ دشمنوں کو شوق ہے شہوات کا
نیک کو بد کیوں کروں، کیا ہوں خدا؟ ۔۔۔ داعی ہوں میں، ان کا خالق کیوں ہوا؟
رب نہیں میں، نیک کو بد کیوں کروں ۔۔۔ بلکہ خوب و زشت کا آئینہ ہوں

کالا پھینکا آگ میں آئینے کو / کر کے کیوں دکھلایا مجھ کو زشت رو
بولا آئینہ نہیں میری خطا / وہ ہے مجرم، میرا منھ کالا کیا
وہ چغل خور اور سچا کردیا / تا دکھاؤں یہ ہے بد اور وہ بھلا
ہوں گواہ، ہے قید شاہد کو کہیں؟ / ہے گواہ زنداں کہ میں قیدی نہیں
ہر کہیں اشجار پیدا میوہ دار / تربیت کرتا ہو ان کی دایہ وار
جھاڑ سوکھا، کڑوا گر کوئی ملے / کاٹتا ہوں گندگی سے تا بچے
باغباں کو ، خشک بولے اے فتا! / سر مرا کیوں کاٹتا ہے بے خطا
باغباں بولے، خموش اے زشت خو / جرم خشکی ہے ترا، مجرم ہے تو
خشک بولے راست ہوں کیا ہے کمی / کاٹتا ہے بے خطا کیوں جڑ مری
بولے مالی خوب ہی ہوتا اگر / ٹیڑھا بھی رہتے تو ہوتا کاش تر
آبِ حیواں جذب کرسکتا اگر / رہتا آبِ زندگی میں ڈوب کر
تخم بد تیرا تو بد اصلی رہا / وصل اچھے جھاڑ سے تیرا نہ تھا
جوڑیں اچھے سے جو شاخِ تلخ کو / تلخ میں آجائے اچھائی کی خو
دین کی خاطر جگایا آپ کو / میری یہ عادت ہوئی، یہ اصل خو

## امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ابلیس کے ساتھ سختی کرنا

بولے حضرت رکھ تری حجت ادھر / رہ نہیں مجھ میں تلاشِ رہ نہ کر
تو ہے رہزن میں ہوں تاجر در سفر / میں نہیں جاؤں گا تیری بھیس پر
چھوڑ پھرنا گرد میرے مال کے / تو نہیں ہے مولنے والا اسے
مشتری ہوتا نہیں ہے راہزن / مولنے والا لگے تو مکر و فن

## شیطان کے مکر سے امیر المومنین کا اللہ تعالیٰ سے نالہ کرنا اور مدد چاہنا

جانے حاسد چل رہا ہے چال کیا / سن مری فریاد، عدو ہے یہ مرا

گفتگو بارِ دگر یہ گر کرے — میرا نمدا یہ اڑا کر لے چلے
اس کی باتیں جوں دھواں ہیں اے اللہ — تھام ورنہ ہے مری چادر سیاہ
جیت مشکل وقت حجت با بلیس — وہ ہے فتنہ بہر شرفا و خسیس
علم اسما کے امیر آدم جو تھے — مات آگے اس کی بجلی چال کے
خاک پر جنت سے وہ پھینکے گئے — پھنس کے وہ کانٹے میں رتبہ کھو دیے
لب پہ تھی اِنّا ظلمنا کی فغاں — حد فریب و مکر کی اس کے کہاں
شر ہے ہر ایک بات میں اس کے یہاں — اور ہزاروں سحر ہیں اس میں نہاں
مرد کی مردی کو مارے پھونک سے — مشتعل وہ شوقِ مردوزن کرے
''اے بلیسِ خلق سوز و فتنہ جو'' — کیوں جگایا مجھ کو سچ سچ بول تو
حیلہ بازی کو نہیں جا میرے ہاں — تیری اس میں کیا غرض ہے کر بیاں

## پھر امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے اپنی مکاری کی تقریر

بدگماں ہوجائے جب انساں کوئی — وہ نہ مانے ہوں دلیلیں لاکھ بھی
جس کا باطن شک میں ہوگا مبتلا — جب دلیل آئے گی شک بڑھ جائے گا
دل میں جائے بات بیماری بڑھے — سیفِ غازی چور کا آلہ بنے
ہے جواب اس کا خموشی اور سکوں — گفتگو پاگل سے کرنی ہے جنوں
ڈر خدا سے مانگ چھٹی نفس کی — اس کے شر سے قید میں ہے تو ابھی
کیوں مرا شکوہ خدا سے اے سلیم — کرتو شکوۂ فتنۂ نفسِ لئیم
حلوا کھائے ہوگا دمبل بھی تجھے — بگڑے صحت تیری اور تپ بھی چڑھے
کیوں یہ لعنت بے گنہ ابلیس کو — خود سمجھتا کیوں نہیں تلبیس کو
یہ نہیں شیطاں کا، خود تیرا ہے کام — لومڑی جوں سوئے دنبہ تیرے گام
دیکھا تونے سبزہ میں دنبہ اِدھر — دام ہوگا روبہ تجھ کو کیا خبر
کیسے جانے تو رہا دانش سے دور — دنبہ دیکھا ہوگئی بس عقل کور

حُبِ اشیا کرتی ہے کیا کور و کر
نفسِ بد کا ظلم ہے جھگڑا نہ کر

چھوڑ تہمت مجھ پہ کج مج دیکھ کر
میں ہوں حرص وکیں سے بد سے دور تر

ہوں عناصر مختلف تو حرص و کیں
چار عناصر کے میں گھیرے میں نہیں

ہے بھروسہ مجھ کو اپنا درد و سوز
تاک میں ہوں ہوگی کب دیجور روز

متہم لوگوں میں ہوں میں ہر زمن
میں نشانہ بہرِ کارِ مرد و زن

بھیڑیا ہے بھوک کا مارا مگر
متہم ہے کیوں کہ ہے با کرّ و فر

راہ چل سکتا نہیں وہ ضعف سے
کہتے ہیں کھا کر ہے بدہضمی اسے

## حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شیطان سے مقصد کی حقیقت پھر معلوم کرنا

بولے تو سچ بن نہیں ہوگا رہا
راستی پر ہے تقاضا داد کا

بول سچ مجھ سے خلاصی پائے گا
مکر بدلے گا نہ عالم جنگ کا

بولا کیوں پائے گا سچ اور جھوٹ کو
شک کا مارا ہے پُر از اوہام تو

بولے آقاؐ نے نشاں بتلادیا
وہ محک ہے ہم کو قلب و نقد کا

بولے دل میں جھوٹ شک پیدا کرے
اور دلجمعی خوشی سچائی سے

دل نہ پائے جھوٹ سے راحت کبھی
تیل میں پانی، کہاں پھر روشنی

ہے خبر سچائی ہے آرامِ دل
یعنی ہے سچ دانہ جوں در دامِ دل

دل مگر بیمار منھ بدذائقہ
اِس کا اُس کا جانے وہ کیوں کر مزا

رنج و علت سے ہے دل محفوظ اگر
جھوٹ سچائی سے ہوگا باخبر

حرصِ گندم دل میں آدمؑ کے بڑھی
دل سے آدمؑ کے تحفظ لے گئی

پس ترے جھوٹ اور دھوکے میں پڑا
کھا کے دھوکا زہر قاتل پی لیا

فرق گیہوں بچھو کا بس کھو گیا
بوالہوس تمییز کے قابل نہ تھا

لوگ ہیں مدہوشِ حرص و آرزو
پا نہیں سکتے وہ تیرے مکر کو

جس کسی نے حرص کی خو چھوڑ دی
بات پالیتا ہے از خود راز کی

داستاں میں جس طرح کہتے ہیں سب
سن کہ عقدہ آپ کھل جائے گا اب

## قاضی کی مصیبت کا شکوہ کرنا اور اس کے نائب کا جواب

پا کے منصب قاضی کا وہ رودیا — بولا نائب روتے ہو کیوں قاضیا
جا نہیں یہ گریہ و فریاد کی — جا ہے یہ شادی مبارکباد کی
بولا انجانا کرے کیا فیصلہ — وہ ہے جاہل درمیان دوسرا
خصم دونوں واقعہ سے باخبر — قاضیِ مسکیں نہ جانے ذرّہ بھر
جاہل و غافل ہے ان کے حال سے — ان کے جان و مال میں کیوں دخل دے
با خبر ہیں خصم وہ بیمار بھی — بے خبر تم شمع ہو پر قوم کی
بے غرض اس باب میں ٹھہرے تم ہی — تیز آنکھوں کی اسی سے روشنی
وہ دو عالم ہیں غرض سے اپنی کور — ہے غرض سے علم ان کا نذر گور
جہل کو بے علتی عالم کرے — اور غرض ہی علم کو ظالم کرے
جب تلک رشوت نہ لے بینا ہے تو — طمع ہو تو بندہ ہے اندھا ہے تو
کردیا خود کو ہوس سے میں جدا — لقمے شہوت کے نہیں بھائے ذرا
راست کا طالب مرا دل بافروغ — جانتا ہے راست کیا ہے کیا دروغ

## حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شیطان سے اقرار کرالینا کہ اس نے کیوں جگایا

لعنتی کتّے ترا کہنا ہے کیا؟ — سچ بتادے، جھوٹ سے باہر تو آ
ہاں بتا بیدار تونے کیوں کیا — تو ہے بیداری کا دشمن پُردغا
تو ہے جوں خشخاش پیکر خواب پا — بادہ جوں دشمن ہے عقل و ہوش کا
چار کھونٹوں کا بندھا ہے بول سچ — جانتا ہوں راست، حیلوں سے نہ بچ
میری ہرکس سے توقع ہے کہ وہ — ہوگا مالک طبع و خود کا جو بھی ہو
سر کہ میں شکر نہ ڈھونڈوں گا کبھی — میں نہ مانوں ہیجڑے کو لشکری
میں نہ پوچھوں بت سے جوں کافر کبھی — حق ہے تو یا آیتِ حق ہے کوئی

میں نے گوبر سے نہ چاہا بوئے مشک
نہر میں ڈھونڈا نہیں میں اینٹ خشک

پاسبانی دزد کو دوں گا نہ میں
مزدے بے محنت کبھی لوں گا نہ میں

کیسی شیطاں سے توقع، وہ ہے غیر
کہ جگانے مجھ کو بہرِ کار خیر

## شیطان کا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دل کی بات کو سچ کہہ دینا

مکر و عذر ابلیس نے بے حد کیا
کچھ نہ سن کر میر نے سب رد کیا

عجز سے شیطاں بتایا اس لیے
اے فلاں میں نے جگایا ہے تجھے

باجماعت تا ادا کرلیں نماز
جس طرح پیغمبرؐ دولت فراز

گر عبادت وقت سے جاتی گزر
بے ضیا لگتا جہاں تاریک تر

بہہ نکلتے درد اور نقصاں سے اشک
دونوں آنکھوں سے تمھاری جیسے مشک

ہر کوئی کرتا ہے طاعت ذوق سے
دیر دم بھر کی گوارا کیا کرے

ہوتا اس کا درد جیسے سو نماز
وہ عبادت کیا! کہاں نورِ نیاز

## نماز باجماعت فوت ہوجانے پر اس شخص کے افسوس کی فضیلت

جارہا تھا کوئی مسجد میں تبھی
آرہے تھے لوگ مسجد سے سبھی

پوچھا اس نے کیا جماعت کا ہوا
زود کیوں مسجد سے یوں آنا پڑا

بولا پیغمبرؐ نے کرڈالی ادا
باجماعت وہ نماز اور کی دعا

جارہا ہے تو کدھر اے مردِ خام
پھیر ڈالا ہے پیغمبرؐ نے سلام

آہ اک پُردرد جب آئی بروں
آئی اس کے ساتھ دل سے بوئے خوں

بس کر آہ و نالہ دیگر نے کہا
لے عبادت ہے تجھے میری عطا

بولا لے دی آہ اور پائی نماز
اور قبولا آہ کو با صد نیاز

وہ جو با درد و تضرّع چل دیا
بن گیا شہباز پہلے باز تھا

خواب میں آئی اسے غیبی صدا
تو خریدا آبِ حیواں و شفا

اختیارِ آہ و نالے کا صلہ
سب کی طاعت کو قبولیت عطا

## شیطان کا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنے مکر وفریب کے اقرار کر لینے کا نتیجہ

بولا شیطاں اے امیرِ ہوشیار      مکر کرنا چاہیے اب آشکار
فوت جس دم ہوگئی طاعت تری      درد دل سے تو کرے گا آہ بھی
وہ تاسف وہ فغاں اور وہ نیاز      اس کے آگے کیا دو سو رکعت نماز
ڈر سے میں بیدار تجھ کو کردیا      آہ تیری تا نہ دے پردے جلا
ہو نہ حالِ آہ ویسی ہی تجھے      اور میسر راہ بھی ویسی تجھے
کیوں کہ حاسد ہوں حسد سے کردیا      میں ہوں دشمن مکر و کینہ مشغلہ
رہ نہ غافل، مکر دیکھا ہے مرا      گرچہ تو صدر جہاں بن جائے گا

## بعد از اقرار امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب دینا

بولے اب یہ تونے سچی بات کی      تجھ سے ہوگا یہ، ترے لائق یہی
تو تو مکڑی ہے تیرا مکھی شکار      میں نہیں مکھی نہ لے خود پر یہ بار
باز اجلا، صید مجھ کو شہ کرے      گرد میرے کوئی مکڑی کیوں پھرے
یہ تیرا کام اور کرتا ہے یہی      چھاچھ پر لائے تو مکھی شہد کی
جا تو اپنا وار مکھی پر چلا      مکھیوں کو چھاچھ کی جانب بلا
گر بلائے تو بسوئے انگبیں      جھوٹ وہ، بس چھاچھ ہوگی بالیقیں
تو جگایا میں جو محوِ خواب تھا      ناؤ دکھلایا تو وہ گرداب تھا
ہاں بلایا خیر کی جانب مجھے      تا ہنکائے مجھ کو بہتر خیر سے

## چور کا بچ نکلنا ایک شخص کے پکارنے کی وجہ سے گھر کے اس مالک کو جو قریب تھا کہ وہ چور کو پکڑ لے

بات یوں ہے چور کو دیکھا کوئی      پیچھے اس کے گھر میں وہ دوڑا تبھی
پیچھے پیچھے دور تک دوڑے چلا      تر پسینے میں مشقت سے ہوا

حملے میں نزدیک اس کے آ گیا
جست میں اس کو پکڑنے ہی کو تھا

دوسرا اک چور ادھر بولا کہ آ
تا کہ دیکھے تو علاماتِ بلا

جلد آ کر لوٹ جا اے مردِ کار
دیکھ لے آ کر یہاں کا حالِ زار

جب سنا وہ ہوگیا اندیشہ ناک
خود میں بولا چل مرا یہ جامہ چاک

بولا ممکن ہے کہ ہو چور اک اُدھر
گر نہ لوٹوں مجھ پہ آئے گا اِدھر

بیوی بچے پر نہ ہاتھ اس کا پڑے
کیا ملے گا مار کر اِس کو مجھے

ہوگا یہ مسلم بلائے لطف سے
گر نہ جاؤں ہو پشیمانی مجھے

نیک خواہ سے لطف کی امید تھی
چور چھوڑا واپس اپنی راہ لی

پوچھا یارِ نیک کیا ہے واقعہ
تیری شورش کی بتا ہے وجہ کیا

بولا یہ نقشِ قدم ہے چور کا
دیکھ وہ دلالِ زن ایسا چلا

دیکھ اس دیوث کے یہ نقشِ پا
اس نشان و نقش کے پیچھے تو جا

بولا پاگل مجھ کو تو کہتا ہے کیا
چور کو اس دم پکڑنے والا تھا

چور کو چھوڑا میں تیرے شور سے
اے گدھے میں آدمی سمجھا تجھے

کیا ہے یہ بیہودہ بکواس اے فلاں
اصلیت پالینے کا کیا ہے نشاں

میں نشانی ٹھیک دیتا ہوں تجھے
یہ نشاں معلوم کیا سچ ہے مجھے

پوچھا ہے عیار یا پاگل کوئی؟
تو ہے بلکہ چور اور جانے سبھی

کھینچتا بالوں سے اس کے خصم کو
خود اسے تونے بچایا دیکھ تو

تم سبب اور میں سبب سے ماورا
وصل کے آگے دلائل کیا بھلا

صنع وہ دیکھے نہ جانے جو صفات
ہے صفت میں وہ جو ہے گم کردہ ذات

ذات میں ہیں غرق واصل اے پسر
کب صفت پر ان کی جاتی ہے نظر

چونکہ اندر قعر جو ہے تیرا سر
رنگ پر پانی کے کیوں جائے نظر

قعر سے آئے جو رنگِ آب پر
شال کھوکر ٹاٹ پائے گا اِدھر

عام کی طاعت گناہِ خاصگاں
پردہ خاصاں وصالِ عامیاں

## بادشاہ کے اس وزیر کا قصہ جس کو بادشاہ نے وزارت سے معزول کر کے کوتوالی دی

کوتوالی شہ جو دے دیوان کو — شہ نہیں ہے دوست اس کا ہے عدو
تھا گنہ گاری کا ملزم وہ وزیر — تھا سبب سے وہ تغیر ناگزیر
چوں کہ اول محتسب تھا آپ ہی — بخت سے تھی اولیں روزی وہی
پر جو دیواں شہہ کا تھا اول سے ہی — محتسب اس کو بنانا ہے بری
آستاں پر شاہ گر تجھ کو بلائے — آستاں سے پھر اگر تجھ کو ہٹائے
تو یقیناً جرم کچھ تجھ سے ہوا — جہل سے تو جبر ظاہر کردیا
میری روزی میری قسمت جب یہ تھی — میرے ہاتھوں کل وہ دولت کیوں رہی
تونے کاٹی اپنی قسمت وجہ جہل — خوب تر قسمت بنائے مردِ اہل
کج روی کی ہے مثل تیرے لیے — ہے مناسب نصِ قرآں سے سنے

## منافقوں کا اور ان کے مسجد ضرار بنانے کا قصہ

بازیاں ایسی ہی اندر جفت و طاق — کھیلتے تھے بانیؑ اہلِ نفاق
کہہ کے بہرِ عزِّ دینِ احمدیؐ — کی تھی مسجد، وہ تھی بہرِ مرتدی
الٹی بازی اس طرح کھیلی گئی — ہوتے مسجد کے بنی مسجد نئی
فرش، چھت، قبّہ سب ہی آراستہ — جمع میں مقصد تھا لانا تفرقہ
لابہ کرتے آئے وہ پیشِ نبیؐ — بیٹھے زانو ٹیکے جوں اُشتر کوئی
اے رسول اللہؐ از راہِ کرم — تا بہ مسجد لایئے اپنے قدم
پاک تا اقدام سے ہو وہ مقام — تا قیامت زندہ باد آقاؐ کا نام
یہ ہے بارش و ابر کے دن کے لیے — یہ ہے حاجت وصبر کے دن کے لیے
تا مسافر پاسکے خیر اور جگہ — بہرِ خدمت ہوں بہت ایسی سرا
کارِ دیں بھرپور ہو بڑھتا رہے — تلخ بھی خوش ساتھ یاروں کے لگے

اس جگہ کچھ دیر کو آپ آیئے
تزکیہ و معرفت سکھلایئے
سوئے مسجد و اہلِ مسجد آیئے
ہم شب اور تم مہ کرم فرمایئے
ہو تمھارے نور سے شب جملہ روز
اے تمھارا حسن مہرِ جاں فروز
دل سے ہوتیں کاش یہ باتیں ادا
ہوتا مقصد ان کا حاصل برملا
بے دل و جاں ہو زبانی بات جو
قابلِ رد گھور کا سبزہ ہے وہ
دور سے ہی دیکھتے اس کو گزر
سونگھنے کھانے کی وہ شے ہے کدھر
بے وفا کی مہربانی پر نہ جا
وہ ہے ٹوٹا پل ترے کس کام کا
پاؤں انجانا رکھے اس پر کوئی
ٹوٹے پل کے ساتھ اس کا پاؤں بھی
ہار دیکھا ہر جگہ لشکر جہاں
پاؤگے اک دو مخنث تم وہاں
با سلاح ہیں صف میں گو مردانہ وار
ان کو کرتے ہیں تصور یارِ غار
زخم کھائے ہوگئے پسپا تبھی
ان کے جانے سے تری ہمت گئی
قصہ لمبا ہے یہ بڑھتا جائے گا
اور تو مقصود کو گم پائے گا

## منافقوں کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بہکانا تا کہ مسجد ضرار میں لے جائیں اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی صبر سے ان کے مکر کو ظاہر نہ کرنا

وہ کئی منتر پیغمبرؐ پر پڑھے
گھوڑے مکر و حیلے دوڑا چکے
کی، خوشامد اور منتر بھی پڑھے
مکر کی دعوت بھی وہ کرتے رہے
رحم خو اور وہ رسولِؐ مہرباں
کچھ نہ کہتے جز تبسم اور ہاں
اس جماعت کو کہا بس شکریہ
اور قبولیت سے شاداں کردیا
کھل کے آیا آگے ان کے چُل کا حال
یک بیک جوں دودھ کے اندر کا بال
کردیے اس بال کو صرفِ نظر
اور سراہے دودھ کو عالی گہر
مکر، دھوکے کے ہزاروں بال تھے
آنکھ اپنی بند ان سے کرلیے
ٹھیک فرمائے ہیں وہ بحرِ کرم
مہرباں تم سے سوا تم پر ہیں ہم

جس طرح بیٹھے کنارے آگ کے
اور بھڑکتے شعلے وہ ناخوش لگے

جوں پتنگے تم اِدھر دوڑے چلے
میں دو ہاتھوں سے ہٹانے کے لیے

جب لگے چلنے پیغمبرؐ ان کے ساتھ
بانگِ حق آئی نہ سن شیطاں کی بات

مکر و حیلہ ان خبیثوں نے کیا
جو کہا ان لوگوں نے الٹا کہا

قصد ان کا جز سیہ روئی نہیں
چاہے کب ترسا ، یہودی خیرِ دیں

پلِ دوزخ ہے وہ مسجد جو بنی
چال دھوکے کی انھوں نے ہے چلی

قصد ان کا فرقِ اصحابِ رسولؐ
فضلِ حق پہچانیں کیا یہ بوالفضول

لائیں تا وہ اک یہودی شام سے
ہیں یہودی اس کے دلدادہ بڑے

بولے پیغمبرؐ بجا یہ سب مگر
گامزن ہیں ہم غزا کی راہ پر

اس سفر سے جب میں واپس آؤں گا
زود اس مسجد کی جانب جاؤں گا

دفع کرکے ان کو سوئے غز چلے
مکر والوں کو کیے رد مکر سے

غزوے سے لوٹے تو پھر وہ آگئے
وعدہ ماضی پہ تھے تکیہ کیے

یا نبیؐ حق نے کہا سچ بول دو
عذر کرلو، جنگ ہونی ہو تو ہو

بولے اے مکار لوگو چپ رہو
تا نہ کھولوں میں تمھارے بھید کو

بولے ہاں دشمن ہو تم بدخواہ ہو
میں نہ آؤں گا مجھے تم چھوڑ دو

ان کے بھیدوں سے نشاں کچھ کے جو تھے
کھل گئے، کام ان کے مشکل میں پڑے

قاصداں لوٹے وہاں سے اس زماں
حاش للہ حاش للہ بر زباں

ہر منافق ساتھ قرآں کو لیے
آیا پیغمبرؐ کی جانب مکر سے

ہے قسم اک ڈھال ان کے واسطے
وہ قسم کھاتے ہیں سنت مان کے

مردِ کج ہوتا نہیں ہے دیندار
توڑتا ہے اپنی قسمیں بار بار

سچے لوگوں کو قسم کب ہے ضرور
روشن ان کی دونوں آنکھیں جملہ نور

عہدو پیماں توڑنا ہے احمقی
حفظِ ایمان و وفا کار تقی

بولے در بابِ قسم یوں مصطفیٰ
ٹھیک ہے وہ یا کہ پیغامِ خدا

دوسری سوگند اک کھاتی ہے قوم ہاتھ میں قرآن لب پر مہرِ صوم
کہ قسم کھائے کلامِ پاک کی ہے خدا کی راہ میں مسجد بنی
مکر و حیلہ کچھ نہیں ہے اس جگہ قصد سچائی ہے اور ذکرِ خدا
بولے پیغمبر کہ آوازِ خدا آتی ہے کانوں میں میرے جوں صدا
جب کہ کانوں پر لگی ہے مہرِ حق تم صدا سے کس طرح لوگے سبق
دیکھو سنتا ہوں میں آوازِ خدا چھن کے تلچھٹ ہی سے خود صاف وصفا
جھاڑ سے جیسے کلیم اللہ کو اک صدا آئی کہ اے خوش بخت تو
اور سنے ''اِنّی انااللہ'' کی صدا اس کے ساتھ عالم لقا انوار کا
وحی سے عاجز تو آجاتے مگر تازہ قسمیں کھانے لگتے لوٹ کر
حق نے فرمایا سپر سوگند کو ہاتھ سے چھوڑے سپر کیوں جنگجو
پھر پیمبرؐ ان کو جھٹلاتے ہوئے صاف کہہ ڈالے کہ تم جھوٹے بڑے

## صحابہ میں ایک کا شبہ کے ساتھ سوچنا کہ حضرت رسالت رسول اللہ صلی علیہ وسلم پردہ پوشی کیوں نہیں کرتے

اک صحابی کو ہوا یہ وسوسہ کیوں قسم کو کرتے ہیں رد مصطفیٰؐ
ایسے بوڑھے با بزرگی اور وقار! کیوں کیا ان کی نبیؐ نے شرمسار
پردہ پوشی کیا، کہاں لطف و حیا انبیا دیتے ہیں عیبوں کو چھپا
دل ہی دل میں کرلیا توبہ تبھی تا نہ ہو اس شہ سے شرمندگی
دل کے اندر وہ کجی باقی رہی اور طبیعت سے نہ مہرِ بد گئی
نحس ٹھہری صحبتِ اہلِ نفاق آیا مومن میں بھی ان کا افتراق
پھر بزاری بولا اے علاّمِ سِر کفر پر رہنے نہ دو مجھ کو مصر
دل نہیں ہے ہاتھوں میں جیسے دو چشم پھونک دیتا میں ابھی ورنہ بخشم
پس اسی دھن میں اسے نیند آگئی دیکھی مسجد ان کی گوبر سے بھری

گندگی آلودہ، پتھر، جا تباہ — پتھروں سے اٹھتا ہے دودِ سیاہ
جب دھوئیں سے حلق زخمی ہوگیا — ڈر سے دودِ تلخ کے وہ جاگ اٹھا
گر پڑا پھر منھ کے بل رونے لگا — ہیں نشاں سب منکروں کے اے خدا
غصہ بہتر حلم سے تیرے خدا — مجھ کو ایماں سے جو کرتا ہے جدا
گر تو جانچے کوششِ اہلِ مجاز — تہ بہ تہ بدبو ملے مثلِ پیاز
اک سے دیگر ہر پرت بے مغز تر — سچا ہر اک دوسرے سے نغز تر
سو طرح سے مکر پرور قوم سست — اختلاف اور جھوٹ، دیں بھی نادرست
تھی کمر بستہ وہ قوم پُر دغا — ہدم کرنے مسجدِ اہلِ قبا
جوں حبش میں فوج اہلِ فیل کی — جن کے کعبہ کو خدا نے آگ دی
آئے سوئے کعبہ بہرِ انتقام — حال کو پڑھ ان کے تو اندر کلام
ان سیہ رویوں کے ہاں ہے اور کیا — بس لڑائی، حیلہ و مکر و دغا
ہر صحابی نے وہ مسجد دیکھ لی — واقعہ کی جان لی سچائی بھی
واقعے کہنے لگوں گر ایک بہ اک — تو یقیں کرلیں گے ان کا اہلِ شک
ڈر رہا تھا کھولنے سے ان کے راز — نازنیں ہیں زیب انھیں دیتا ہے ناز
شرع بے تقلید انھوں نے مان لی — بے محک سمجھے کہ وہ ہے نقد ہی
حکمتِ قرآں کہ ہے گم کردہ شے — جانے ہر مومن کہ اس کا مال ہے

## اس شخص کا قصہ جو گم شدہ اونٹ کو تلاش کرتا تھا اور پتہ پوچھتا تھا

اونٹ اپنا کھو کے ڈھونڈا جہد سے — پا کے اپنے مال میں شک ہے تجھے
'ضالۂ' کیا ناقہ اک گم کردہ ہے — نکلی بھاگی ہاتھ سے در پردہ ہے
لادنے کو مال آیا کارواں — ایسے میں گم اونٹ تیرا ہے وہاں
بار اٹھانے کارواں جب آگیا — اونٹ ایسے میں ترا تھا لاپتہ
دوڑتا ہے ہر طرف تو خشک لب — کارواں ہے دور اور نزدیک شب

مال دھرتی پر بھیانک راستہ — اونٹ کے پیچھے تو پھرنے میں لگا
لوگو! دیکھا اونٹ کو کوئی مرے — صبح کو بھاگا ہے وہ آخور سے
جو کوئی دے گا پتہ اس کا مجھے — دوں گا میں اتنے درم انعام اسے
ہر کسی سے تو نشاں پوچھے چلے — تیری حالت پر ہر اک غنڈا ہنسے
دیکھا ُہاں ُلال اونٹ اک جاتے ہوئے — اس چراگہ کی طرف اِس راہ سے
ایک وہ بولے کہ وہ تھا کنکٹا — تھی منقش جھول بولے دوسرا
ایک جب اس اونٹ کو کانا کہے — دوسرا بے بال خارش کا کہے
واسطے انعام کے صدہا نشاں — ڈینگ میں دیتا رہا ہر خس بیاں
بھید ہیں یہ تو انھیں در گوش کر — ہے جو قسمت میں غذا تو نوش کر
جیسے کرتا ہے ہر اک در معرفت — جو ہے اور دیکھا، بیاں اس کی صفت

## مختلف مذاہب میں متردد ہونا اور ان سے دور ہونا اور خلاصی پانا

فلسفی نے شرح دیگر طرح کی — اور متکلم نے اس پر جرح کی
طعنہ زن دونوں پہ ہیں وہ صوفیا — دھوکہ بازی دوسروں کا مشغلہ
دیں گے اپنی رہ میں وہ اس کا نشاں — تا کہ سمجھو ہیں اسی رہ پر رواں
سچ یہ ہے ان میں نہیں حق گو کوئی — اور یہ بھی کہ نہیں گمراہ بھی
حق کی آمیزش سے ہی باطل عیاں — جان کر زر قلب لیں گے ابلہاں
گر نہ ہوتا دہر میں نقدِ رواں — کھوٹوں کے گاہک بھلا ہوتے کہاں
گر نہ ہوگا راست کیوں ہوگا دروغ — جھوٹ کو حاصل ہے سچ ہی سے فروغ
مولتے ہیں کج کو سیدھا جان کر — خوردنی ہوتا ہے زہر اندر شکر
گر نہ ہوتا دہر میں گندم کبھی — بیچتا گندم دکھا کر جو کوئی؟
پس نہ کہنا دین ہیں باطل سبھی — بوئے حق سے جھوٹ کی دھوکہ دہی
پس نہ کہہ سب ہے خیال اور ہے ضلال — بے حقیقت پس نہیں ہوتا خیال

قدر کی شب کی طرح ہے حق نہاں — تا کرے ہر رات کا جاں امتحاں
قدر کی شب، رات ہر کوئی نہیں — قدر سے راتیں سبھی خالی نہیں
گدڑی والوں میں فقیر یک ہے یہاں — اخذ کرلو اس کو کرکے امتحاں
ہے کوئی ذی فہم و تمییز اس جگہ — کرسکے جو فرقِ سلطان و گدا
عیب دار اشیا نہ ہوں گر درجہاں — تاجراں بن جاتے جملہ ابلہاں
اس لیے ہے مال کی پہچان سہل — جب نہیں ہے عیب، کیا نااہل و اہل
ہر کسی میں عیب ہے دانش سے سود؟ — ہے یہاں لکڑی سبھی کا ہے کا عود
وہ ہے احمق جو کہے حق ہے سبھی — جو کہے باطل ہے سب وہ ہے شقی
انبیا تاجر، کھا لیتے ہیں سود — رنگ و بو کے تاجراں کور و کبود
مال سمجھے اس کو تو دیکھے جو مار — اپنی دونوں آنکھیں مل خوب اک دوبار
رشک سے بازی نہ کر در پیچ و سود — دیکھ وہ نقصانِ فرعون و ثمود

## ہر چیز کی آزمائش کرنا تاکہ اس میں جو بھلائی اور برائی ہے ظاہر ہوجائے

آسماں میں پے بہ پے ڈالو نظر — حق نے فرمایا ہے "ثُمَّ ارۡجِعۡ بَصَر"
چرخِ نوری پر نہ کر ایک ہی نظر — رخنہ ہے کچھ، دیکھ اسے بارِ دگر
اس نے فرمایا ہے چھت میں عیب کیا — عیب ہے کچھ دیکھ اس میں بارہا
پس زمیں کو دیکھنا گہرائی سے — کیسی لگتی ہے سمجھنا چاہیے
چھاننا ہے صاف کرنے دُرد سے — کتنی زحمت عقل کو اس کے لیے
سردیوں کے اور خزاں کے امتحاں — دھوپ گرما کی، بہاریں اپنی جاں
وہ ہوائیں، وہ گھٹائیں، بجلیاں — فرق تاکہ ہو عوارض کا عیاں
تا کرے ظاہر زمینِ خاک رنگ — لعل ہے اس کے نہاں میں یا کہ سنگ
جو بھی چوری کی ہے تیرہ خاک نے — سب خزانہ حق سے بحرِ جود سے
شحنۂ تقدیر بولے سچ بتا — بول تفصیلاً ہمیں جو کچھ لیا

بیچ قہر و مہر کے جو ہے نہاں  
ہو عیاں خوف و رجا کے درمیاں

ہیں بہاراں لطفِ حق کا اک نشاں  
اور تہدیدِ خدائی ہے خزاں

جاڑا ہے جوں چار میخی اک سزا  
تا دکھائے چور کیا رکھا چھپا

ہے مجاہد کو کشادِ دل کبھی  
اور قبض و درد و غش و غل کبھی

آب و گل یہ چوں کہ ہیں ابدان سے  
نور اڑا لیتے ہیں اپنی جان سے

حق تعالیٰ گرمِ سرد و رنج و درد  
بوجھ ہمیں پر ڈالے ان کا ، شیر مرد

بھوک کا ڈر، مال اور تن کا زیاں  
تا حقیقت نقدِ جاں کی ہو عیاں

دھمکیاں اور وعدے جو برپا کیے  
نیک و بد کو کھل کے لانے کے لیے

جس طرح سے ہیں حق و باطل ملے  
چرمداں میں ہیں یوں ہی کھوٹے کھرے

چاہیے اس کو محک مانی ہوئی  
امتحاں میں کام میں لائی ہوئی

تا کہ دھوکوں کا تو فارق بن سکے  
حکم تدبیروں پہ تا تیرا چلے

دودھ اسے اے مادرِ موسیٰ پلا  
ڈال پانی میں نہ ڈرنا از بلا

دودھ وہ جس نے ازل کے دن پیا  
فرق اس نے دودھ کا دکھلا دیا

یہ حکایت تجھ کو بھی معلوم ہے  
میں نہ دہراؤں گا اس کو یہ ہے طے

شوق ہے گر طفل کی پہچان کا  
دودھ ابھی موسیٰ کی ماں اس کو پلا

شیرِ مادر کا مزا تا جان لے  
پیشِ دایۂ بد نہ سر اس کا جھکے

## اونٹ کے متلاشی شخص کی حکایت کے فائدہ کی شرح

تو نے اونٹ اپنا گنوا ڈالا میاں  
ہر کوئی بتلاتا ہے اس کا نشاں

تو نہ جانے اونٹ وہ ہوگا کہاں  
پر تو جانے ہیں غلط سارے نشاں

جو نہ کھویا ہو جھگڑنے کے لیے  
کھونے والے کی طرح ڈھونڈے چلے

بولے میں نے بھی شتر گم کر دیا  
جو بھی پائے اجرت اس کی پائے گا

تا کہ شرکت اونٹ میں تیری کرے  
اونٹ کے لالچ میں بھی بازی کرے

راست و کج کو کر نہیں سکتا جدا
ہیں تری باتیں ہی ناقل کا عصا

جب تو بتلائے غلط ہے وہ نشاں
وہ بھی تیری طرح دہرائے بیاں

ٹھیک علامت جو بھی بتلائے کہیں
تب یقیں آئے تجھے کہ شک نہیں

دکھ بھری جاں کو تری وہ ہے شفا
گنجور ہونے کا حِس پا جائے گا

رنگِ رو و قوتِ بازو بنیں
خَلق وخُلق اک تو ترے صد توَ بنیں

آنکھ روشن ہو ترے پاؤں رواں
جسم جاں بن جائے گا اور جاں رواں

پس کہے تو، سچ کہا تو نے امیں
یہ نشاں سب ٹھیک پائے ہیں مبیں

آیتیں روشن ہیں اس کی اور ثقات
یہ تو ہے پروانۂ قدر و نجات

وہ نشاں سن کر کہے ''آگے چلو''
وقت ہے مقصد کا اب بڑھتے چلو

پیروی تیری کروں اے راست گو
اونٹ ہے میرا کہاں لی اس کی بُو

اس کے آگے اونٹ والا جو نہیں
چست تر ہے ڈھونڈتے ہمرہ وہیں

ان نشانوں سے اسے کیا فائدہ
ڈھونڈنے والوں کا وہ ناقل جو تھا

اس کی سرگرمی کا جب پایا پتہ
ہوگا حاصل کچھ تو اس کی جہد کا

گرچہ اس اُشتر پہ حق اس کا نہ تھا
اس کا بھی تھا اونٹ اک کھویا ہوا

ناقۂ دیگر کے لالچ میں پڑا
بھول بیٹھا اپنا خود جو کھودیا

وہ جدھر بھاگے اُدھر یہ بھی چلے
طمع میں ہمدرد صاحب کا بنے

ساتھ سچے کے تھا جو جھوٹا رواں
جھوٹ سے سچ آگے آیا ناگہاں

اونٹ وہ جس دشت میں تھا بھاگتا
اونٹ اپنا بھی وہ پایا اس جگہ

دیکھ کر اونٹ اپنا یاد آیا اسے
طمع بھولا اونٹ سے اس یار کے

وہ مقلد تھا محقق بن گیا
اونٹ اپنا پایا جب چرتا ہوا

طالبِ اُشتر اسی لمحہ بنا
ڈھونڈتے جب تک نہ وہ اس کو ملا

پس کیا آغاز وہ تنہا روی
اپنے ناقے کی طرف آنکھیں کھلی

بولا سچا، چھوڑ ڈالا تو مجھے
اب تلک چلتا رہا ہمرہ مرے

بولا تھا اب تک دکھاوے میں پڑا
چاپلوس اور لالچی بن کر رہا

اس زماں ہمدرد تیرا ہوگیا
مصلحت تھی ہوگیا تجھ سے جدا

اب تلک وصفِ شتر رکھا نہاں
پالیا مال اپنا ہے سیراب جاں

میں نہ پایا جب تلک طالب نہ تھا
تا بنا اب مغلوب غالب زر ہوا

جو بدی تھی، شکر، طاعت ہوگئی
ہزل ختم اور آگئی سنجیدگی

میری بدیاں ہیں وسیلۂ حق مجھے
پس بدی پر میری، کیوں انگلی اٹھے

صدق نے طالب بنایا ہے تجھے
صدق، مانگ اور جذبے دکھلایا مجھے

صدق نے تجھ کو کیا محوِ تلاش
اور کوشش نے کیا حق مجھ پہ فاش

بیج دولت کے زمیں میں بودیا
سمجھا نقالی اسے بے فائدہ

کام لاحاصل نہ تھے جو بھی کیے
ایک دانہ بویا اس کے سو اُگے

چھپ چھپاکر چور اک گھر میں گیا
جب گیا اندر تو گھر اس کا ہی تھا

گرم رہ اے سرد تا گرمی چلے
سختیوں میں کر بسر نرمی ملے

دو نہ تھے اُشتر وہاں تھا ایک ہی
ظرف تنگ الفاظ کا معنی کئی

لفظ معنی کر نہیں سکتے بیاں
بولے پیغمبرؐ کہ قاصر ہے زباں

جیسے اصطرلاب ہے اپنی زباں
کیا بتائے حالِ شمس و آسماں

وہ فلک جس کا فلک یہ تنکا ہے
اس کے سورج کا یہ سورج ذرّہ ہے

## اس بیان میں کہ ہر ایک نفس میں مسجد ضرار کا فتنہ موجود ہے

ہوگیا واضح کہ وہ مسجد نہ تھی
تھا یہودی دام، دھوکا واقعی

بولے آقاؐ ڈھائیں اس کو پایہ سے
تا کریں، کوڑا وخاکستر اسے

الٹا مسجد کی طرح صاحب بھی تھا
دام میں دانہ سخاوت ہے بھلا؟

گوشت کاٹنے میں تھا مچھلی پھانسنے
بخشش اس لقمہ کو کوئی کیوں کہے

مسجدِ اہلِ قبا پتھر کی تھی
جو نہ تھی ہم جنس اس کو راہ نہ دی

پتھروں میں یوں ستم کب تھا روا حق نے اس ناجنس کو پھینکوا دیا
اور حقائق جو کہ ہیں اصلِ اصول اور وہ کہ ہیں جہاں فرق و فصول
نے حیات اس کی ہے اس کی سی حیات نے ممات اس کی ہے اس کی سی ممات
قبر بھی دونوں اک جیسی کہاں کیوں بتاؤں فرقِ حال آں جہاں
جانچ عمل کو اپنے خود اے مردِ کار ہو نہ تجھ سے مسجدِ اہلِ ضرار

## اس ہندوستانی کا قصہ جو اپنے ساتھیوں سے لڑ رہا تھا کہ تم بدکار رہو اور اس کو خبر نہ تھی کہ وہ خود اس برائی میں مبتلا ہے

چار ہندو ایک مسجد میں چلے اور رکوع و سجدہ طاعت میں کیے
نیت و تکبیر ہر اک نے کہی اور عجز و درد میں طاعت بھی کی
مؤذن آیا ایک نے اس سے کہا کیا اذاں دی تو نے وقت اب ہوگیا
دوسرا ہندو لجاجت سے کہا بات کی باطل نماز اپنی کیا
اب سوم بولا دوم سے اے چچا طعنہ کرتے تو نے خود یہ کیا کیا
چوتھا یہ بولا کہ میں شکرِ خدا بر خلاف ان کے کنویں سے بچ گیا
ہوگئی پس چاروں کی طاعت تباہ عیب جُو اکثر ہوئے گم کردہ راہ
عیب اپنے خود جو دیکھے مرحبا عیب جو سے سن کے عیب اپنالیا
کیوں کہ اندھے عیب عیبستاں سے ہیں اور آدھے جو ہیں عیبستاں سے ہیں
جب کہ ہیں سو زخم خود سر پر ترے پہلے مرہم ان پہ رکھنا چاہیے
ہے بدی خود زخم کے حق میں دوا ہو شکستہ تو ہے موقع رحم کا
عیب وہ تجھ میں نہ ہو تو کیا ہوا شاید آگے تجھ میں وہ آجائے گا
"لاتخافوا" تم کو حق نے جو کہا خوش ہو، مژدہ امن کا کیا مل گیا؟
جب تلک داڑھی نہیں آئی تجھے سادہ رخ کا طعنہ اوروں کو نہ دے
ہوگئی جان دیکھ اس کی مبتلا کودا چہ میں باعث عبرت بنا
تو نہ کودا تا نصیحت ہو اسے زہر کھایا وہ، تو کھا قند اس کا لے

## غزوں کا ایک شخص کو قتل کرنے کا ارادہ کرنا تا کہ دوسرا ڈرے

وہ غزانِ ترکِ خوں ریز آ گئے — لوٹنے اک گاؤں کو ناگہ چلے
گاؤں کے دو مقتدا کو دھر لیے — قتل کرنے ایک کو دوڑے چلے
ہاتھ باندھے ذبح کرنے کو جو وہ — بولا تم اے بادشاہو، اے بڑو!
ڈالتے ہو موت کی چہ میں مجھے — پیاسے میرے خون کے ہو کس لیے
کیا ہے حکمت، مار کر کیا فائدہ — میں تو اک نادار، ننگا ہی رہا
تا کہ تیرا یار ہو ہیبت زدہ — ڈر سے مال و زر کا دے ہم کو پتہ
بولا وہ ہے مجھ سے بھی مسکین تر — بولا وہ مفلس لگے، رکھتا ہے زر
بولا شک کیوں ہم ہیں دونوں ایک ہی — احتمال و شک کا موقع ہے تبھی
کھینچئے اول اسی کو اے شہاں — ڈر کے باعث تا کہ دوں زر کا نشاں
دیکھیے یہ بھی خدا کا ہے کرم — انتہائے دورِ آخر آئے ہم
رفتہ قرنوں سے ہے سابق آخری — ''آخرون السّابقون'' بولے نبیؐ
تھی ہلاکت بہر قومِ نوحؑ و ہودؑ — ہم ہیں آخر ہم پہ رحمت کی نمود
ان کو مارا تا کہ ہم اس سے ڈریں — کرتا گر الٹا تو شامت تھی تمھیں

## ان لوگوں کی حالت کا بیان جو انبیا و اولیا کے وجود کی نعمت کے ناشکرے وخود پرست ہیں

عیب وعصیاں کا کرے جو بھی بیاں — دل کی سنگینی و بے نوریِ جاں
حکمِ حق کی ان کے ہاں بے وقعتی — اور نہ کرنا رنجِ فردا بھی کبھی
اور دنیا کی ہوس سے چاہ سے — جوں زناں ہونا غلاماں نفس کے
بھاگنا وہ ناصحوں کی پند سے — اور نیکوں سے نکل جانا پرے
دل سے اہل اللہ سے یوں بیگانگی — شاہوں سے مکاری، چالاکی سبھی
مردِ قانع کو بھکاری جاننا — اور حسد سے دل میں دشمن ٹھاننا

وہ اگر لے لے عطا، بولے گدا ورنہ بولے جھوٹ، مکاری ، دغا
ملتا جلتا ہو تو بولے لالچی ورنہ بولے پُرتکلف آدمی
بولے عاجز، گر وہ نکلے بردبار گر ہو باغیرت کرے دھوکا شمار
یا منافق کی، طرح حیلہ کرے کہ ہوں عاجز گھر کے اخراجات سے
سر کھجانے کی مجھے فرصت نہیں یا ادا کرنے کو مفروضاتِ دیں
یاد رکھنا ہم کو بھی وقتِ دعا ہم بھی تا پائیں مقامِ اولیاء
صدقِ دل سے کی نہیں اس نے دعا اونگھتا تھا، بڑبڑایا سوگیا
کچھ نہیں رستہ پئے قوت عیال کیوں نہ محنت سے کروں کسبِ حلال
کیا روا تجھ کو، تو ہے وقف ضلال کیا سوا خوں کے ترے ہوگا حلال
حق سے دوری ہے نہیں ہے قوت سے دیں سے دوری ہے، نہیں طاغوت سے
صبر دنیا کے بنا تجھ کو نہیں اس سے کیوں، جس نے بچھائی ہے زمیں
عیش و عشرت کے بنا بے صبر تو صبر کیسا بھول کر اللہ کو
صبر ناممکن پلید و صاف سے صبر عجب ہے اپنے خالق سے تجھے
گدلے پانی کے بنا تو بے قرار چشمۂ حق کا نہیں کیوں خواستگار
تو نہیں صابر بنا فرزند و زن مطمئن تو بے خدائے ذوالمنن
اے کہ کہتا ہے خدا بخشے تجھے ہے چھلاوے کا اثر کر ترک اسے
آئے ابراہیمؑ جب بیرونِ غار بولے ''یہ رب ہے'' کہاں وہ کردگار
مڑ کے بھی دیکھوں نہ سوئے دوجہاں تا نہ پالوں ان کے مالک کا نشاں
اور صفات حق بلا دیکھے مجھے روٹی اترے گی نہ میرے حلق سے
لقمہ کیوں کھائے اسے دیکھے بنا اور گل و گلزار سے گزرے بنا
پھر بنا امیدِ دیدارِ خدا کون کھائے غیرِ گاوٗ خر غذا
جانور یا ان سے بھی گزرے گئے گرچہ وہ ہیں مکر میں ماہر بڑے
الٹی تدبیریں، ثمر شرمندگی عمر گزری، زیست لاحاصل رہی

فکر میں کند اس پہ ضعفِ عقل بھی	عمر ساری خیر سے خالی رہی
وہ جو کہتا ہے کہ میں ہوں مبتلا	یہ بھی شوشہ ہے اسی کے مکر کا
کہہ رہا ہے وہ جو غفار و رحیم	وہ بھی ہے بس حیلۂ نفسِ لئیم
ہاتھ روٹی سے تہی یہ غم تجھے	وہ ہے بخشش کا دھنی غم کس لیے

## ایک بوڑھے کا طبیب سے بیماروں کی شکایت کرنا اور طبیب کا اس کو جواب

ایک بوڑھا کہہ رہا تھا وَید سے	کوئی ناسازی دماغی ہے مجھے
بولا ہے پیری سے وہ ضعفِ دماغ	ہے اندھیرے کا مری آنکھوں میں داغ
بولا ہے پیری کے باعث شیخ جی	ہاں ستاتا ہے کمر کا درد بھی
وجہِ پیری ہے معالج نے کہا	جو بھی کھاؤں مشکل اس کا ہاضمہ
وجہِ پیری قوتِ معدہ ہے کم	ہاں تو دم لیتے مرا رکتا ہے دم
بولا دم بھی ٹوٹتا ہے کیا کہیں	پیری سے پیدا ہیں دو سو علّتیں
ہوگئی شہوت بھی کم یکبارگی	بولا پیری سے ہے یہ بیچارگی
بولا پاؤں سست چلنے سے رہے	پیری سے ہے تا کہ گھر بیٹھے رہے
جوں کماں دوہری ہے میری پیٹھ اب	وجہِ پیری، بولا یہ رنج و تعب
بولا ہیں بے نور آنکھیں اے حکیم	بولا پیری سے ہے اے پیرِ حلیم
بولا احمق تو اسی پر جم گیا	کیا طبابت سے یہی حاصل کیا
تجھ کو اے مغرور ہے کچھ عقل بھی	حق نے رکھی ہے دوا ہر درد کی
اپنی کم علمی سے تو احمق گدھا	کوتہ قدمی سے زمیں پر رہ گیا
وید بولا ساٹھے کہتا ہوں ابھی	ہے غضب، غصہ ترا پیری سے ہی
اجزا و اعضا جو ہوتے ہیں نحیف	ہوتے ہیں ضبط و تحمل بھی نحیف
سن کے دو باتیں ہی تو ہے ہے کرے	پی کے صرف اک گھونٹ تے کرنے لگے
جز کہ وہ بوڑھا جو ہے مستِ خدا	جس نے پائی ہے حیاتِ طیبہ

بوڑھا وہ ظاہر میں اور باطن جواں
جوں نبی یا جوں ولی روشن نہاں
گر نہیں ظاہر وہ پیشِ نیک و بد
ان بزرگوں سے خسوں کو کیوں حسد
ان کی بابت گر نہیں علم الیقیں
کیوں ہے بغض وحیلہ سازی اور کیں
جان لیتے گر جزائے رستخیز
خود نہ ہوتے بردہانِ تیغِ تیز
تجھ کو خوش لگتا تو ہے پر ہے کہاں
سو قیامت اس کے اندر ہے نہاں
دوزخ و جنت عناصر اس کے ہی
سوچ تیری اس سے بالا تر رہی
جو بھی تم سوچو وہ ہے رُو در فنا
جو نہ آئے عقل میں ہے وہ خدا
گھر کے در پر کیوں یہ گستاخی بھلا؟
گھر کے اندر کون ہے، ہے کچھ پتہ؟
ابلہوں میں عام مسجد کا وقار
ظلم اہل اللہ پر ان کا شعار
اے گدھو وہ جھوٹ، اور حق ہے یہی
یعنی ہے مسجد دل اہل اللہ کا ہی
وہ جو مسجد ہے درونِ اولیا
جائے سجدہ ہے، وہ ہے جائے خدا
دل نہ اہل اللہ کا جب تک دکھا
کون ملت کو خدا رسوا کیا؟
باندھا نبیوں سے ارادہ جنگ کا
آدمی سمجھے کہ ان کو جسم تھا
تجھ میں ہیں عادات ان پہلوں کی ہی
کیوں نہیں ڈرتا کہ ہے تو بھی وہی
عادتیں تیری ہیں ناشکروں کی سی
چہ سے پُر ڈول آئے کیوں کر ہر کبھی
سب نشاں تجھ میں ہیں جب ان جیسے ہی
تو ہے ان سے ہی بچے گا بھی کبھی؟

## ایک بچہ کا اپنے باپ کے جنازے کے آگے رونا اور شیخ چلی کی بات کرنا

بچہ نالاں پیشِ تابوت پدر
رو رہا تھا پیٹتا تھا اپنا سر
اے پدر تجھ کو کدھر یہ لے چلے
حیف زیرِ خاک کرنے کے لیے
تنگ اور تاریک گھر ایذا رساں
بوریا، قالیں نہیں کچھ بھی وہاں
شمع شب کے وقت اور نہ دن کو ناں
بوئے ناں ہے اور نہ کھانے کا نشاں
چھت نہ دروازہ نہ بالا خانہ ہے
ہے کہیں کھڑکی، نہ کوئی شیشہ ہے

اس میں مہماں کے لیے پانی نہ چاہ
اور نہ ہمسایہ کوئی بہرِ پناہ

جسم تیرا بوسہ گاہِ خلق تھا
اُس اندھیرے گھر میں ہوگا حال کیا

اے پنہ اللہ کی و جائے تنگ
اس کے اندر کیسا چہرہ کیسا رنگ

کر رہا تھا اس طرح گھر کا بیاں
اشکِ خوں تھے دونوں آنکھوں سے رواں

بولا جو جی اپنے بابا سے پدر!
اس کو لے جانے کو ہیں یہ اپنے گھر

بولا جو جی کو پدر ابلہ نہ ہو
بولا بابا! تم نشاں گھر کے سنو!

یہ جو وہ بتلاتے ہیں ایک ایک نشاں
ہیں ہمارے گھر پہ چسپاں بے گماں

نہ چٹائی نہ دیا ہے نہ طعام
اس میں چھت، دروازہ ہے کوئی نہ بام

اس طرح رکھتے ہیں خود میں سو نشاں
پر نہیں پائیں گے ان کو سرکشاں

ان کا دل اک گھر ہے محروم ضیا
از شعاعِ آفتابِ کبریا

تنگ اور تاریک جوں جانِ یہود
''بے نوا از ذوقِ سلطانِ ودود''

نے چمک دل میں زنور آفتاب
صحن کی وسعت نہ اس میں فتح یاب

ایسے دل سے گور کا کونا بھلا
گورِ دل سے خود نکل کر اوپر آ

یوسفِ دوراں تو خورشیدِ سما
چاہ و زنداں سے نکل آ منھ دکھا

بطنِ ماہی میں پکے یوسف ترا
راہ خلاصی کی نہیں غیر از دعا

بطن ماہی میں نہ تھے گر سبح خواں
چھوٹتے تا حشر زنداں سے کہاں

وجہِ تسبیح جسمِ ماہی سے بچا
اور تسبیح کیا ہے جز ''قالو بلا''

گر بھلا بیٹھا تو وہ تسبیحِ جاں
سن ذرا تسبیح ہائے ماہیاں

اللہ والا دیکھے جو اللہ کو
جو کوئی دیکھے سمندر ماہی وہ

دہر بحر و ماہی تن، یونس وہ جاں
صبح روشن اس میں ہے یوسف کی جاں

چھوٹے ماہی سے جو ذکرِ حق کرے
ورنہ ہضم و بے نشاں ہوکر چلے

بحرِ تن پُر ماہیانِ روح سے
الٹے، اندھے کیوں دکھائی دیں تجھے

تجھ سے خود ٹکرا رہی ہیں مچھلیاں
کھول آنکھیں دیکھ تا کہ ہوں عیاں

مچھلیاں تونے نہیں دیکھیں بجا
کیا نہ تسبیح ان کی کانوں سے سنا
مچھلیاں یہ جملہ روحِ بے جسد
کبر ان میں ہے نہ کینہ اور حسد
صبر کرنا جان ہے تسبیح کی
صبر کر تسبیح ہے وہ واقعی
ہے موثر کوئی تسبیح اس قدر؟
صبر مفتاح الفرج ہے صبر کر
صبر جوں پل صراط اس سو بہشت
ساتھ ہر اک خوب کے ہے کوئی زشت
وصل لالا کے بنا ہوتا نہیں
لالا سے شاہد جدا ہوتا نہیں
تو نہ جانے ذوقِ صبر اے شیشہ دل
خاص وہ از بہرِ محبوبِ چگل
ذوق مردوں کا جہاد و کروفر
ہیجڑوں میں ہے تو ہے ذوق ذکر
جز ذکر دین ان کا کوئی ہے نہ ذکر
سوئے اسفل لے چلی وہ ان کی فکر
کیا ہوا گو آسماں بھی چھولیا
عشق سفلی کا سبق اس نے پڑھا
جانبِ پستی ہی وہ ہانکے فرس
گو بلندی کی طرف باجے جرس
پس فقیروں کے علم سے خوف کیا
مسئلہ کیا ایک لقمہ نان کا
میری بات اچھی طرح تو جان لے
گر نہ جانے ، سن سنائی ہے تجھے

## ایک بچے کا بھاری بھرکم انسان سے ڈرنا اور اس شخص کا کہنا کہ اے بچے تو نہ ڈر میں نامرد تو مرد ہے

راہ میں موٹے کو اک بچہ ملا
بچہ اس کو دیکھ کر ہی ڈر گیا
رہ تسلی سے بڑے پیارے کہا
آپ خود کو تو مجھی پر پائے گا
گرچہ ہوں پُر ہول میں ہوں ہیجڑا
بن سوارِ پشت جوں اُشتر چلا
شکل مردانہ مگر ویسا نہیں
باہر آدم، بطن شیطانِ لعیں
ڈھول جیسا موٹا، اے تو عاد سے
تو پٹے ڈالی سے، ڈالی باد سے
کردیا صید اپنا روبہ نے تبہ
بہرِ طبلہ مشک جوں پُر باد تھا
ڈھول میں وہ جب نہ پایا فربہی
بولا بہتر خوک از مشکِ تہی
ڈھول کی آواز سے روبہ کو ڈر
پیٹتے ہیں عاقل اس کو کس قدر

## ایک تیرانداز کا قصہ اور اس کا اس سوار سے ڈرنا جو جنگل میں جا رہا تھا

اک سوارِ با سلاح، شکلِ مہیب — چل دیا جنگل میں، گھوڑا تھا نجیب
دیکھا ماہر تیر انداز ایک اسے — کھینچا وہ فوراً کماں کو خوف سے
تا چلائے تیر، راکب نے کہا — ناتواں ہوں گو ہے تن موٹا مرا
اس موٹاپے پر نہ جانا ہوشیار! — پیر زن سے بھی ہے کمتر میرا وار
بولا جا اچھا کیا، ورنہ تجھے — تیر کا کرتا نشانہ خوف سے
ہاتھ میں تلوار بن مردانگی — مارے لوگوں کو خود ان کے آتے ہی
تو اگر باندھے سلاحِ رستماں — گر نہیں تو اس کے قابل کھوئے جاں
ترک کر تلوار، جاں کو کر سپر — جو تھا بے اسلحہ بچایا اس نے سر
مکر و حیلہ ہیں تیرے ہتھیار سب — صنع تیری خود جراحت کا سبب
کیوں نہ پایا فائدہ ان حیلوں سے — ترک کر ان کو تجھے دولت ملے
جب رہا بے سود تجھ کو تیرا فن — چھوڑ فن اور کر طلب رب المنن
جب نہیں برکت ترے فن میں تجھے — سادگی اپنا وہ شومی چھوڑ دے
جوں ملک کہہ دے ''نہیں ہم کو پتہ'' — اس سے بڑھ کر تو نے جو ہم کو دیا
حیلہ و مکر اس جگہ بے فائدہ — جو بھی نازاں ہو خرد پر ہے گدھا
اک حکایت یہ سن اے صاحب قبول — ''در بیانِ جہل و عقلِ بوالفضول''

## ایک بدو اور اس کے بورے میں ریت بھرنے کا قصہ اور عاقل کا اس کو ملامت کرنا

ایک بدّو اونٹ پر لادے ہوئے — جارہا تھا تھیلا بھر گیہوں لیے
تھیلا دیگر اس کا تھا پُر ریت سے — دونوں اپنے اونٹ پر لادے ہوئے
دونوں تھیلوں پر تھا خود بیٹھا ہوا — اک سوالی نے سوال اس سے کیا
پوچھ کر اس کا وطن گویا کیا — درمیاں موتی پرونے لگ گیا

بعد پوچھا ان دو تھیلوں میں ہے کیا
بھر لیے جاتا ہے تو سچ سچ بتا

بولا اک تھیلا ہے گیہوں سے بھرا
ریت دیگر میں نہیں ہے جو غذا

پوچھا بالو تو نے لادی کس لیے
بولا تنہا ایک تھیلا کیوں رہے

بولا آدھے گیہوں اس یک تھیلے سے
ڈال دیگر میں توازن کے لیے

بوجھ تھیلے اور شتر کا تا گھٹے
بولا وہ شاباش اے دانا تجھے

فکر گہری مشورہ تیرا نِکو
پیادہ، ننگا اور تھکن سے چور تو

رحم آیا حالِ دانا دیکھ کر
ٹھانا بٹھلانے کی اس کو اونٹ پر

پھر کہا اے عقلمند و خوش زباں
کچھ تو اپنا حال بھی کردے بیاں

عقل کافی ایسی تجھ کو کیوں ملی
بادشہ ہے یا ہے تو دیواں کوئی

میں نہیں ان دو سے ہوں عام آدمی
دیکھ میرا حال، میرا جامہ بھی

کتنے اونٹ اور گائے کتنی ہیں تجھے
''یہ نہ وہ مت کھودیے جاتو مجھے''

پوچھا کس ساماں کی ہے تیری دکاں
بولا ہم کو کیا دکاں کیسا مکاں

نے اثاثہ ہے نہ کھانا میرے ہاں
نے متاع، دلیا نہ چولھا میرے ہاں

پوچھتا ہوں نقد کی، ہے مال و زر؟
تنہا رہرو، رائے تیری معتبر

کل جہاں تانبا، ترے ہاں کیمیا
تیرے ہاں دانش کے موتی تہ بہ تہ

ہے خزانوں سے بھرا تیرا مکاں
تجھ سے عاقل تر ہے کون اندر جہاں

ہے قسم اللہ کی اے میرِ عرب
ملک میں میرے ہے قحط قوت شب

ننگے پاؤں، ننگا تن جاتا ہوں میں
جاتا ہوں روٹی جہاں پاتا ہوں میں

کاہے کو یہ حکمت و فضل و ہنر
پایا ہے کیا جز خیال و درد سر

بولا بدو جا تو مجھ سے دور تر
تا نہ برسے تیری شومی میرے سر

شوم حکمت کو تو رکھ مجھ سے پرے
بد زباں تو اہلِ عالم کے لیے

یا تو چل اُس سمت میں ایسے چلوں
تو اگر آگے چلے، پیچھے چلوں

تھیلا ریت اور تھیلا گیہوں ہی مجھے
خوب تر تھے ایسی بد تدبیر سے

تھیلا گندم تھیلا بالو جو بھی تھے | تھے بھلے مجھ کو تری دانائی سے
تھی مبارک مجھ کو میری احمقی | دل تھا باساماں مری جاں متقی
تو اگر چاہے کہ بدبختی گھٹے | بچنے دانائی سے کوشش چاہیے
حکمت اک ہے حاصلِ طبع و خیال | اور دگر ہے فیضِ نورِ ذوالجلال
حکمت دنیا سے افزوں ظن و شک | دیں کی حکمت لے چلے فوقِ ملک
لوگ، یہ چالاک آخر دور کے | جانتے ہیں خود کو اگلوں سے بڑے
لوگ زیرک جو کہ ہیں صاحب کمال | خود کو جانے بر تر از اصحابِ حال
حیلہ بازوں نے دیا دل کو جلا | مکر و حیلوں کا انھیں تب گُر ملا
صبر و ایثار و سخائے نفس و جود | ختم کر ڈالا کہ ہے اکسیرِ سود
شاہ وہی ہے جو بھی از خود شہ رہے | نا کہ جس کو فوج ، دولت شہ کرے
تا کہ شاہی اس کی پائندہ رہے | جیسے دینِ مصطفیؐ زندہ رہے
شرح ان کی تا قیامت بے زوال | دور ان کے ملک سے عین الکمال[1]

## دریا کنارے پر سلطان ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات

نقل ابراہیم ادہم سے ہے یہ | ساحلِ دریا پہ تھے بیٹھے ہوئے
اپنی گدڑی سیتے تھے سلطانِ جاں | آ گیا سردار کوئی ناگہاں
وہ امیر ان کے غلاموں ہی سے تھا | شیخ کو پہچان کر سجدہ کیا
آ گئی تبدیلی خُلق و خَلق میں | دیکھ کر حیراں تھا ان کو دلق میں
سلطنت عمدہ انھوں نے چھوڑ دی | اور بے نامی فقیری ڈھونڈ لی
سات اقلیموں کی شاہی کی تباہ | دلق سینے لگ گئے جیسے گدا
شیخ اس کی سوچ سے آ گہ ہوئے | دشت ہائے دل کے خود جو شیر تھے
جس طرح خوف و رجا دل میں رواں | کیوں چھپیں گے ان سے اسرارِ نہاں

1- عین الکمال=بدنظر

مفلسو! دل کی نگہداری کرو     اہلِ دل کے سامنے جب بھی چلو
اہلِ ظاہر پر ادب ظاہر بجا     ان کے باطن کو چھپاتا ہے خدا
پیشِ اہل اللہ ادب ہو باطنی     سر جو پاتے ہیں اٹکتے ہیں تبھی
اور تو اندھوں کے آگے بہرہ جاہ     پر خلوص آ لیتا ہے نیچی جگہ
بے ادب در حضرت اہلِ نظر     پس تو ایندھن نارِ شہوت دیکھ کر
نے سمجھ تجھ میں نہ ہی نورِ ہدیٰ     اندھوں میں چہرے کو دیتا جا جلا
پیش بینا یاں پلیدی منھ پہ مل     گندہ حالت پر تجھے کیوں فخر چل
شیخ پھینکے سوئی دریا میں تبھی     لانے سو زن چیخ کر آواز دی
صد ہزار اللہ والی مچھلیاں     لائیں اپنے منھ میں زر کی سوئیاں
سوئی سونے کی ہر اک کے منھ میں تھی     بولیں لے لو سوئی یہ اللہ کی
بحرِ حق سے سر اٹھاکر مچھلیاں     بولیں لو یا شیخ! حق کی سوئیاں
بولا حق سے اپنی سوئی چاہیے     فضل سے مجھ کو نشانِ راست دے
آئی اتنے میں دگر مچھلی وہاں     اس کی سوئی کو لیے اندر دہاں
مڑ کے اس کی سمت بولی اے امیر     ملک دل بہتر کہ وہ ملکِ حقیر
یہ نشانِ ظاہری ہے کوئی شے؟     ڈھونڈ باطن کو کہ ظاہر ساتھ ہے
شہر کو لائیں گے ڈالی باغ سے     باغ بستاں کو کہاں سے لائیں گے
خاص وہ، جس کا فلک اک پتّا ہے     بلکہ وہ ہے مغز، عالم چھلکا ہے
سوئے باغ اٹھنا نہیں گر تیرا کام     سونگھ بو اس کی فزوں، جائے زکام
تا کہ وہ بو جذب تیری جاں کرے     نور تیری آنکھوں کا تا بن سکے
تا کہ وہ بو سوئے بستاں لے چلے     راستہ تجھ کو ہدایت کا ملے
تیری اندھی آنکھ کو بینا کرے     تیرا سینہ سینۂ سینا بنے
بولے یوسفؑ تم مرے جامہ کو لو     بہرِ بُو بابا کے منھ پر ڈال دو
وعظ میں دو باب بو آقاؐ کہے     یہ نماز آنکھوں کی ٹھنڈک ہے مجھے

پانچ حس جو اک دگر سے ہیں جڑے — ایک اونچی جڑ سے ہیں پیدا ہوئے
قوت ہر اک کی قوّت باقی بنے — اک دگر کا ہر کوئی ساقی بنے
جیسے تقویت نظر سے عشق کو — عشق در دل سے ہے قوت صدق کو
صدق وہ بیداریِ ہر حس بنے — جملہ حِس کو ذوق خود مونس بنے
ہوگیا آزاد جب اک حِس تبھی — منقلب ہوکر رہیں گے حِس سبھی

## غیب کو دیکھنے والے نور سے عارف کے حواس کے با نور ہونے کا آغاز

ہوگیا آزاد جب اک حِس تبھی — منقلب ہوکر رہیں گے حِس سبھی
عیب ظاہر ایک حس پر ہو اگر — ہوگا ظاہر جملہ احساسات پر
ایک بکرا کود جائے نہر اگر — سب اِدھر جائیں گے ایک اک کود کر
اپنی حسن کی بکریوں کو ساتھ لے — لا چراگاہِ خدا کو ہانکتے
تا وہاں پُر سنبل و ریحاں چریں — اور حقائق کے چمن کی راہ لیں
قاصد احساسات کو ہر حس بنے — چلتے چلتے ناگہاں جنت چلے
جِس کو احساسات تا بتلائیں راز — ''بے حقیقت بے بیان و بے مجاز''
یہ حقیقت قابلِ تاویل ہے — اور توہم مایۂ تخییل ہے
وہ حقیقت جو بھی دیکھی جائے گی — اس میں گنجائش نہیں تاویل کی
تیرے حِس کی بندہ ہے حِس ہر کوئی — پھر تو اس سے بچ نہ پائے چرخ بھی
دعویٰ گر ہو ملکیت پر پوست کی — مغز جس کا پوست پائے گا وہی
گھاس کے بنڈل پہ جھگڑا ہو اگر — دانہ جس کا گھاس اس کے حق میں کر
نورِ جاں ہے مغز چھلکا آسماں — کھا نہ لغزش، وہ چھپا ہے یہ عیاں
جسم ظاہر، روح ہے اندر نہاں — آستیں تن، ہاتھ اس میں جیسے جاں
روح سے بھی عقل ہے پوشیدہ تر — جاں کی جانب تیز تر جِس کا سفر
ہے بجا حرکت نشانِ زندگی — پر نہ پائے اس میں ہے کچھ عقل بھی
جنبشِ موزوں وہ تا پیدا کرے — جس کو حرکت عقل سے سونا کرے

حرکتِ موزوں جو دیکھے ہاتھ کی
تب تو سمجھے اس میں ہے کچھ عقل بھی

روحِ وحی ہے عقل سے پوشیدہ تر
غیب سے وہ اس کا منبع ہے اُدھر

عقلِ احمدؐ غیر سے پنہاں نہ تھی
درکِ وحی کو کب تھا قابل ہر کوئی

وحی کی استعداد کے بھی ہیں نشاں
عقل کرسکتی نہیں ان کو بیاں

وہ جنوں سمجھے کبھی حیراں کبھی
فہم کو لازم ہے استعداد بھی

جب نہ تھی موزونِ افعالِ خضرؑ
عقلِ موسیٰؑ کو نظر آئی کدر

عقلِ موسیٰؑ غیب میں عاجز رہی
قابلیت کیا ہے عقل موش کی

علم تقلیدی بلاؤ شئ ہوئی
بیچنے والے کو گاہک سے خوشی

علم تحقیقی کا گاہک ہے خدا
اس کا ہے بازار بارونق سدا

مہر بر لب، غرق اندر بیوپار
حق خریدار اس سے گاہک بے شمار

درسِ آدم کا فرشتہ مشتری
دیو درس اس کا نہ جانے نا پری

درسِ اسماء ان کو دو آدم ذرا
نوع بنوع دو درسِ اسرارِ خدا

وہ کہ جو ہے اس قدر کوتاہ بیں
رنگ برنگی ہے ثبات اس میں نہیں

چوہا نام اس کو دیا مٹی میں جا
خاک ہی اس کے لیے جائے غذا

راستے بھی اس کے سب ہیں زیرِ خاک
خاک کو کرتا ہے ہر سو چاک چاک

چوہا ہے لقمے اڑانے کے لیے
عقل بھی حاصل اسی حد تک اسے

کیوں کہ بے حاجت خداوندِ عزیز
کاہے کو دے گا کسی کو کوئی چیز

گر نہ ہوتی حاجتِ عالم زمیں
پیدا کیوں کرتا وہ رب العالمیں

تھی زمینِ مضطرب محتاجِ کوہ
پیدا ہی کرتا نہ کوہ باشکوہ

گر نہ ہوتی حاجتِ افلاک بھی
سات گردوں نیست سے لاتا کبھی؟

چاند، سورج اور یہ تارے سبھی
جز بہ حاجت ہو بھی سکتے تھے کبھی

ہے کمند حاجت ہی ہستی کے لیے
جتنی حاجت مرد کو اتنا ملے

کانٹا حاجت ہی ہے موجودات کی
قدر حاجت دیتا ہے اللہ بھی

پس بڑھا حاجت کو اے محتاج زود
تا کرم سے جوش کھائے بحرِ جود

یہ گدائے رہ نشیں اور مبتلا
خلق کو حاجت کا دیتے ہیں پتہ

کوری، معذوری و بیماری و درد
تا کہ حاجت سے جگائے رحمِ مرد

لوگو! کہتا ہے کوئی دو مجھ کو ناں
ہے مرے ہاں مال اور سامان وخواں

آنکھیں اللہ نے چھچھوندر کو نہ دیں
کور کچھ لے تو خطا اس کی نہیں

وہ کہ جی سکتا ہے بے چشم و بصر
بے نیاز آنکھوں سے اندر خاک تر

آئے چوری کے لیے ہی خاک سے
تا بری اللہ چوری سے کرے

پھر وہ پر لائے و پرّندہ بنے
جوں ملائک آسمانوں میں اڑے

ہر زماں در گلشنِ شکرِ خدا
جیسے بلبل وہ رہے نغمہ سرا

اے کیا بد خوئی سے مجھ کو رہا
اے کہ دوزخ کو تو جنت کردیا

تونے دی چربی کو نور اور روشنی
اور سماعت ہڈیوں کو اے غنی

ہے کوئی رشتہ صفت کو جسم سے؟
فہمِ اشیا کا تعلق اسم سے؟

معنی طائر، لفظ جیسے آشیاں
جسم نہر اور روح جوں آبِ رواں

سیل میں ہے سطحِ آبِ جوئے فکر
کب بنا خاشاکِ نیک و بد ہے ذکر

وہ رواں اور تو کہے ٹھہرا ہوا
دوڑ میں ہے وہ، کہے تو ہے کھڑا

گر نہ دیکھے سیلِ آب از جابجا
کوڑا کرکٹ آئے گا کیوں کر نیا

کوڑا کرکٹ وہ نئ اشکالِ فکر
آتی ہیں ہردم یونہی اشکالِ بکر

بہتی جو ہے فکر میں ہے سطحِ آب
دونوں اس کے ساتھ ہیں خوب وخراب

چھلکے سطحِ آب پر ہیں جو رواں
باغِ غیبی کے پھلوں سے ہیں دواں

مغز کو چھلکوں کے اندر باغ جا
باغ سے جاری ہے پانی نہر کا

گر نہ دیکھے حرکتِ آبِ حیات
جانچ حرکت ڈال کر پانی میں پات

تیز تر پائے اگر جوئے رواں
غم نہ ٹھہرے در ضمیرِ عارفاں

گر ہو پُر پانی سے اور ہو تیز رَو
کچھ نہ ٹھہرے اس میں غیراز آبِ جو

## ایک اجنبی شخص کا ایک شیخ پر طعنہ زنی کرنا اور شیخ کے مرید کا جواب دینا

طعنہ زن تھا شیخ پر ابلہ کہیں — کہ ہے بد، راہِ ہدایت پر نہیں
وہ شرابی ہے، وہ مکّار اور شریر — کیا مریدوں کا وہ ہوگا دستگیر
اس پہ اک بولا ادب کر، ہوشیار — یہ گماں چھوٹا نہیں ہے بر کبار
دور ان سے اور دور اوصاف سے — گندہ ان کے صاف کو تا کر نہ دے
ایسے بہتاں سے بری ہیں اہلِ حق — یہ ہے تیری سوچ بس پلٹا ورق
یہ نہیں، ہے بھی اگر اے مرغِ خاک — بحرِ قلزم کو ہو کیا مردے سے باک
حوض کیا جو دو گھڑوں سے کم نہیں؟ — قطرہ بیکار اس کو کردے گا کہیں؟
کیا بگاڑے آگ ابراہیمؑ کا — جو کوئی نمرود ہو اس کو ڈرا
نفس ہے نمرود، عقل و جاں خلیل — روح محوِ دید، نفس اندر دلیل
یہ دلیلِ رہ ہے رہرو کے لیے — رہ بیاباں میں سدا جو گُم کرے
واصلوں کو کیوں بھلا چشم و چراغ — رہنماؤں سے انھیں حاصل فراغ
دے دلیل اک جب کوئی مردِ وصال — وہ ہے بہرِ فہمِ اصحاب جدال
طفلِ نو کے ساتھ گر تتلائے باپ — عقل سے وہ لے سکے دنیا کی ناپ
رتبہ کم ہوتا نہیں استاد کا — گر ''الف'' کو اس نے خالی کہہ دیا
از پئے تعلیمِ وہ بستہ دہن — بولے وہ حطّی و ہوّز کلمن
کچھ زباں میں اس کی کہنا چاہیے — دور خود سے اس کو رہنا چاہیے
سمجھے سب لوگوں کو بچے اپنے ہی — پیر کو لازم یہ وقتِ پند بھی
اس مریدِ شیخ، بدگو کے لیے — تھا جو کفر و گمرہی میں خود پھنسے
بولا خود کو کر نہ وقفِ تیغ تیز — ہاں! نہ کرنا شاہ و سلطاں سے ستیز
حوض دریا سے اگر ٹکرائے گا — جڑ سے اپنی ہستی خود کھدوائے گا
وہ نہیں دریا کنارہ جس کا ہو — اک تمھارے مردے سے گدلا جو ہو

کفر کی حد بھی ہے اور اندازہ بھی
حد نہیں نور اور نور شیخ کی

پیشِ لا محدود ہے محدود لا
غیرِ وجہِ اللہ ہے ہر شئ فنا

کفر و ایماں سے غرض کیا آپ کو
مغز خود وہ پوست کے ہیں رنگ دو

پردہ اس کی ذات کے سب فانیاں
وہ چراغ اک طشت کے اندر نہاں

بس سرِ تن پردہ اس سر کا ہوا
آگے اس کے تن کا سر کافر رہا

کون کافر غافل از ایمان و شیخ
کون مردہ بے خبر از جانِ شیخ

ہے علاوہ علم کے کیا زندگی
علم افزوں جس کا اس کی جاں بڑی

جانِ حیواں سے ہے اپنی جاں سوا
کیوں کہ گنجِ علم ہے اپنا بڑا

اپنی جاں سے ہے فزوں جانِ ملک
کہ ہیں وہ نادیدہ حسِ مشترک

ہے ملک سے جانِ اہلِ دل فزوں
چھوڑ حیرانی تری حیراں ہے کیوں

اس لیے آدم کو وہ سجدہ کیے
جاں کے باعث آدم افضل ان سے تھے

سجدہ جو اعلیٰ کو کمتر نے کیا
حکم ویسا ورنہ ہوتا ناروا

کیسے مانے لطف و عدلِ کردگار
تا کہ سجدہ گل کرے در پیشِ خار

جان بڑھتے بڑھتے حد سے بڑھ چلی
زیرِ فرماں جاں ہوئی ہر چیز کی

مرغ و ماہی و پری و آدمی
وہ زیاد اور ان کے اندر ہے کمی

سوئیاں گدڑی کو لائیں مچھلیاں
سوئیوں کے تابع تھے دھاگے وہاں

## دریا کے کنارے پر حضرت ابراہیم بن ادہم کا باقی قصہ

دیکھا حکمِ شیخ جو جاری ہوا
مچھلیاں آئیں، ، اسے وجد آ گیا

بولا پیروں سے ہیں آگہ مچھلیاں
اس پہ تف، جو ہے امینِ آستاں

مچھلیاں پیروں سے واقف ہم بعید
ہم شقی اس مایہ سے اور وہ سعید

زار روتے سجدہ کرکے چل دیا
شوقِ فتحِ باب کا دیوانہ تھا

پس اے گندہ رو ہے تیری سوچ کیا
کس سے جھگڑا اور حسد کرنے چلا

کھیلتا ہے شیر کی دُم سے ابھی	برملائک حملہ، یہ جرأت تری؟
خیر کے پُتلے کو کہتا ہے برا	اور پستی کو ترقی کرلیا؟
بد ہے کیا، تانبہ ہے محتاج اور خوار	کیمیا تو شیخ کو کرلے شمار
لائقِ اکسیر اگر تانبہ نہ تھا	کیا ہوئی تانبے سے تانبہ کیمیا؟
بد ہے کیا اک آگ از روئے عمل	شیخ کیا ہے، پرتوِ بحرِ ازل
بد وہی، اک ظالمِ ظلمت فزا	شیخ کیا ہے، عکسِ انوارِ خدا
بد ہے کیا، اک آگ ہے پُر درد و سوز	شیخ جیسے آبِ کوثر در تموز[1]
پانی ہے آتش بجھانے کے لیے	ڈر نہیں ہے پانی کو کچھ آگ سے
عیب بینی تو رخِ مہ میں کرے	تو وہی جو کانٹے جنت میں چنے
جائے گر جنت میں تو اے خار جو	پائے کانٹا تو ہی اپنے آپ کو
تو چھپائے سورج اندر خاک کے	بدر میں بھی تجھ کو رخنہ چاہیے
یوں تو سورج سے ہے روشن کل جہاں	چھپتا ہے خفّاش سے جاکر کہاں
رد سے پیروں کی ہوئے ہیں غیب عیب	رشکِ پیراں سے ہوئے سب عیب غیب
بن گئے عیب ان کی در سے کئی ہنر	شک سے شک ان کے یقیں بھی کس قدر
ہو تو ہو دوری مگر تو یار رہ	جاں ندامت میں کھپا پُرکار رہ
تا نسیم اس راہ سے پہنچے تجھے	آبِ رحمت وہ حسد سے کیوں رُکے
دور ہے تو دور سے ہی دُم ہلا	تو جدھر بھی ہو اِدھر ہو رخ ترا
تیز رو خر گر پڑے کیچڑ میں گر	اٹھ نہ جائے اپنے پاؤں جھاڑ کر
وہ زمیں ہموار کرتا کیوں بھلا	وہ نہ تھی جب کھانے پینے کی جگہ
حسِ خر سے تیری حِس کمتر رہی	کہ نہیں دلدل سے باہر دل ابھی
تو ابھی چاہے کہ دلدل میں رہے	دل نہ چاہے باہر آنے کے لیے
چوں کہ ہوں مجبور مجھ کو یہ روا	پیش لطفِ حق نہیں ہے یہ خطا

---

1- تموز=سخت گرمی

اے تو جوں بجّو گرفتارِ فجور — تو نہ سمجھے اس پکڑ کو پُرغرور
کہتے ہیں بل میں کوئی بجّو نہیں — دیکھو ہوگا غار کے باہر کہیں
بابا بجّو غار کے اندر نہیں — پانی پینے گھاٹ کو بھاگا کہیں
یوں ہی کہہ کے پھانس لیتے ہیں اُسے — وہ کہے ہے کون جو جائے مجھے
مجھ سے واقف ہوتے یہ دشمن اگر — کیسے کہہ سکتے کہ بجّو ہے کدھر
باندھتے لے آتے باہر باندھ کر — اس تمسخر سے تھا بجّو بے خبر

## ایک شخص کا دعویٰ کرنا کہ خدا گناہ کی وجہ سے میری گرفت نہیں کرتا ہے اور حضرت شعیب علیہ السلام کا اس کو جواب

کہہ رہا تھا کوئی در دورِ شعیبؑ — دیکھے اللہ نے بہت سے میرے عیب
اس نے دیکھے میرے کئی جرم وگناہ — پر نہ پکڑا لطف ہے اللہ کا
گوش پیغمبرؑ میں اللہ نے شتاب — صاف لفظوں میں دیا اس کا جواب
کہتا ہے میں نے کیے ہیں کئی گناہ — لطف سے مجھ کو نہیں پکڑا خدا
کہہ رہا ہے بات الٹی وہ سفیہ — اے تو گم کردہ ہے پکڑا راہِ تیہ
بارہا پکڑا تجھے تو بے خبر — تو ہے زنجیروں میں از پا تا بہ سر
نوع بہ نوع ہے رنگ اے دیگِ سیاہ — تیرے سینے کی جلا اس سے تبہ
زنگ پر زنگ خوب ہے دل پر ترے — تا کہ تو اندھا رہے اسرار سے
دیگِ نو کو چھو بھی لے گر وہ دھواں — جو برابر بھی اثر ہوگا عیاں
ضد سے ظاہر ہے وجود ہر چیز کا — ہے سپیدی پر سیاہی خود نما
جب دھوئیں سے دیگ کالا ہوگیا — پھر اثر اس پر دھوئیں کا ہوگا کیا
کوئی حبشی گر کرے آہنگری — رنگ چہرہ اور دھواں ہمرنگ ہی
اور اگر رومی کرے آہنگری — دود سے رنگ ہوگا ابلق زود ہی
پس نہ جانے زود تاثیرِ گناہ — تا کرے نالہ، پکارے اے خدا
گر کرے ضد اور بدی پیشہ کرے — چشمِ اندیشہ کو نابینا کرے

وہ نہ سوجھے توبہ کی خوشدل رہے　　دل پہ جم کر وہ گنہ بے دیں کرے
اس میں وہ یارب نہ وہ شرمندگی　　ساٹھ تہ آئینہ پر زنگار کی
زنگ اس کے لوہے کو کھاتا رہا　　رنگ بھی گوہر کا کم ہونے لگا
اجلے کاغذ پر تو جو کچھ بھی لکھے　　وہ لکھا آساں ہے پڑھنے کے لیے
تو جو کچھ لکھے ہوئے خط پر لکھے　　فہم مشکل اور غلط پڑھنے لگے
اس سیاہی پر سیاہی پڑ گئی　　ہر دو خط اندھے و غائب معنی بھی
بارِ سوم بھی لکھے اگر اس پہ ہی　　اس کی کافر جاں سیہ تجھ سے ہوئی
کیا ہے چارہ جز پناہِ چارہ گر　　یاس تانبا، کیمیا اس کی نظر
اس کے آگے لا رکھوں نومیدیاں　　ہے دوائے لا دوا ان کے یہاں
جب شعیبؑ نے اس سے یہ نکتے کہے　　پھول اس کے دل کے اندر کھل گئے
سن لی اس کی جاں نے وحیِ آسماں　　پوچھا وہ پکڑا ہمیں تو کیا نشاں؟
بولا یارب! دخل سے روکے مجھے　　کچھ نشانی اس پکڑ کی مانگتے
بولا کھولوں راز کیوں ستار ہوں　　اک اشارے کے سوا کچھ نہ کہوں
اک علامت اس پکڑ کی ہے یہی　　روزے رکھے گا ، کرے گا بندگی
صدقہ بھی دے گو نمازیں بھی پڑھے　　پھر بھی وہ بے بہرۂ لذت رہے
بندگی کرتا ہے، کام اچھے سبھی　　پر نہ دیکھے ان میں کوئی چاشنی
طاعت اچھی پھر بھی بے معنی رہی　　خوب اخروٹ اور نہیں اس میں گری
ذوق بھی ہو تا کہ دے طاعت ثمر　　چاہیے گودا کہ دے دانہ شجر
بے گری دانہ نہیں ہوتا نہال　　اور بے جاں شکل ہے کیا جز خیال
یوں نبیؑ جب ہوگئے نکتہ سرا　　فکر کے دلدل میں خر پھنس کر رہا

## اس بیگانہ انسان کا شیخ پر طعنہ کرنے اور اس کو مرید کے جواب کا بقیہ قصہ

کر رہا تھا شیخ سے بکواس وہ　　کج نظر ہوتا ہے وہ بھینگا جو ہو
کہ ہوں اس کے حال پر میں خود گواہ　　ہے شرابی اور بدکار و تباہ

میں نے دیکھا ایک مجلس میں اُسے — مفلس اک بے واسطہ پرہیز سے
گر نہ ہو باور تو اٹھ دیکھ آج شب — تا کہ دیکھے فسق شیخ آنکھوں سے اب
لے گیا وہ اس کو روشن دان پر — بولا دیکھ اس کے مزے وفسق اُدھر
دیکھ اس کا دن میں دھوکا فسقِ شب — دن کو مثلِ مصطفیٰ شب بو لہب
دن کو عبداللہ ہوگا اس کا نام — شب کو اللہ کی پنہ در دست جام
دیکھا اس کے ہاتھ میں بوتل بھری — پوچھا دھوکا کھائے تم بھی شیخ جی؟
تو نہ بولے گا کہ دو جامِ شراب — ضد سے شیطاں بول کرتا ہے شتاب
پُر کیے ہیں جام میرا اس قدر — اس میں گنجائش نہیں ہے دانہ بھر
دیکھ گنجائش ہے اس میں ذرّہ بھر؟ — بات کو تونے غلط سمجھا مگر
جام ظاہر بادہ پر ظاہر نہیں — دور رکھ اس کو ز شیخ غیب ہیں
شیخ کی ہستی ہے اے بیہودے جام — بولِ شیطاں کو کہاں اس میں مقام
تا بہ سر تھا نورِ حق سے جو بھرا — جامِ تن ٹوٹا تو نورِ حق رہا
نور سورج کا حدث پر گر پڑے — وہ حدث کیوں نور اسے اپنا سکے
شیخ بولے جام و مے کیا ہے بھلا — ہاں اتر کر دیکھ لے منکر تو آ
وہ تھا خالص شہد کچھ دیگر نہ تھا — دیکھ کر وہ دشمن اندھا ہوگیا
بولا پیر اپنے ارادت مند سے — ڈھونڈ کر لا بادہ تو میرے لیے
میں ہوں مجبور اور مرض ہے وہ مرا — بھوک سے بڑھ کر ہے اس کی اشتہا
وقتِ مجبوری ہے ہر مردار پاک — سر پہ منکر کے رہے لعنت کی خاک
چھانے چیلے نے وہ میخانے سبھی — بہرِ شیخ اس نے چکھا ہرخم سے بھی
مے نہ پایا بوتلیں دیکھیں سبھی — بوتلوں میں تا بہ لب تھا شہد ہی
بولا اے رِندو یہ کیا ہے ماجرا — مے کا اک شیشہ بھی ڈھونڈے نہ ملا
پینے والے آئے آگے شیخ کے — روتے چلاتے سروں کو پیٹتے
آئے میخانے کو آپ عالیجناب — ہوگئی ہے شہد جو بھی تھی شراب

پاک کر ڈالا مئے ناپاک کو　　پاک کر یوں ہی ہماری جاں کو تو
تر ہوخوں سے بھی جو عالم بال بال　　بندۂ حق کھائے گا قوت حلال

## حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنا مصلّٰے کے بنا جہاں جاتے ہیں نماز پڑھتے ہیں

عائشہؓ اک روز بولیں یا نبیؐ　　آپ جلوت ہو کہ خلوت ہر کبھی
جائے ہو کیسی بھی بہرِ بندگی　　پاک یا ناپاک کیسی بھی سہی
بے مصلّٰے آپ پڑھتے ہو نماز　　کیوں سرِ سطحِ زمیں کہیے گا راز
ہوتا ہے ناپاک بچہ ہر کوئی　　چلتا پھرتا ہے اسی جا ہر کبھی
بولے پیغمبرؐ بڑوں کے واسطے　　پاک کر ڈالا نجس اللہ نے
یوں ہی میری سجدہ گہ کو لطفِ حق　　کردیا ہے پاک تا ساتوں طبق
شاہوں سے کرنا حسد تو چھوڑ دے　　ورنہ خود ہوجائے شیطاں دیکھ لے
شہد ہوجائے وہ سم کھائے اگر　　شہد کا تم پر ہو جیسے سم اثر
وہ بھی بدلا، بدلے اس کے کار بھی　　وہ محبت نور اس کی نار بھی
حق کی قوت مل گئی ابابیل کو　　ورنہ کیسے مرغ مارے فیل کو
چند پرندوں سے اک لشکر کی ہار　　تا تو اس سختی کو سمجھے حق کی مار
اس میں شک کی بات پائے تو کوئی　　جا کے پڑھ تو سورہ اہلِ فیل کی
ان سے ردّو کد کرے یا ہمسری　　میں ہوں کافر، گر تو پائے بہتری

## چوہے کا اونٹ کی مہار کو کھینچنا اور چوہے کا گھمنڈ میں آجانا

چوہا باگ اک اونٹ کی تھامے ہوئے　　جا رہا تھا خود کو ہمسر جان کے
اونٹ اس کے ساتھ تیزی سے چلا　　چوہا سمجھا خود پہلواں ہوں بڑا
اونٹ دیکھا عکس اس کی فکر کا　　بولا دل میں، کر خوشی، دکھلاؤں گا

آ گیا بازو بڑی اک نہر کے
مات جس کو دیکھ کر ہاتھی بڑے

چوہا ٹھہرا، خشک اس کا خوں ہوا
اے رفیق کوہ و دشت! اُشتر کہا

کاہے رکنا، کیوں یہ حیرانی بھلا
پاؤں رکھ مردانہ، اندر جو کے آ

تو مرا رہبر، تو میرا پیش رو
بیچ رستے میں نہ رک اور چپ نہ ہو

بولا یہ جو پُر خطر ہے اور عمیق
غرق مجھ کو کر نہ دے ڈر ہے رفیق

بولا اُشتر تا کہ دیکھوں حدِ آب
پاؤں ڈالا اس کے اندر وہ شتاب

بولا پانی ران تک ہے کور موش
کاہے حیراں کیوں گنوا بیٹھا تو ہوش؟

بولا چیونٹی تجھ کو، ہم کو اژدہا
فرق زانو زانو میں خود ہے بڑا

گر ہے تیری ران تک اے پُر ہنر
میری تالو سے بھی سو گز ہے اوپر

بولا گستاخی نہ کر بارِ دگر
جسم و جاں کو تا نہ پھونکے یہ شرر

مثلِ خود چوہوں کی کر تو ہمسری
اونٹ کیا چوہا کہاں، کیسی کہی

بولا توبہ میں نے کی بہرِ خدا
پار کرو، آبِ مہلک سے بچا

رحم آیا اونٹ نے اس سے کہا
کود کر پالاں کے اوپر بیٹھ جا

پار میں تو کر ہی لوں گا بے گماں
تجھ سے لاکھوں کو کروں گا پار ہاں

تو پیمبر جب نہیں چل راست راہ
تا کہ پہنچے چاہ سے تو سوئے جاہ

تو رعیت بن کے رہ سلطاں نہیں
چھو نہ تہ کو کیوں کہ کشتیاں نہیں

تو نہیں ماہر دکاں تنہا نہ کر
متبع بن، کر مشقت میں بسر

مشکل آزادی تجھے تو بندہ رہ
مت پہن اطلس تو اندر ژندہ رہ

سن کے حکمِ "انصِتوا" خاموش رہ
تو زبانِ حق نہیں، بن گوش ، رہ

پوچھو گر مشکل کوئی درپیش ہو
جیسے اک مسکین شاہوں سے کہو

ابتدائے کبر و کیں شہوت سے ہی
اور کرے شہوت تری عادت قوی

ہوگی عادت سے بری خصلت قوی
غصہ آئے تجھ کو جب روکے کوئی

ہوگیا جب مٹی کھانے والا تو
جو بھی روکے اس کو تو سمجھے عدو

بت پرستوں کو بتوں کی راس خُو
جو بھی ہوں مانع انھیں سمجھیں عدو

چوں کہ تھی شیطاں میں خوے سروری
اس نے کی تحقیرِ آدم از خری

مجھ سے بہتر دوسرا آقا یہ کیا
سجدے کا طالب مجھ ایسے سے ہوا

سروری ہے زہر اس روح کے سوا
لان[1] کا تریاق ازل سے جو رہا

کوہ سانپوں سے بھرا ہو بھی نہ ڈر
کیوں کہ ہے تریاق بھی موجود اُدھر

سروری کی دھن جو سر میں بس گئی
جو تجھے پسپا کرے دشمن وہی

گر خلاف اس کے کوئی تجھ کو کہے
کینے بڑھتے جائیں گے دل میں ترے

میری خو کو دفع جو مجھ سے کرے
خود ہی میرا میر اور سرور بنے

چوں کہ سرکش خوئے بد اس میں نہیں
پھر مخالف آگ بھڑکے گی کہیں؟

خوئے بد محکم نہیں ہے اس میں جب
آگ کی بھٹی چلے گی اس میں کب

وہ مخالف کی تواضع گر کرے
پیار اس کا اس کے دل میں گھر کرے

تجھ میں خوئے بد جو ہوگی استوار
چیونٹی شہوت کی بھی ہوجائے گی مار

پیار دے شہوت کو وقتِ ابتدا
ورنہ بن جائے ترا سانپ اژدہا

مار اپنا مور ہے سب کے لیے
اپنی بابت اہلِ دل سے پوچھیے

مارِ شہوت کو تو اول مار دے
ورنہ اے تیز عقل ہوں گے اژدہے

تانبے زرمِس، نہ جانے مِس ہوں میں
شہ بنے دل جانے تب مفلس ہوں میں

خدمتِ اکسیر کر مس وار تو
جور سہہ لے اے دل از دلدار تو

کون دلدار؟ اہلِ دل، خوش جان لے
جاتے ہیں جوں روز وشب جگ سے چلے

عیب مت گِن بندۂ اللہ کے
شاہ کو الزام چوری کا نہ دے

ورنہ ہو ناچیز تر ناچیزوں سے
جائے ہر شیطان کا پس رو بنے

---

1- لان= پہاڑ

## اس درویش کی کرامات جس پر کشتی میں چوری کرنے کی تہمت لگائی گئی

ایک کشتی میں کوئی درویش تھا — اک سہارا اس کا مردی ہی رہا
خفتہ وہ، نقدی کسی کی کھوگئی — سب کے بعد اس کی تلاشی بچ رہی
خفتہ کی لینے تلاشی وہ بغم — کردیا بیدار اسے صاحب درم
کھوگیا ہے ناؤ میں اک چرمداں — کی تلاشی سب کی ہے تو بھی یہاں
دلق اتار اپنی، چل آ بیرون دلق — تا کہ تجھ سے رفع ہوں اوہامِ خلق
ان خسوں نے متہم مجھ کو کیا — یا خدا اب حکم ہو جاری ترا
سننے والا دکھ میں تو فریادی کا — تو ہی میری ہر مصیبت میں پنہ
دینے والا تو جوابِ ہر دعا — ہر مشقت میں توہی ملجا مرا
ہوگیا دکھی جو دل درویش کا — سر نکالا مچھلیوں نے جابجا
گہرے اُس دریا کی سطح آب پر — ہر کسی کے منھ میں اک نادر گہر
''صد ہزاراں ماہی از دریائے پُر'' — ہر کسی کے منھ میں دُر، کیا خوب دُر!
مول ہر اک کا، خراج اک ملک کا — کیوں کہ تھا وہ لا شریک اللہ کا
ڈالے موتی چند ناؤ میں اڑے — اور ہوا پر بیٹھے جا کرسی کیے
جیسے شاہاں چوکڑی مارے ہوئے — اوج پر وہ ناؤ نیچے سامنے
بولا کشتی تم کو، بس مجھ کو خدا — چور تم میں کاہے کو، کاہے گدا
ہاں! جدائی سے زیاں کس کا ہوا — خوش میں باحق اور خلقت سے جدا
وہ نہ تہمت مجھ پہ چوری کی لگائے — باگ غمازوں کے ہاتھوں میں نہ جائے
چیخ اٹھے اہلِ کشتی، اے ہُمام — تونے کیوں پایا ہے یہ اونچا مقام
کیوں کہ تہمت تھوپ دی درویش پر — چیز یہ چھوٹی حق آزاری ادھر
نہ نہ، میں نے کی ہے تعظیمِ شہاں — میں فقیروں سے نہیں تھا بدگماں
وہ فقیراں پاک خو اور خوش نفس — شان میں جن کی ہوئی نازل ''عبس''

اس فقیری میں کوئی دھوکا کجا　　کچھ فقیری میں نہیں غیر از خدا
متہم کیسے کروں میں جب کہ حق　　سونپا ان کو مخزنِ ہفتم طبق
نفس سو فسطائی مانگے گوشمال　　مار اسے لائق، دلائل اک وبال
معجزہ دیکھے تو نوراً نور حال　　پھر کہے، وہ کیا تھا محض اپنا خیال
تھا حقیقت گر وہ نظارہ عجب　　کیوں نہ ٹھہرا آنکھ میں پھر روز وشب
چشمِ پاکاں میں رہے قائم مگر　　چشمِ حیواں میں نہ ہوگا اس کا گھر
حسِّ ظاہر سے عجب یہ عار و ننگ　　کیوں سمائے مور اندر چاہ تنگ
تا نہ آؤں تجھ کو باتونی نظر　　سو میں اک کہتا ہوں وہ بھی بال بھر

## صوفیوں کا ایک شیخ کے سامنے اس صوفی کو طعنہ دینا کہ بہت بولتا اور بہت کھاتا ہے

صوفیا اک خانقہ کے شیخ سے　　ایک صوفی کی بدی کرنے لگے
شیخ سے بولے، ہمارے پیشوا!　　کیجے صوفی سے ذرا یہ فیصلہ
پوچھا اس سے کیا گلہ ہے صوفیا　　تین ہیں بد عادتیں اس نے کہا
باتیں کرتا ہے بہت جیسے جرس　　کھائے بیسوں سے سوا یہ ایک کس
نیند اس کی کہف والوں کی مثال　　یوں تھے پیشِ شیخ سرگرمِ جدال
شیخ نے رُخ اس کی جانب کرلیا　　بولے رکھنا ہے لحاظ اوساط کا
چاہیے ہر شے میں اوسط کا خیال　　ہے ملاوٹ خوب اگر ہو اعتدال
خلط کوئی گر ہو افزوں در عرض　　جسم انسانی میں ہو پیدا مرض
ہے غلط یاروں پہ سبقت کی صفت　　ہے جدائی بالیقیں در عاقبت
بات موسیٰؑ کو تو تھی موزوں ولے　　ہوگئی افزود اپنے یار سے
وہ زیادت خضرؑ کو وجہِ شقاق　　بولے، کہتے ہو بہت ''ہٰذا فراق''
عفو ! موسیٰؑ تم بہت کہتے رہے　　کتنا بولوگے، چلو ہم چل دیے
موسیٰؑ تم بسیار گو اٹھو چلو　　ورنہ اندھے بہرے میرے ہاں رہو

گر نہیں جاتے بضد ٹھہرے رہے تو بہ معنی چل دیے اور کٹ گئے
وقتِ طاعت ٹوٹ جائے گر وضو بولے جا سوئے طہارت کر وضو
گر نہ جائے تیری طاعت جائے گی حرکتیں کرتے ہوئے بیٹھ اے غوی
ساتھ ان کے جا جو ہیں ساتھی ترے عاشق و پیاسے تری گفتار کے
سونے والوں پر ہے لطف پاسباں پاسباں کب چاہتی ہیں مچھلیاں
جامہ پوشوں کو ضرورت دھوبی کی جانِ عریاں کو تجلّی حق بھلی
یا تو ننگوں سے جدا اک راہ لے یا بلا تن و جامہ ان کا ساتھ دے
گر نہ بھائے جملہ عریانی تجھے جامہ کوتاہ کر رہِ اوسط تو لے

## خانقاہ کے شیخ سے فقیر کا عذر کرنا

شیخ سے احوال سب کہتے گدا عذر میں الزام شامل کردیا
شیخ تو پرسش پہ دے ڈالے جواب جوں جواباتِ خضرؑ خوب و صواب
وہ جواباتِ سوالاتِ کلیمؑ جو خضرؑ نے پائے از ربِّ علیم
مشکلیں سب حل ہوئی ہیں اور بھی ان کی ہر مشکل کو اک کنجی بھی دی
خضرؑ سے میراث والا وہ گدا شیخ کو دینے جواب آمادہ تھا
بولا اوسط یوں تو حکمت ہے بڑی لیکن اوسط بستۂ نسبت رہی
اونٹ کی نسبت سے آبِ جو ہے کم لیک چوہے کے لیے ہے مثلِ یم
جس کسی کا ہو وظیفہ چار ناں کھائے دو یا تین اوسط ہے وہاں
وہ جو کھائے چار تو اوسط سے دور مثلِ بط پیٹو وہ کہلائے ضرور
جس کی ہے خوراک دس روٹی جدھر کھائے گر چھ جان اوسط ہے ادھر
بھوک پنجاہ روٹیوں کی ہے مجھے اور تم کو چھ، تو کب ہیں ایک سے
جب کہ دس رکعت سے تھک جاتا ہے تو میں نہیں تھکتا ہوں پڑھ کر پانسو
کعبہ ننگے پاؤں ہے جاتا کوئی تا بہ مسجد چل نہیں پاتا کوئی

پاکبازی میں کسی نے جان دی
نان پانے تک کسی کی جاں گئی

اوسط اس میں، جس کی ہوگی انتہا
اول، آخر، سے ہے جس کا واسطہ

اول و آخر ضروری ہے اسے
تا تصور میں وہ اوسط آسکے

دو حدیں ہی بے نہایت کی نہیں
بیچ، آگے پیچھے بھی ہوں گے کہیں؟

اول و آخر نہ بتلایا کوئی
بولا گر ہو روشنائی بحر بھی

روشنائی سات دریا بھر سبھی
ہے امید اختتام اس سے کوئی

باغ، جنگل سب جو بن جائیں قلم
اس سخن سے ذرّہ بھر ہوگا نہ کم

یہ سیاہی، یہ قلم فانی سبھی
وہ سخن باقی رہے اس وقت بھی

نیند جیسی ہے مری حالت کبھی
خواب سمجھے اس کو پر گمراہ ہی

آنکھ میری سوئے دل بیدار جان
لگتا ہوں بیکار، پر برکار جان

سوتی ہیں آنکھیں مری بولے نبیؐ
حق سے دل غافل نہیں میرا کبھی

بولے آقاؐ نیند میں آنکھیں رہیں
اونگھ میں دل میرا سوتا ہے کہیں

چشم بیدار اور دل تیرا بہ خواب
میری آنکھیں خفتہ، دل در فتحِ باب

میرا دل رکھتا ہے پنج حسِ دگر
دونوں عالم دل کو ہیں پیشِ نظر

ضعف سے اپنے نہ کر مجھ میں نگاہ
جو تھی شب ہے وہ مجھ کو چاشت گاہ

تجھ کو زنداں مجھ کو وہ زنداں ہے باغ
مجھ کو ہے مشغولیت میں ہی فراغ

پاؤں تیرا گِل کے اندر مجھ کو گُل
تجھ کو ماتم مجھ کو شادی اور دُہل

تیرے ہمراہ میں زمیں پر در محل
چرخِ ہفتم پر دواں ہوں جوں زحل

میں نہیں ہمراہی سایہ ہے مرا
ہے تخیل سے پرے پایہ مرا

میں خیالوں سے بھی بالا تر رہا
میں ہوں بیرونِ تخیل دوڑتا

فکر مجھ سے ہے نہیں میں فکر سے
گھر کا مالک ہوں بنایا ہے اُسے

فکر کی محکوم ہے خلقت سبھی
دل شکستہ اور ہے غمگین بھی

جب بھی چاہوں فکر کے تابع رہوں
اور جو چاہوں بیچ سے اک جست لوں

مرغِ بالائی ہوں اندیشہ مگس  
مجھ پہ کیسے ہو مگس کو دسترس

قصداً آتا ہوں بلندی سے کبھی  
جمع تا کہ پا شکستہ ہوں سبھی

جوں ہی دکھ دیتی ہیں یہ سفلی صفات  
اڑ چلا جیسے طیورالصافّات

پر اُگ آئے میری اپنی ذات کے  
میں نے چپکائے نہیں کچھ گوند سے

جعفرِ طیارؓ کے پر جار یہ  
جعفرِ طرار کے پر عار یہ

جو نہ چکھا اس کو یہ دعویٰ رہا  
نزدِ سکّانِ اُفق معنیٰ بجا

دعویٰ اور اک ڈینگ کوّے کے لیے  
اور مگس کو خالی، پُر دیگ ایک سے

تیرے اندر لقمہ بنتا ہے گہر  
جتنا ممکن ہو تو کھالے پیٹ بھر

شیخ نے از بہرِ دفعِ سوئے ظن  
کی لگن میں قے تو پُر درتھی لگن

کرلیے محسوس موتی عقل کے  
شیخ نے اک مرد کی کم عقلی سے

پاک ہوجاتا ہے معدے میں پلید  
کر مقفل منہ چھپادے پھر کلید

جس کسی کا لقمہ دے نورِ حلال  
بول اسے، کھا جتنا کھائے ہے حلال

## اس دعوے کی سچائی کے بیان میں جو صاحب حال کے نزدیک حقیقت ہے اس سے بیگانوں کی دوری

گر حقیقت سے مری واقف ہے تو  
ہے دلیل از خود نہیں یہ گفتگو

نصف شب میں پاس ہوں میں گر کہوں  
رات سے ڈر کیوں، تمھارا خویش ہوں

دعوے یہ دونوں حقیقت ہیں تجھے  
اپنوں کو پہچانے تو آواز سے

اپنے ہونا آگے ہونا دعوے دو  
ہیں حقیقت دونوں فہمِ نیک کو

پاس کی آواز سے ثابت ہوا  
کہ قریبی دوست کی ہے یہ صدا

بھائی کی وہ لذتِ آواز بھی  
دے گواہی، وہ ہے اپنا بھائی ہی

پھر وہ بے الہام احمق جاہلاں  
بانگِ اہل و غیر سے واقف کہاں

دعویٰ اس کو اس کی وہ گفتار ہے  
جہل اس کو پایۂ انکار ہے

دانا روشن دل میسر ہے جسے دعویٰ ہی واضح حقیقت ہے اسے
یا عرب بولے کوئی، عربی زباں کہ مجھے آتی ہے عربوں کی زباں
ہے حقیقت اس کا عربی بولنا گرچہ عربی بولنا دعویٰ رہا
یا کوئی کاتب یہ کاغذ پر لکھے کاتب وخط خواں ہوں، بس ابجد مجھے
یہ نوشتہ گرچہ اک دعویٰ رہا ساتھ ہی خود شاہدِ معنیٰ ہوا
یا کوئی صوفی کہے تجھ سے کہ دوش خواب کی حالت میں سجادہ بدوش
میں نے تم سے نیند میں باتیں جو کیں شرح میں فکر و نظر کی ہی کہیں
کرلے ان باتوں کو تو حلقہ بگوش پیشوا کر اس سخن کو بہرِ ہوش
جب تجھے یاد آئے خواب اور یہ سخن ہو کرامت تازہ اور رازِ کہن
گرچہ یہ دعویٰ ہی لگتا ہے ولے جس پہ وہ گزرا ہے وہ بولے بلے
عقل ہے مومن کا دھن کھویا ہوا مانا اس کو جس کسی سے بھی سنا
خود جو بالکل سامنے پائے اسے خود غلط کیوں ہوگا، وہ شک کیوں کرے
پیاسے کو بولے اگر تو زود جا پیالے میں پانی ہے پیاس اپنی بجھا
پیاسا کیوں بولے ہے دعویٰ دور جا مدعی ہے مجھ سے تو مہجور جا
یا گواہ، یا کوئی حجت دکھا کہ ہے میٹھا پانی، پانی ہے بجا
یا کسی ماں نے کہا بچہ سے آ ! میں تری ماں اور تو بچہ مرا
بچہ بولے مجھ کو حجت چاہیے تا سکوں پاؤں میں تیرے دودھ سے
فرد امت جانے جو حق کا مزا رو اور آوازِ نبیؐ ہے معجزہ
جب بھی باہر سے نبی آواز دے جانِ امت در دروں سجدہ کرے
ان کی ہی آواز جیسی در جہاں سن نہ پائی غیر سے از گوشِ جاں
وہ مسافر سن کے آوازِ غریب سجدہ کرتے ہوگیا حق سے قریب

## حضرت یحییٰ علیہ السلام اور مسیح علیہ السلام کا ماں کے پیٹ میں ایک دوسرے کو سجدہ کرنا

حاملہ یحییٰ سے تھیں جب ان کی ماں — رو برو بیٹھی تھیں مریم کے یہاں
وقت زچگی کے لیے باقی جو تھا — اُمِّ یحییٰ نے بمریمؑ جب کہا
میں نے دیکھا تیرے باطن میں ہے شاہ — صاحبِ عزم اک نبی روشن نگاہ
تجھ سے جوں ہی سامنا میرا ہوا — سجدہ میرے حمل نے تجھ کو کیا
سجدہ اِس بچہ کا اُس بچہ کو تھا — درد جس سے پیٹ میں میرے اٹھا
بولیں مریمؑ مجھ کو بھی یوں ہی لگا — جیسے میرے بچے نے سجدہ کیا

## نادانوں کا اس قصہ پر اشکال لانا

ابلہوں نے اک فسانہ کہہ دیا — سب غلط جھوٹ اس کو رد کرنے کہا
وقتِ وضعِ حملِ مریمؑ کیا ہوا! — ساتھ کوئی غیر تھے نا اقربا
حمل میں مریمؑ تو تنہا ہی رہیں — از برونِ شہر بھی لوٹی نہیں
شہر کے باہر سے آئی ہی نہیں — حمل سے فارغ نہ جب تک ہوگئیں
پھر پسِ تولید بچے کو لیے — آئیں اپنے خانداں کے سامنے
اُمِّ یحییٰ نے کہاں دیکھیں انھیں — جو بیاں کیں اس طرح اس قصہ میں

## اشکال کا جواب اور قصہ کا مقصد

جو ہے اہلِ دل وہی جانے اسے — جو ہے غائب، وہ نظر آئے اسے
حضرتِ مریمؑ کے تھیں پیشِ نظر — مادرِ یحییٰ جو تھیں دور از بصر
بند آنکھیں دیکھ لوگے دوست کو — جب بھی تم چھلنی بنالیں پوست کو
ظاہر و باطن سے بھی دیکھے نہ گر — اس حکایت سے نتیجہ اخذ کر
ایسے قصے کیا نہیں تم نے سنے — نقش میں جوں حرف شیں چپکے نہ تھے

بے زباں کیسے کلیلہ نے کہا
بن کہے کیسے وہ دمنہ نے سنا
واقفیت لحن سے ہو بھی اگر
بے زباں کی بات کیوں سمجھا بشر
دمنہ شیر اور گائے کا قاصد بنا
کس طرح دونوں کو دھوکا دے سکا
گاوِ نر کیوں شیر کا منتری بنا
کیسے ہاتھی عکسِ مہ سے ڈر گیا
یہ کلیلہ دمنہ سب کچھ افترا
کوّے کو لکلک سے کیا نسبت بھلا
اے برادر قصہ جوں پیمانہ ہے
اور معنی اس میں جیسے دانہ ہے
دانۂ معنیٰ سے کام عاقل رکھے
ناپ بدلے بھی تو کیا پروا اُسے

## شمع و پروانہ اور گل و بلبل وغیرہ کے قصے کے بیان میں

سن گل و بلبل کا اب قصہ ذرا
گو نہیں ہے گفتگو کو اس میں جا
سن وہ قصہ شمع و پروانہ تو
اخذ کر پھر معنیِ افسانہ تو
باتوں سے عاری وہ جانِ گفتگو
اونچے اونچے اُڑ نہ اُڑ پستی میں تو
رخ کا گھر شطرنج میں کوئی کہا
بولا دیگر اس نے کیسے پالیا
گھر خریدا یا وراثت میں ملا
مرحبا معنی کو جو ڈھونڈے چلا
زید عمرو کا ہے اعراب سا
جھوٹ پر رائج زروئے قاعدہ
جرم عمرو کا تھا کیا جو زیدِ خام
بے خطا کو مارا مانندِ غلام
بات پیمانہ ہے معنی کے لیے
بولا پیمانہ کو رد کر معنی لے
زید، عمرو ہیں سمجھانے کے لیے
جھوٹ وہ، پر قاعدے کو جان لے
بولا نہ نہ، کیسے مانوں میں بھلا
عمرو کو کیوں زید مارا بے خطا
بولا نحوی، پھر زراہِ دل لگی
عمرو نے واؤ ایک زیادہ کاہے لی
زید اس کی چوری سے آگاہ ہوا
حد سے گزرا وہ جو دی اس کو سزا

## باطل بات کا باطل لوگوں کے دل میں اتر جانا

بولا، تو سچ بات میں نے مان لی ٹھیک پر ٹیڑھوں کو ٹیڑھی بات ہی
بولے احول کو اگر ہے چاند اک بولے وہ دو، ایک ہونے میں ہے شک
گر کوئی ہنس کر کہے، ہاں دو بجا سچ ہی سمجھے، یہ ہے بدخو کی سزا
جھوٹ اکٹھے ہوتے ہیں جھوٹوں کے ہاں جوڑا بد کا بد ہی ہوگا بے گماں
جس کا دل دریا ہو ہاتھ اس کے فراخ کور کو پھسلن براہِ سنگلاخ
جھوٹ کا ہم جنس ہو جو بھی پسر راست اس کے ہاں نہیں ہے معتبر
صدق کے دندان اُگ آئے جسے گندگی اور جھوٹ سے وہ بچ رہے

## اس درخت کی تلاش کرنا کہ جو بھی اس کا میوہ کھائے ہرگز نہ مرے

بولا اک دانا زراہِ داستاں جھاڑ اک ایسا ہے در ہندوستاں
جس کا پھل کھایا کوئی یا پالیا بوڑھا ہوگا اور نہ مرنے پائے گا
شہ نے جب یہ ایک سچے سے سنا جھاڑ کا اور پھل کا عاشق ہوگیا
دانا قاصد اپنے اک دیوان سے بھیجا ہندوستان لانے کے لیے
قاصد اس کی جستجو میں سالہا گرد ہندوستان کے پھرتا رہا
شہر شہر اس کی طلب میں چل دیا کوہ، جنگل، یا جزیرہ کیا بچا
جس سے بھی پوچھا وہ استہزا کیا کون مانگے اس کو مجنوں کے سوا
کی ہنسی بھی، دھول دھپا بھی کیا بھولا مانس بھی بہت سوں نے کہا
تو تو زیرک ہے ترا سینہ ہے صاف کیسے خالی ہوگا، کیوں ہوگا گزاف
یہ سلوک اک دھول دھپا تھا دگر اس سے بڑھ کر آشکار اور سخت گر
کہہ کے صاحب کی تمسخر میں ثنا بولا پُر ہول اس جگہ دیکھا گیا
جھاڑ اس جنگل کے اندر اک ہرا ڈالیاں موٹی اور اونچا بھی گھنا

جستجو کو باندھی قاصد نے کمر　　ہر کسی سے سنتا تھا باتیں دِگر
یوں سیاحت میں رہا وہ سالہا　　شاہ بھی مال اس کو بھجواتا رہا
دیکھیں صدہا مشکلیں غربت میں جب　　آگیا عاجز بالآخر از طلب
کچھ نشاں مقصود کا ظاہر نہ تھا　　جز خبر کچھ بھی نہ حاصل ہوسکا
اس کی امیدوں کا رشتہ کٹ گیا　　کھوج جس کی تھی وہ پانے سے رہا
لوٹنے کا عزم باندھا سوئے شاہ　　اشک برساتے ہوئے لی اس نے راہ

## اس مقلد طالب کے لیے شیخ کا اس درخت کے راز کی شرح کرنا

شیخِ عالم اک کریم النفس تھا　　یاس کا مارا جہاں آکر رُکا
بولا میں نومید اس کے ہاں چلوں　　اس کے در سے راہ شاید پاسکوں
تا دعا اس کی مرے ہمرہ رہے　　چونکہ ہوں مایوس میں دل خواہ سے
پہنچا پیشِ شیخ با چشم پُرآب　　اشک برساتے ہوئے مثلِ سحاب
بولا شیخ وقتِ رحمت ہے یہی　　یاس میں تسکیں کی ساعت ہے یہی
شاہ نے مجھ کو کیا ہے اختیار　　تا کہ لاؤں ڈھونڈ کر اک شاخسار
ایک نادر جھاڑ اندر کل جہات　　جس کا پھل تاثیر میں آبِ حیات
برسوں ڈھونڈا پر نہیں پایا نشاں　　میں نے جز طنز و تمسخر سر خوساں
شیخ ہنس کر بولے اے مردِ سلیم!　　جھاڑ یہ تو علم کا ہے اے علیم
خوب اونچا نادر اور پھیلا ہوا　　آبِ حیواں ہے محیط اس بحر کا
شکل کے پیچھے چلا تو بے خبر　　شاخِ معنی سے نہ پایا بار و بر
نام اس کا جھاڑ گاہے آفتاب　　ہوگیا گاہے سمندر گہ سحاب
صد ہزار آثار، یہ وہ اک ہی　　درجہ کم تر اس کا دائم زندگی
وہ ہے اک لیکن نشاں اس کے ہزار　　ایک وہ نام اس کو زیبا بے شمار
شخص وہ جو تیرے حق میں ہے پدر　　دوسرے کے واسطے وہ ہے پسر

حق میں دیگر کے وہی قہر و عدو
اور دگر کو مہرباں، مردِ نکو
دوسرے کو وہ چچا ہوگا کہ خال
اور کسی کے واسطے محض اک خیال
نام اس کے سو ہزار اک آدمی
سب کو ایک ہی کی خبر نے دوسری
معتبر ہو نام کا جویا تو کیا
تجھ سا ہو نومید اندر تفرقہ
نام پر چپکا رہا بیکار تو
رہ نہ جائے بے ثمر، ہشیار تو
ظاہری صورت بھلا کیوں اے جواں
جا معانی ڈھونڈ تو اے پہلواں
نام کو چھوڑ اور دیکھ اندر صفات
تا کہ لے جائیں مجھے وہ سوئے ذات
ذات میں گم ہو کے کھو دے گا خودی
پائے گا یک رنگ سب نیکی بدی
نام کا جھگڑا ہے خلقت میں سبھی
جائیں گر معنی پہ، ہے آرام ہی
سن مثال اک معنی کے در باب آ
پھنس کے ناموں میں نہ رہ جا تو سدا

## انگور کے معاملہ میں چار شخصوں کا آپس میں جھگڑے کا بیان کیونکہ وہ ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتے تھے

چار شخصوں کو دیا کوئی اک درم
تھے الگ ملکوں سے سب مل کر بہم
پارسی اور ترک و رومی و عرب
آپسی جھگڑے کے باعث پر غضب
پارسی بولا کہ اس کا کیا کروں
کیوں نہ میں انگور والے کو یہ دوں
سن کے نانا بولا اس کو وہ عرب
کاہے کو انگور لوں گا میں عنب
ترک بولا کیوں عنب احمق تجھے
میں نہ چاہوں، مجھ کو اوزم چاہیے
رومی بولا بس یہ باتیں چھوڑ دے
صرف استافیل مجھ کو چاہیے
یک دگر سے جنگ پر وہ اڑ گئے
بھید سے ناموں کے وہ غافل جو تھے
مُکّے بازی پر اتر آئے سبھی
کیونکہ تھے پُر جہل، اور دانش سے تہی
ہوتا معنی آشنا نے صد زباں
صلح کروا دیتا ان کے درمیاں
پس وہ کہتا اک درم لے کر ابھی
مول لاؤں گا ضرورت جملہ کی

بے دغل تم نے مجھے جو دل دیا — یہ درم تم کو بہت کام آئے گا
اک درم بن جائے گا چار المراد — چار دشمن کو کرے اک اتحاد
تھی تمھاری بات سب جنگ اور فراق — میری باتوں کا نتیجہ اتفاق
تم سبھی خاموش ہوں گے ''انصتو'' — میں کروں گا تم سبھوں کی گفتگو
لگتی ہیں باتیں تمھاری ایک سی — حاصل اس کا صرف جھگڑا غصہ ہی
ہے ملن کی بات گرچہ معتبر — ہے جدائی جنگ ہی اس کا اثر
عارضی گرمی نہیں رکھتی اثر — طبع کی گرمی ہے لیکن کارگر
سرکہ کو گرمائے گر تو آگ پر — سردی بڑھ جائے اسے کھائے اگر
کیونکہ گرمی اس کی ہوگی عارضی — سردی، تیزی اصل اس کی طبع کی
شیرۂ انگور یخ بستہ ہو گر — کھائے ہو گرمی فزوں اندر جگر
بہتر از اخلاص پیروں کی ریا — وہ بصیرت کا یہ کوری کا صلہ
پیر کی باتوں سے ملت کو مدد — پھوٹ ڈالے گفتۂ اہلِ حسد
جب سلیمانؑ نے رجوع رب سے کیا — سب پرندوں کی زباں کو پالیا
ان کے عہدِ عدل میں آہو پلنگ — انس کو اپنائے چھوڑے جدل و جنگ
اور کبوتر باز سے مامون تھا — بھیڑیے سے بھیڑ کب بھاگا بھلا
ایلچی وہ درمیانی دشمنان — ہوگئے ثالث پرندوں کے یہاں
جیسے چیونٹی دوڑے دانہ کے لیے — نا غوی تجھ کو سلیمانؑ چاہیے
پھندا دانہ، دانہ جو کے واسطے — پائے دونوں گر سلیمانؑ چاہیے
جانوں کو در دورِ ایں آخر زماں — لحمہ بھر امن یک دگر سے ہے کہاں
ہے سلیماں بھی ہمارے دور کا — صلح سے اس کی مٹے جور و جفا
کون ملّت ایسی گزری ہے کبھی — جس میں آیا ہی نہیں کوئی نبی
بولا امت کوئی کب خالی رہی — نائب حق، ہوگا یا ہوگا ولی
جانوں میں پیدا کرے وہ یک دلی — پاک ہوں گے کھوٹ کہنے سے سبھی

شفقت اس کی ایسی گویا والدہ — سب مسلماں جیسے نفسٌ واحدہ
نفسِ واحد وہ رسول اللہؐ سے — ورنہ دشمن یک دگر کے واسطے
اتحاد ایسا نہ شرک ہی نے دوئی — اور وحدت، ماو تو سے بھی تہی

## انصار کے درمیان سے مخالفت وعداوت کا ختم ہو جانا
## پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کی برکت سے

دو قبیلے اوس و خزرج نام کے — یک دگر کے خون کے پیاسے جو تھے
کہنہ کینے ان کے وجہِ مصطفیٰؐ — مٹ گئے در نورِ اسلام و صفا
بھائی بھائی بن گئے وہ دشمناں — در عدد مثلِ عنب در بوستاں
اور بندھے المومنون اخوۃ کے — ٹوٹے تن، اک جسمِ وحدت بن گئے
صورتِ انگور سب بھائی ہوئے — شیرۂ انگور جوں واحد بنے
گو مخالف غورہ[1] ہے انگور کا — پک گیا تو دوست پیارا ہوگیا
خشک کچے پن میں جو غورہ ہوا — کافر اصلی کہا اس کو خدا
کوئی بھی بھائی نہیں واحد رہا — سنگدلی سے کافر و بدبخت تھا
گر کہوں میں اس میں ہے کیا کچھ نہاں — ہوگا فتنہ عقل کے اندر وہاں
رازِ کافر کور سربستہ بھلا — دورِ ارم سے دھند دوزخ کا بھلا
اچھے غورے ان کے ہی قابل رہے — اہلِ دل کی سن کے وہ یک دل رہے
وہ چلے انگور بن کے سمت میز — تا کہ اٹھ جائے دوئی کین و ستیز
بعد انگوری کے پھاڑے ان کا پوست — تا بہم ہوں کہ ہے توحید ان کی دوست
دوست دشمن ہوگا کیوں کہ وہ ہیں دو — وہ جو ہو اک کیا لڑے گا خود سے وہ
آخریں استاد کامل عشق کا — لاکھوں ذرّے متحد باہم کیا
جس طرح ذرّاتِ خاکِ رہ گزار — جوڑتا ہے اک سبوچہ میں کمہار

---

1- غورہ= کچا انگور

میلِ خاک و آب کا ناقص یقیں — جاں مشابہ اس کے ہوسکتی نہیں
گر میں کہتے جاؤں از روئے مثال — ڈر ہے پڑنے کا سمجھ میں اختلال
ہے سلیماں آج بھی پیدا مگر — ہم مگر مستی میں محرومِ نظر
دور بینی مرد کو کرتی ہے کور — خودسرا میں اور سر آنکھوں سے دور
مشرق و مغرب میں رکھتا ہے گزر — پر رفیق و ہمنشیں سے بے خبر
ہے دقائق پر سدا ان کی نظر — کھولنے میں محو، گرہیں سخت تر
تا لگائیں ہم گرہ، کھولیں انھیں — در جوابِ مشکلات آئیں گھڑیں
جوں پرندہ کھولے بند اپنا و دام — گاہ باندھے تا کہ فن میں ہو تمام
ہے جدا گہ اور نہ بن اس کے لئے — عمر کاٹے سال و مہ گنتے ہوئے
کہ کر پائے اس کو عاجز کوئی دام — پر رہے گا پر شکستہ وہ مدام
گانٹھ سے مت کھیل تا کہ بال و پر — رہ نہ جائیں اس عمل میں ٹوٹ کر
صد ہزاراں مرغ کے ٹوٹے ہیں پر — کرنہ پائے بند حوادث کے وہ در
حال ان کا پڑھ تو قرآں میں ذرا — کیا لگائے نقب، کیا رستہ ملا
کیا نزاع ترک و رومی و عرب — کرسکی حل مشکلِ انگور، عنب
تا نہ آئے وہ زباں داں معنوی — مٹ نہ پائے گی یہ ناموں کی دوئی
اے پرندو، لڑنے والے باز وار — لو سنو آوازِ طبلِ شہر یار
پھوٹ سے آپس کی سوئے اتحاد — ہر طرف سے آؤ یکجا شاد شاد
تم جدھر بھی ہو رخ اپنا موڑ لو — اس کی جانب، ہاں نہیں روکے گا وہ
ہم پرندے اندھے ہیں اوران گھڑے — اُس سلیماں کو سمجھنے سے رہے
جیسے اُلّو بازوں کے دشمن بنے — بے گماں برباد و پس ماندہ ہوئے
ہم نے جہل و کور پن سے کرلیا — ''قصدِ آزار عزیزانِ خدا''
سب سلیماں سے ہیں چونکائے گئے — نوچتے پر بے گنہ کے کب گئے؟
ان سے ہدہد واسطے تقدیس کے — کھولے ہیں بلقیں کو سو راستے

ان کا وہ لقلق سدا لک لک کرے　　　آتشِ توحید شک میں ڈالتے
ان کا بلبل وجد میں لاتا ہے جو　　　اپنے باطن میں چمن پاتا ہے وہ
طوطی ان کا قند سے بیگانہ تھا　　　قندِ ابدی پایا دل میں رونما
ان کے طاؤسوں کے پا دیکھیں اگر　　　اور موروں سے لگیں گے خوب تر
کبک ان کا شاہیں کا ٹھٹھا اڑائے　　　اور اڑتے راہِ علیین جائے
منطق الطیرانِ خاقانی صدا　　　منطق الطیر سلیمانی کجا
تو نہ جانے ان پرندوں کی صدا　　　دیکھتا دم بھر سلیماں کو بھی جا
مست کردے جو پرند آواز سے　　　مشرق ومغرب سے بھی ہے وہ پرے
کرسی تا زیرِ زمیں اس کا سفر　　　از زمیں تا عرش اسے سب زیرِ پر
مرغ جو جائے سلیماں کے بنا　　　وہ اندھیروں میں ہے چمگادڑ بنا
بن سلیماں سا تو اے خفاش بد　　　جا اندھیروں میں نہ رہنا تا ابد
ایلگزِ رہ اس کی جانب گر چلے　　　خود تو مرکز اس مساحت کا بنے
بولا لنگڑا جائے گا اس سمت کو　　　اپنی معذوری سے چھٹ جائے گا تو

## بطخ کے ان بچوں کا قصہ جن کو گھریلو مرغ نے پالا

بط کے انڈے گھریلو مرغ نے　　　زیرِ پر پالا ہے گو دایہ بنے
تیری ماں تو بط اسی دریا کی تھی　　　دایہ خاکی خشکی سے وابستگی
جو کشش دریائی ہے دل میں ترے　　　وہ طبیعت دین ہے ماں کی تجھے
میل خشکی کا ہے دایہ کا اثر　　　چھوڑ دایہ کو نہیں وہ راہ پر
چھوڑ دایہ کو کہ خشکی میں رہے　　　جوں بطاں آ بحرِ معنی میں چلے
دایہ گر تجھ کو ڈرائے پانی سے　　　تو نہ ڈر آسوئے دریا دوڑتے
تو بطِ زندہ، ترے سب خشک و تر　　　نا گھریلو مرغ تو کھودے جو گھر
تو ہے کرّمنا بنی آدم سے شاہ　　　خشک و تر دونوں ہی تیری پائے گاہ

تو علی البحر بنا اگر وجہِ جاں — ہو علی البرِّ سے آگے اب رواں
راہ خشکی میں فرشتوں کو نہیں — بحر جا ہے جنسِ حیواں کو کہیں؟
تن سے حیواں روح سے تو ہے ملک — چل سکے تا بر زمین و بر فلک
دیکھنے میں مسلکم تو اک بشر — ہے دلِ یُوحیٰ اِلیَّ دیدہ ور
قالبِ خالی ترا ہے بر زمیں — گھومتی ہے روح بر چرخِ بریں
ہم سبھی مرغابیاں ہیں اے غلام — جانتا ہے بحر اپنا ہر کلام
پس سلیماں ہے سمندر ہم ہیں طیر — تا ابد اندر سلیماں اپنی سیر
جوں سلیمانؑ آ جو تو دریا میں آئے — پانی جوں داؤدؑ سو زر ہیں بنائے
وہ سلیماں سب کے آگے ہے ضرور — شرم اسے، ساحر سا ہے نظروں سے دور
اپنی نادانی، نشہ، بیہودگی — سامنے وہ، ہم نہیں دیکھے کبھی
دردِ سر پیاسے کو کڑکا برق کا — کیا خبر کب ابر بارش لائے گا
اس کی نظروں میں فقط جوئے رواں — جانے کیا وہ ذوقِ آبِ آسماں
انحصار ان کا سبھی اسباب پر — پر نہیں جاتی مُسبب پر نظر
سعی سے سو سال میں جو پاسکے — دسواں حصہ گنج پانے سے رہے

## حاجیوں کا درویش کی کرامات سے حیران ہونا جو کہ صحرا کی گرم ریت پر بیٹھا ہوا تھا

ایک عابد درمیاں صحرا کے تھا — غرقِ طاعت مثلِ عباداں رہا
حاجی آئے مختلف جا سے ادھر — خشک زاہد پر پڑی ان کی نظر
خشک زاہد کی جگہ وہ خوش مزاج — لو وہ صحرائی ہوئی اس کا علاج
اس کی تنہائی پہ حیراں حاجیاں — وہ سلامت آفتوں کے درمیاں
وہ عبادت میں کھڑا بر سطحِ ریگ — ریگ کی گرمی کہ اُبلے آبِ ریگ
تو گُل و ریحاں میں سمجھے بار دار — یا ہے جوں برّاق و دُلدُل پر سوار
یا لباس و ریشم اس کے زیرِ پا — لو تھی اس کو بہتر از بادِ صبا

چہرہ تازہ تازہ اس کا در نماز
با خضوع و با خشوع و پُر نیاز

سامنے محبوب کے افشائے راز
کرتا تھا مستغرقِ فکر دراز

منتظر تھی وہ جماعت با نیاز
تا کہ وہ درویش ادا کرلے نماز

باہر استغراق سے آیا فقیر
اس جماعت میں جو تھا روشن ضمیر

دست و رخ سے پانی کا ٹپکاؤ تھا
جامہ تر گویا وضو اس نے کیا

پوچھا یہ پانی کہاں سے آگیا
ہاتھ اٹھاکر آسماں سے کہہ دیا

بولا جب بھی چاہے تو مل جائے گا
چاہ بن، اور مونج کی رسّی بنا

کیجیے حل مشکل ہماری شاہِ دیں
تا تمھارے حال سے پائیں یقیں

راز اک اسرار سے دیجیے بتا
تا کہ ہوں زنّار سے ہم سب رہا

آنکھ اٹھایا، دیکھا سوئے آسماں
کر قبول اے رب دعائے حاجیاں

مانگنا رزق آسماں سے خو مری
در ہے وا اوپر رسائی کو مری

تونے دکھلایا مکاں از لا مکاں
رزق کو ہے آسماں، اس سے عیاں

چھایا گہرا ابر دورانِ دعا
پانی بھرنے والا ہاتھی آگیا

جس طرح اک مشک سے پانی ڈھلے
اور گڑھوں، غاروں میں جا کر جم رہے

مشک جیسے اشک بادل نے بہائے
حاجیاں منھ کھول کر مشک اپنے لائے

اک عجوبہ دشت میں دیکھا گیا
ابر جیسے مشک منھ کھولے رہا

اک جماعت یہ کرشمے دیکھ کر
توڑ ڈالی اپنی زنّارِ کمر

قومِ دیگر میں یقیں افزوں ہوا
حال طالبِ راہ کا جانے خدا

جو نہ مانے وہ رہے ہیں ترش و خام
وہ تھے ناقص دائمی تمّ الکلام

◆◆◆

زیرِ نظر کتاب ''مثنوی مولانا روم'' اب تک کے شعری و ادبی کارناموں میں شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ مولانا جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ کی مثنوی کا منظوم ترجمہ ہے۔ مذکورہ کتاب چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ ''مثنوی مولانا روم'' جو رہتی دنیا تک ابنائے آدم کی رہبری و ہدایت کے کام آئے گی۔ یہ علمی و عملی دینیات یعنی فقہ و تصوف دونوں کا مجموعہ ہے۔ جس طرح فقہ احکام دینیہ ظاہری کا مجموعہ ہے ویسے مثنوی شریف تصوف کی جان ہے۔ یہ کتاب سینوں کے خلجان کے لیے شفا بخش، غموں کو زائل کرنے والی اور قرآن مجید کے مطالب کو حل کرنے والی نیز گہرے مسائل اور سلوک میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کو رفع کرتی ہے۔ ''مثنوی مولانا روم'' شہرت و کامیابی کا ایک اہم ریکارڈ رکھتی ہے۔ یہ کم و بیش چار سو برس سے علما، صوفیہ اور اہل دانش کے درمیان مقبول ہے۔ علمی و روحانی محفلوں میں اس کے اشعار سننے کو ملتے ہیں۔ جس سے روحانی کیف اور سرور حاصل ہوتا ہے۔

صاحب مثنوی، مولانا محمد جلال الدین رومیؒ ایک عظیم عالم اور بے مثال صوفی و شاعر ہیں۔ آپ 604ھ مطابق 1207 میں بلخ میں پیدا ہوئے۔ مولانا میں بچپن ہی سے روحانی کیفیات پائی گئیں۔ کبھی کبھی گھبراہٹ اور پریشانی سے تڑپ جاتے تو آپ کے والد کے مریدین اور شاگرد سنبھالتے۔ مولانا رومی اپنے والد صاحب کے زیرِ تربیت رہے اور انھی سے ظاہری و باطنی علوم حاصل کرتے رہے۔ علوم دینیہ سے گہرا شغف گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ ان کی تصنیفات میں مثنوی شریف، دیوان منظوماتی تصانیف اور ملفوظات (فیہ مافیہ) وغیرہ شامل ہیں۔

سید احمد ایثار نے محنت اور عرق ریزی کے ساتھ فارسی سے اردو نظم میں منتقل کر کے علم و ادب کی تاریخ میں اپنا نام درج کرا لیا ہے۔ انھوں نے منظوم ترجمے میں اس بات کا پورا لحاظ رکھا ہے کہ وہ کہیں اصل سے دور نہیں ہوئے ہیں۔ ایک ایک لفظ کا ترجمہ رواں، سلیس اور مطابق اصل ہے۔ ان کا یہ منظوم ترجمہ اردو داں طبقے کے لیے اصلاح و تربیت کا بہترین وسیلہ بنے گا نیز فارسی سے اردو تراجم اور فقہ و تصوف سے تعلق رکھنے والے طلبا کے لیے ''مثنوی مولانا روم'' مفید ثابت ہوگی۔

ISBN: 978-93-89612-06-6
NCPUL
New Delhi
9 789389 612066
Set for
ISBN: 978-93-89612-11-0
₹ 780/-
(Set)

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی، 33/9،
انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی۔ 110025